معارف القرآن

تالیف

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی
رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

جلد چہارم مشتمل بر تفسیر پارہ ۱۲ ۱۳ ۱۴ ۱۵

بہ ترجمہ حقیقت آگاہ معارف پناہ عارف باللہ حضرت شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ اسرارہما

شائع کردہ

مکتبۃ المعارف

دار العلوم الحسینیہ شہداد پور
سندھ، پاکستان

باجازت: مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد ۳۵۳ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قَالَ اللہُ تعالیٰ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ

الحمد للہ و للہ المنۃ کہ درین زمان میمنت اقتران تفسیر سراپا تنویر گنجینۂ حقائق و معارف و خزینۂ اسرار و لطائف، کشّافِ مشکلاتِ قرآنیہ و وصّافِ مخدّراتِ فرقانیہ

مُسمّٰی بہ

معارف القرآن

تألیف

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی

رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

جلد چہارم مشتمل بر تفسیر پارہ ۱۲ ۱۳ ۱۴ ۱۵

بہ ترجمۂ حقیقت آگاہ معارف پناہ عارف باللہ حضرت شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ اسرارہما

شائع کردہ

مکتبۃ المعارف

دار العلوم الحسینیہ شہداد پور

سندھ، پاکستان

باجازت: مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد ۳۵۳ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

نام کتاب :- معارف القرآن جلد ۴

نام مصنف :- حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

مکمل سیٹ :- ۸ جلد

صفحات جلد ۴ ۶۲۵

کتابت متن قرآن کریم : خطاط القرآن حضرت سید محمد اشرف علی الحسینی سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ

کتابت سرورق :- سید انیس الحسن ابن سید الخطاطین سید نفیس الحسینی دامت برکاتہم العالیہ لاہور

کتابت ترجمہ و تفسیر :- سید عصمت اللہ، سید جعفر حسین، سید ضیاء اللہ گوجرانوالہ

تعداد طبع اول :- ۱۴۱۹ھ ۱۱۰۰ (گیارہ سو)

تعداد طبع دوم :- ۱۴۲۲ھ

پریس : القادر پرنٹنگ پریس کراچی

ناشر :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہدادپور سندھ پاکستان

فون ۴۲۲۷۶ ۴۱۳۷۶ (۰۲۲۳۲)

ملنے کے پتے

کراچی :- صدیقی ٹرسٹ، صدیقی ہاؤس۔ المنظر اپارٹمنٹس ۴۵۸ گارڈن ایسٹ
نزد لسبیلہ چوک کراچی - پوسٹ کوڈ نمبر ۷۴۸۰۰

لاہور :- مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد ۳۵۳ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

شہدادپور :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہدادپور ضلع سانگھڑ سندھ پاکستان پوسٹ کوڈ ۶۸۰۳۰

اہم نوٹ

ہم نے اس کتاب کی تصحیح میں حتی الوسع کوشش کی ہے پھر بھی ممکن ہے کوئی غلطی رہ گئی ہو۔ لہٰذا تمام قارئین سے التماس ہے کہ اگر کہیں غلطی پاویں تو براہِ راست ہمیں اطلاع دیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اسے درست کیا جاسکے، اللہ تعالیٰ اس کا اجر آپ کو عطا فرمائیں گے۔

خط و کتابت کیلئے :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہدادپور پوسٹ کوڈ ۶۸۰۳۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم .

اجازت نامہ

برائے اشاعت معارف القرآن، بنام مکتبۃ المعارف شہداد پور

قرآن پاک معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحبؒ جوکہ دار العلوم الحسینیہ (رجسٹرڈ) شہداد پور والے حضرات نے خود دوبارہ لکھوایا ہے اور چھپایا ہے .

ہماری طرف سے اجازت ہے . ہمیں کوئی اعتراض نہیں کہ وہ اسکو چھپوائیں اور فروخت کریں .

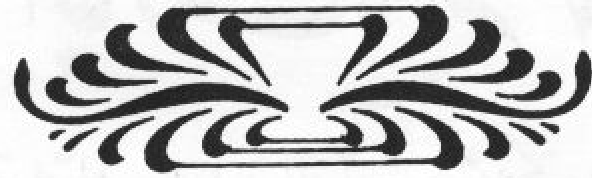
[illegible]

27/1/99

فہرست مضامین معارف القرآن جلد چہارم

مشتمل بر — پارہ ۱۲ ۱۳ ۱۴ ۱۵

سورۂ ہودؑ ۔ یوسفؑ ۔ رعد ۔ ابراہیمؑ ۔ حجر ۔ نحل ۔ بنی اسرائیل ۔ کہف



نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	تفسیر سورۂ یوسف (علیہ السلام)	۹۰

تفسیر سورۂ رعد

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۰۷	اہل سعادت کے حال ومآل کا ذکر	۲۵۳
۱۰۸	مثال کلمۂ ایمان وکلمۂ کفر وسوال قبر	۲۵۴
۱۰۹	خلاصۂ کلام	۲۵۶
۱۱۰	چند فوائد	۲۵۹
۱۱۱	ایک شبہ اور اس کا جواب	۲۶۰
۱۱۲	خلاصۂ تفسیر آیت مذکورہ	۲۶۱
۱۱۳	مذمت کفار ومشرکین ومدح مؤمنین صالحین	۲۶۴
۱۱۴	دعاء ابراہیمی کا ذکر	۲۶۷
۱۱۵	تذکیر آخرت وتحذیر از غفلت	۲۷۲
	تفسیر سورۂ حجر	۲۷۵
۱۱۶	حقانیت قرآن کریم	؍؍
	آغاز پارہ ۱۴ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا	۲۷۷
۱۱۷	بیان حسرت اہل غفلت درروز قیامت	؍؍
۱۱۸	ذکر اقوال کفار ناہنجار در بارۂ بارگاہ رسالت	۲۷۹
۱۱۹	لطائف ومعارف بابت آیت إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ	۲۸۲
۱۲۰	دلیل عقلی	۲۸۴
۱۲۱	دلیل نقلی	؍؍
۱۲۲	دلیل الزامی	؍؍
۱۲۳	حفاظت کا طریقہ	۲۸۷
۱۲۴	شیعوں کو قرآن کیوں یاد نہیں ہوتا	۲۸۸
۱۲۵	تاویلات شیعہ اور انکا جواب	۲۸۹
۱۲۶	اجماع بر محفوظیت قرآن از زیادت ونقصان	۲۹۰

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۳۸۵	دلیل نہم	۱۷۶
″	دلیل دہم	۱۷۷
۳۸۶	دلیل یازدھم	۱۷۸
″	دلیل دوازدھم	۱۷۹
۳۸۷	دلیل سیزدھم	۱۸۰
″	دلیل چہاردھم	۱۸۱
″	امتنان بر اتمام احسان	۱۸۲
۳۸۹	ذکر قیامت	۱۸۳
۳۹۵	تلقین مکارم اخلاق و محاسن اعمال و آداب	۱۸۴
۳۹۸	ایفاء عہد کی تاکید اور غدر و بدعہدی سے ممانعت و تہدید	۱۸۵
۴۰۲	تعلیم طریقہ حفاظت از شر شیطانی	۱۸۶
۴۰۴	منکرین نبوت کے چند شبہات اور ان کے جوابات	۱۸۷
۴۰۵	کافروں کا دوسرا اعتراض اور اس کا جواب	۱۸۸
۴۰۷	حکم مرتد	۱۸۹
۴۰۹	ذکر جزائے آخرت	۱۹۰
۴۱۲	تہدید بآفات دنیویہ بر معصیت و کفران نعمت	۱۹۱
۴۱۳	نکتہ	۱۹۲
۴۱۶	بیان حقیقت ملت ابراہیمیہ برائے ترغیب اتباع ملت محمدیہ	۱۹۳
۴۲۰	ایک اشکال اور اس کے تین جواب	۱۹۴
۴۲۱	جواب اول	۱۹۵
۴۲۲	جواب دوم	۱۹۶
۴۲۳	جواب سوم	۱۹۷
۴۲۶	آداب دعوت و تبلیغ	۱۹۸
۴۲۸	اختتام سورۂ نحل	۱۹۹

کتابت۔ ع۔م شہداد پور

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا

اور کوئی نہیں پاؤں چلنے والا زمین پر مگر اللہ پر ہے اسکی روزی

وَیَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِیْ كِتٰبٍ

اور جانتا ہے جہاں ٹھہرتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے سب موجود ہے کھلی

مُّبِیْنٍ ﴿۶﴾ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

کتاب میں - اور وہی ہے جسنے بنائے آسمان اور زمین

فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ لِیَبْلُوَكُمْ

چھ دن میں ، اور تھا تخت اس کا پانی پر کہ تمکو آزمائے

اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ

کون تم میں اچھا کرتا ہے کام

بیان صفت ترزیق وصفت تخلیق

قال اللہ تعالیٰ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا ... الی ... لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا

(ربط) اوپر کی آیت میں اللہ تعالےٰ نے اپنا عالم الغیب ہونا بیان کیا کہ اس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے اب ان آیات میں صفت ترزیق اور صفت تخلیق کو بیان کرتے ہیں کہ وہی سب کا رازق ہے اور وہی سب کا خالق ہے اور مخلوق رزق کی محتاج ہے اس لیے اس نے اپنے فضل سے مخلوق کا رزق اپنے ذمہ کر لیا ہے جب تک خالق کو کسی جاندار کا زندہ رکھنا مقصود ہے اس وقت تک اسکو رزق پہنچتا رہے گا۔ اور جو حیوان بھوک سے مر جائے تو اسکی وجہ یہ نہیں کہ اللہ تعالےٰ کے خزانوں میں کمی آگئی ہے بلکہ اسکی وجہ یہ ہے کہ اب اللہ تعالےٰ کا ارادہ اسکے زندہ رکھنے کا نہیں ہے اللہ تعالےٰ نے جس حیوان کا جتنا رزق مقرر کر دیا ہے وہ اس سے غافل نہیں اور زمین کے تمام جانداروں کا رزق اسکے ذمہ ہونا اسکی دلیل ہے کہ اسکا علم تمام کائنات کو محیط ہے اگر اسکو تمام اشیاء کا علم نہ ہوتا تو اس قدر بے شمار مخلوقات کو رزق کیسے دیتا۔

نیز یہ بھی ناممکن ہے کہ خالق کو اپنی مخلوق کا علم نہ ہو۔ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۔ پس اسکا خالق

اور رزاق ہونا اس کے کمال علم اور کمال قدرت کی دلیل ہے چنانچہ ارشاد ہے اور نہیں ہے کوئی جاندار جو زمین پر چلتا ہو اور رزق کھانے والا ہو مگر اللہ کے ذمہ ہے اسکا رزق جو اس نے اسکے لیے مقرر کر دیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے جس جاندار کا جو اور جتنا رزق مقرر کر دیا اسکا پہنچانا خدا کے ذمے ہے رِزْقُهَا کی اضافت عہد اور تعین پر دلالت کرتی ہے۔ یعنی قضاء و قدر میں جو رزق اسکا مقدر اور معیّن ہو چکا ہے وہ اسکو پہنچتا رہے گا۔ خدا کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں پس اگر کوئی بھوک اور فاقہ سے مرجائے تو اسکی یہ وجہ نہیں کہ خدا کے خزانے میں رزق نہیں رہا بلکہ اسکی وجہ یہ ہے کہ خدا کو اب اسکا زندہ رکھنا ہی مقصود نہیں ۔ وہ کسی کو فاقہ سے مارتا ہے اور کسی کو بیماری سے مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کے رزق کا کفیل ہے اسکے سوا کوئی رازق نہیں۔ بندوں کو چاہیئے کہ اس پر بھروسہ کریں اور چونکہ رزق رسانی کے لیے علم کامل کی ضرورت ہے اس لیے وہ خداوند رزاق ہر حیوان کی جائے قرار کو جانتا ہے۔ مستقر سے وہ جائے قرار مراد ہے، جہاں حیوان اپنی زندگی میں اپنے اختیار سے ٹھہرے جیسے اپنے مکان اور رہنے کی جگہ اور مُسْتَوْدَعْ یعنی جائے ودیعت سے وہ جگہ مراد ہے جہاں ٹھہرنا اختیار سے نہ ہو۔ جیسے پشت پدر اور رحم مادر اور جائے قبر شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ مترجم گوید مستودع جائیست کہ بغیر اختیار او آنجا نگاہ داشتہ بودند مانند صلب ورحم ومستقر جائیست کہ باختیار خودمی ماند مثل خانہ" (فتح الرحمٰن) اور یہی تفسیر ابن عباسؓ سے منقول ہے (دیکھو تفسیر قرطبی ص۸ ج ۹) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی مخلوق زمین میں پیدا کی ہے وہ سب کی روزی پہنچاتا ہے اور وہ ہر مخلوق کی قرار اور رہائش کی جگہ کو جانتا ہے کہ کس جگہ اسکی بود و باش ہے اور کس جگہ اسکی موت ہوگی اور یہ سب باتیں اگرچہ اسکے علم ازلی میں ہیں مگر ساتھ ساتھ لوح محفوظ میں بھی لکھی ہوئی ہیں اور تم اسکی کفالت رزق کا کیسے انکار کر سکتے ہو کیونکہ خداوند رازق وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن کی مقدار میں پیدا کیا آسمان سے پانی برساتا ہے اور زمین سے روزی نکلتی ہے اور آفتاب کی گرمی سے وہ کھیتیاں پکتی ہیں اور آسمان اور زمین کے پیدا کرنے سے پہلے اسکا عرش عظیم پانی پر تھا جس پر زندگی کا دارومدار ہے کما قال تعالیٰ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔ غرض یہ کہ آسمان اور زمین اور عرش اور پانی کے پیدا کرنے کے بعد تم کو پیدا کیا تاکہ تم کو آزمائے کہ کون تم میں اچھے عمل کرتا ہے یہ کون و مکان اور یہ زمین و آسمان اور رزق کا یہ سامان اس لیے پیدا کیا کہ دیکھیں کہ ان نعمتوں کو دیکھ کر کون اپنے منعم اور محسن تک پہنچتا ہے۔ اور کون ان نعمتوں میں مست ہو کر منعم اور رزاق کا منکر ہوتا ہے عاقل اور دانا نے اس عجیب و غریب نظام کو دیکھ کر سمجھ لیا کہ یہ دار فانی امتحان گاہ ہے اور آئندہ چل کر ایک وقت آنے والا ہے جس میں اس امتحان کے نتیجہ کا اعلان ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ کو ہر چیز پر قدرت ہے اس نے اپنی قدرت سے آسمان اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور اس سے پہلے اللہ کا عرش پانی پر تھا۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے پانی کو پیدا کیا اور پھر عرش کو پیدا کیا۔ پھر قلم کو پھر لوح محفوظ کو اور پھر پچاس ہزار سال بعد آسمان اور زمین پیدا کیے

اور عمران بن حصینؓ کی حدیث میں ہے۔ کان اللہ و لم یکن شیئ غیرہ۔ یعنی ایک وقت ایسا تھا کہ صرف اللہ کی ذات پاک تھی۔ اور اس کے سوا کوئی چیز نہ تھی اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو بلا مادہ اور بلا کسی اصل کے محض اپنی قدرت سے پیدا کیا تاکہ بندوں کا امتحان کرے کہ وہ خدا کے آثارِ قدرت کو دیکھ کر اسکو مانتے ہیں یا نہیں۔ اس قسم کی آیات اور احادیث اس امر کی صریح دلیل ہیں کہ دیگر کائنات کی طرح مادہ بھی مخلوق اور حادث ہے اللہ ہر چیز کا خالق ہے مادہ ہو یا صورت سب اس کی مخلوق ہے۔

فلاسفر اور دہریہ کہتے ہیں کہ مادہ قدیم اور غیر مخلوق ہے یہ گروہ خدا تعالےٰ کی ہستی کا قائل نہیں ان کا قول یہ ہے کہ دنیا کے تمام کام مادۂ قدیمہ کی حرکت سے اور موجودات کی باہمی کششوں اور طبعی خواص سے چل رہے ہیں اور یہ لوگ اپنے اس قول کی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے کسی چیز کو معدوم محض ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اور نہ کسی چیز کو نیست سے ہست ہوتے دیکھا صرف صورتوں کا اختلاف دیکھا۔ لکڑی اور مٹی کی صورتیں بدلتی رہتی ہیں مگر مادہ بحالہ باقی رہتا ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ ہماری قدرت میں صرف اتنا ہے کہ صورت تبدیل کر سکتے ہیں۔ ایجادِ محض یا اعدامِ محض نہیں کر سکتے۔

جواب یہ ہے کہ آپکی اس دلیل سے یہ کہاں سے لازم آیا کہ واقع میں ایسا ہونا ناممکن اور محال ہے بے شک ایک چیز آپ نے نہیں دیکھی اور آپکی قدرت سے باہر ہے مگر آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ امر کسی کی بھی قدرت میں نہیں۔

بلکہ اپنے متعلق بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ آئندہ چل کر مجھے اس پر قدرت نہ ہوگی۔ ممکن ہے کہ یہ امر آج آپ کی قدرت سے خارج ہو اور آئندہ چل کر آپ اس پر قادر ہو جائیں۔ جیسے گراموفون اور ٹیلی فون اور تار برقی کی ایجادات دو سو سال پیشتر قدرت انسانی سے خارج تھیں اور اب ہر وقت نظروں کے سامنے ہیں غرض یہ کہ کسی چیز کو عدم تجربہ اور نہ دیکھنے پر محال کہنا سراسر غلط ہے سورج کو مشرق یا مغرب سے نکالنا آپکی قدرت میں نہیں تو اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ یہ امر کسی کی بھی قدرت میں نہیں۔ بے شک یہ امر آپ کی قدرت سے خارج ہے مگر جس قادرِ مطلق نے اسکو وجود عطا کیا ہے اسکو قدرت ہے کہ چاہے مشرق سے نکالے یا مغرب سے نکالے اسکی قدرت کے اعتبار سے مشرق اور مغرب سب برابر ہیں اگر کوئی شخص کسی فقیر یا مزدور سے جو دن بھر میں کمالِ مشقت و محنت سے ایک ایک روپیہ کماتا ہو، یہ کہے کہ تجھ کو دس ارب روپیہ مل جائے گا تو وہ اس کو ناممکن اور محال سمجھے گا۔ اور عجب نہیں کہ اسکے محال ہونے پر کوئی طویل و عریض لیکچر بھی دیدے۔

لیکن عاقل اور دانا یہ سمجھتا ہے کہ یہ امر عقلاً محال اور ناممکن نہیں بلکہ مستبعد اور اچنبھا ہے یعنی عجیب معلوم ہوتا ہے دائرۂ امکان سے باہر نہیں "محال" وہ ہے کہ جسکا باطل ہونا دلیل عقلی سے ثابت ہو جیسے اجتماع نقیضین اور ارتفاع نقیضین اور "مستبعد" وہ ہے کہ جو ظاہر کے لحاظ سے عجیب و غریب نظر آئے۔

آج کل کے سائنسدان محال اور مستبعد میں فرق نہیں کرتے حالانکہ دونوں میں بڑا فرق ہے بہرحال عدم محض سے کسی چیز کا وجود میں آنا اور نیست سے ہونا قطعاً محال نہیں البتہ مستبعد اور اچنبھے کی بات ہے آپکے پاس اسکے محال ہونے کی کوئی دلیل نہیں سوائے اس کے کہ ہمیں کبھی ایسا تجربہ نہیں ہوا اور ہم نے کبھی ایسا نہیں دیکھا آپ ذرا ہوش میں آیئے اور بتلایئے کہ آپکے نہ دیکھنے سے یا نہ کرسکنے سے کسی چیز کا محال ہونا کیسے ثابت ہوا۔ اس قسم کی باتوں سے کسی چیز کا ناممکن اور محال ہونا ثابت نہیں ہوتا البتہ ان باتوں سے آپ کا گھمنڈ ثابت ہو جاتا ہے۔

ابطال قدامت مادہ

اے علمبرداران فلسفہ وسائنس آپ اگرچہ مادہ کو قدیم اور اسکے ذرات بسیط کی حرکت کو قدیم مانتے ہیں لیکن تبدیل صورت کے تو قائل ہیں کہ صورتیں بدلتی رہتی ہیں جسکا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ صورتوں کے حادثات ہونے کے قائل اور معترف ہیں اور صورت کی تبدیلی کا مطلب یہ ہے کہ پہلی صورت تو معدوم اور زائل ہوگئی اور جدید صورت موجود ہو کر مادہ کو لاحق ہو گئی تو اب سوال یہ ہے کہ جب اجسام مادیہ میں صورت وشکل کی تبدیلی واقع ہوتی ہے تو آپ یہ بتلائیں کہ اسی ادل بدل کے وقت۔ اور دوسری صورت کے آنے کے وقت پہلی صورت اور شکل بھی اس جسم میں باقی رہی یا بالکل زائل اور معدوم اور فنا ہو گئی۔ یا کسی دوسرے جسم کی طرف منتقل ہو گئی۔ پہلی شق بداہتہً باطل ہے اس لیے کہ ایک محل میں ایک ہی وقت میں دو متضاد شکلوں کا جمع ہونا عقلاً محال ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ موم کے گولہ کو ایک شمع بنا لیا جائے تو اس میں باوجود مستطیل ہونے کے شکل مستدیری ہی باقی رہے اور علیٰ ہذا تیسری شق بھی بداہتہً باطل ہے ہم بداہتہً جانتے ہیں کہ اس جسم کی پہلی صورت زائل ہو کر کسی دوسرے جسم کو جا کر نہیں لگ گئی۔ اب دوسری صورت متعین ہوگئی کہ تبدیلی کے وقت پہلی صورت وشکل بالکل زائل اور معدوم ہوگئی۔ اور عدم میں چلی گئی۔ لہٰذا اب دوسری شکل وصورت کے متعلق تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ عدم محض سے وجود میں آئی یعنی پہلے نیست تھی اب ہست ہوگئی۔ پس ہر لحہ صورتوں کی تبدیلی سے نیست سے ہست ہونے کا آپ نے مشاہدہ کرلیا۔ یہ تو آپکی قدرت کا حال ہوا کہ آپ صورتوں اور شکلوں میں نیست سے ہست کرنے پر قادر ہیں تو سمجھ لو کہ خداوند قدیر آسمان و زمین اور شمس وقمر جیسے اجسام کو نیست سے ہست کرنے پر قادر ہے¹ اور خداوند عالم اپنی قدرت کاملہ کے اعتبار سے ہر جوہر و عرض کو نیست سے ہست کرنے پر قادر ہے پس جب یہ ثابت ہوگیا کہ صورت حادث ہے اور نیست سے ہست ہوتی ہے تو اس سے مادہ کا حادث ہونا ثابت ہوگیا کیونکہ صورت مادہ کیلئے لازم ہے مادہ بغیر صورت کے موجود نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ امر عقلاً محال ہے کہ مادہ تو موجود ہو اور اسکی صورت اور شکل نہ ہو کیونکہ عقل اس تصور سے قاصر ہے کہ یہ تصور کرے کہ مادہ پر کوئی زمانہ ایسا گزرا ہے کہ مادہ بغیر صورت کے موجود تھا۔ اور اس کو کوئی صورت اور شکل حاصل نہ تھی اور جب مادہ بلا صورت کے موجود نہیں ہوسکتا تو مادہ کا قدیم ہونا باطل ہوگیا کیونکہ جس چیز کا وجود کسی حادث پر موقوف ہو گا وہ قدیم نہیں ہوسکتی بلکہ بلاشبہ حادث ہوگی بلکہ وہ تو حادث در حادث ہوگی۔ اور اگر یہ مان لیا جائے

---

¹ آپکی ناقص اور ناتمام قدرت اپنے دائرۂ عمل میں نیست سے ہست کرنے پر قادر ہے۔

کہ مادہ بغیر صورت کے موجود ہو سکتا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ وجود بالقوہ ہو گا۔ اور وجود بالفعل نہ ہو گا اور وجود بالقوہ من وجہٍ عدم ہے اور من وجہٍ وجود ہے یعنی ناقص و ناتمام وجود ہے اور جس چیز کا وجود ناقص اور ناتمام ہو وہ کبھی قدیم نہیں ہو سکتی۔ اور بالفاظ دیگر وجود بالقوہ ایک استعداد اور قابلیّت اور صلاحیت کا نام ہے جو ایک قسم کا فرضی وجود ہے حقیقی وجود نہیں لہذا ایسی فرضی اور موہوم حقیقت کا قدیم ہونا عقلاً محال ہے۔

وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ

اور اگر تو کہے کہ تم اٹھو گے مرنے کے بعد تو

لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷

البتہ کافر کہنے لگیں یہ کچھ نہیں مگر جادو ہے صریح۔

وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰۤى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ

اور اگر ہم دیر لگا دیں ان سے عذاب کو ایک مدت گنی تک

لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا

تو کہنے لگیں کیا روک رہا ہے اسکو؟ سنتا ہے! جس دن آویگا ان پر، نہ پھیرا جاوے گا

عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۸ ع

ان سے اور الٹ پڑیگا ان پر جس پر ٹھٹھے کرتے تھے۔

بحث دربارۂ بعث

قال اللہ تعالیٰ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ... الیٰ ... وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

(ربط) گزشتہ آیت میں تکوین عالم اور اسکی غرض و غایت کا ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو تمہاری آزمائش کے لیے پیدا کیا کہ کون اچھا عمل کرتا ہے اب اس آیت میں بعث بعد الموت۔ اور عمل کی جزا و سزا کو بیان کرتے ہیں کیونکہ مکلفین کے ابتلاء و امتحان کے لیے جزا اور سزا ضروری ہے اور جزا اور سزا کے لیے حشر و نشر ضروری ہے لہذا اگر کسی حکمت کی وجہ سے عذاب میں تاخیر ہو جائے تو انسان کو یہ گمان نہ کرنا چاہیئے کہ عذاب

کا وعدہ غلط ہے۔ عذاب ضرور آئیگا مگر اپنے وقت پر آئیگا اور جب عذاب آئے گا تو اس سے کچھ بچ نہیں سکے گا اور انکے مسخرہ پن کی سزا انکو مل جائے گی اور اے نبیؐ! اگر آپ ان منکرین حساب وکتاب سے یہ کہیں کہ تم مرنے کے بعد قیامت کے دن دوبارہ زندہ کرکے اٹھائے جاؤ گے تو جو کافر ہیں اور حشر نشر کے منکر ہیں تو ضرور بالضرور جواب میں یہ کہیں گے کہ نہیں ہے یہ حشر ونشر کی بات مگر کھلا جادو۔ یعنی دوبارہ زندگی کی بات مثل جادو کے دھوکہ اور فریب ہے جس کی حقیقت کچھ نہیں مطلب یہ ہے کہ اس قرآن میں جادو کی باتیں ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگ مرنے کے بعد زندہ ہونگے اور اگر ہم ان منکروں سے اس عذاب اور مؤاخذہ میں کچھ دیر لگا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ایک وقت مقررہ تک اس عذاب موعود کو کسی حکمت اور مصلحت کی بنا پر ملتوی رکھیں تو یہ لوگ ازراہِ تمسخر یہ کہیں گے کہ کس چیز نے اس عذاب موعود کو نازل اور واقع ہونے سے روک رکھا ہے جس عذاب کے ہم آپکے نزدیک مستحق ہیں یعنی محمدؐ جس عذاب کی ہم کو دھمکیاں دیتے ہیں وہ سب جھوٹی ہیں اگر سچا ہے تو عذاب ہم پر نازل کیوں نہیں ہو جاتا۔ حق تعالےٰ جواب میں فرماتے ہیں آگاہ ہو جاؤ اور کان کھول کر سُن لو۔ جس دن وہ عذاب موعود ان پر آجائے گا تو پھر وہ کسی طرح ان سے ہٹایا نہیں جائے گا۔ وہ لامحالہ ان پر واقع ہوکے رہے گا اور وہی عذاب انکو آگھیرے گا جسکا یہ ٹھٹھا اڑاتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ عذاب کے مستحق ہیں کسی حکمت سے اس میں تاخیر ہو رہی ہے۔ جب عذاب اپنے وقت معین پر نازل ہوگا تو ساری کسر نکل جائے گی اللہ تعالےٰ نے کسی حکمت سے اس عذاب کے نزول کا وقت نہیں بتلایا۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ

اور اگر ہم چکھا دیں آدمی کو اپنی طرف سے مہر، پھر وہ چھین لیں اس سے

اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ﴿٩﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ

تو وہ ناامید ناشکر ہو اور اگر ہم چکھا دیں اس کو آرام بعد

ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ

تکلیف کے جو پہنچی اسکو تو کہنے لگے گئیں برائیاں مجھ سے تو وہ خوشیاں

لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ﴿١٠﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ

کرے بڑائیاں کرتا۔ مگر جو لوگ ثابت ہیں اور کرتے ہیں نیکیاں

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿١١﴾

ان کو بخشش ہے اور ثواب بڑا۔

بیان حال طبیعتِ انسانیہ در راحت و کلفت

قال اللہ تعالیٰ وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ... الیٰ ... لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ

(ربط) گزشتہ آیت میں یہ بیان فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب عذاب الٰہی سے ڈراتے تو کفار نہایت بے باکی سے یہ کہہ دیتے کہ وہ عذاب کیوں نہیں آتا اب اس آیت میں طبیعت انسانی کا حال بیان کرتے ہیں کہ وہ اکثر و بیشتر ایک حال پر نہیں رہتی اگر عیش و آرام کے بعد ذرا تکلیف میں مبتلا ہوا تو ناامید ہو کر بیٹھ جاتا ہے اور اگر مصیبت کے بعد راحت پہنچتی ہے تو اترانے لگتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر ہم انسان کو اپنی طرف سے کسی رحمت اور نعمت کا مزا چکھائیں اور پھر اس سے وہ اپنی نعمت چھین لیں تو وہ بے صبری کی وجہ سے آئندہ ہمارے لطف و کرم سے ناامید ہو جاتا ہے اور گزشتہ نعمت کو بھی بھول جاتا ہے اور جو نعمتیں فی الحال اسکو حاصل ہیں ان کے شکر سے بھی غافل ہو جاتا ہے اور اگر ہم اس کو کسی نعمت کا مزہ چکھائیں جیسے تندرستی اور مالداری بعد اس سختی کے جو اسے پہنچی ہو جیسے بیماری اور محتاجی تو یہ کہنے لگتا ہے کہ اب تو مجھ سے برائیاں گئیں یعنی مصیبتیں اور سختیاں مجھ سے دور ہو گئیں اب آئندہ کی مجھے پرواہ نہیں تحقیق یہ نادان انسان بڑا اترانے والا ہے نعمت کو دیکھ کر پھول جاتا ہے اور بڑا شیخی خورہ ہے نعمت دیکھ کر فخر کرنے لگتا ہے۔ اور شکر سے غافل ہو جاتا ہے۔ اکثر انسانوں کی یہی حالت ہے کہ مصیبت میں بے صبر ہے اور نعمت میں ناشکرے اور ناقدرے مگر جو لوگ صابر اور نیک عمل ہیں انکا یہ حال نہیں وہ مصیبت اور زوال نعمت کے وقت صبر سے کام لیتے ہیں اور عطائے نعمت کے وقت شکر سے کام لیتے ہیں غرض یہ کہ سرّاء اور ضرّاء کسی حال میں خدا سے غافل نہیں ایسے ہی لوگوں کے لیے جو صبر و شکر سے موصوف ہوں گناہوں کی بخشش ہے اور بڑا اجر ہے صبر اور شکر کی برکت سے گناہوں کی بخشش بھی ہوگی اور وہم و گمان سے بڑھ کر اجر اور ثواب بھی ملے گا۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ

سو کہیں تو چھوڑ بیٹھے گا کوئی چیز جو وحی آئی تیری طرف اور خفہ ہو گا اس سے

صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ

تیرا جی ، اس پر کہ وہ کہتے ہیں کیوں نہ اترا اس پر خزانہ یا آتا

جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ

اس کے ساتھ فرشتہ ؟ تو تو ڈرانے والا ہے اور اللہ ہے ہر

شَیۡءٍ وَّکِیۡلٌ ﴿۱۲﴾ اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىہُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا

چیز پر ذمہ رکھنے والا کیا کہتے ہیں باندھ لایا ہے اس کو تو کہہ تم لے آؤ

بِعَشۡرِ سُوَرٍ مِّثۡلِہٖ مُفۡتَرَیٰتٍ وَّ ادۡعُوۡا مَنِ

ایک دس سورتیں ایسی باندھ کر اور پکارو جس کو

اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۳﴾

پکار سکو اللہ کے سوا، اگر ہو تم سچے۔

فَاِلَّمۡ یَسۡتَجِیۡبُوۡا لَکُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَاۤ اُنۡزِلَ بِعِلۡمِ اللّٰہِ وَ

پھر اگر نہ کریں تمہارا کہنا تو جان لو کہ یہ اترا ہے اللہ کی خبر سے اور

اَنۡ لَّاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ فَہَلۡ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۴﴾

کوئی حاکم نہیں سوا اسکے پھر اب تم حکم مانتے ہو؟

بیان نوع دیگر از طعنہائے کفار ناہنجار و تسلّی نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم

قال اللہ تعالیٰ فَلَعَلَّکَ تَارِکٌۢ بَعۡضَ مَا یُوۡحٰۤی اِلَیۡکَ ... الیٰ ... فَہَلۡ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ۰

(ربط) اس سورت کا آغاز قرآن کریم کے ذکر سے فرمایا جس کے ساتھ ساتھ یہ بتلایا کہ قرآن کا موضوع دعوت توحید ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ کی جانب سے بشیر ونذیر ہیں۔ اس لیے بھیجے گئے ہیں کہ تم ناشائستہ اعمال سے توبہ کرو۔ مگر وہ لوگ قرآن کو سحر اور آپؐ کو ساحر بتلاتے تھے اب ان آیات میں انکی دوسری ناشائستہ اور طعن آمیز باتوں کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ لوگ آپؐ کی تکذیب کرتے ہیں اور آپؐ کا استہزاء اور تمسخر کرتے ہیں اور احکام الٰہی کو سُن کر ان کا مذاق اڑاتے ہیں اور آپؐ سے بیہودہ سوالات کرتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ فرشتوں کو ہمارے سامنے لاؤ کہ وہ آپؐ کی نبوت و رسالت کی شہادت دیں کبھی کہتے ہیں کہ جبل احد کو سونا بناؤ کبھی کہتے ہیں کہ قرآن سے ہمارے بتوں کی مذمت نکال دو اس قسم کی بیہودہ باتوں سے آپؐ تنگدل اور رنجیدہ ہوتے اور خیال آتا کہ ایسے مسخروں کو کلام الٰہی سنانا اور وعظ ونصیحت کرنا بے سود ہے حق جل شانہٗ نے اس آیت میں آپؐ کو تسلّی دی کہ آپ ان کی بیہودہ باتوں پر دل میں میل نہ لائیں اور ان کے تعنت وعناد اور طعن وتشنیع سے تنگ دل ہو کر کسی حکم الٰہی کے بیان کو

ترک نہ کریں بے شک انسان کا یہ امر طبعی ہے کہ جو اس کی بات کو نہ سنے بلکہ اسکا مذاق اڑائے تو اسکے سامنے کیا کہے حق تعالےٰ نے آپؐ کو حکم دیا کہ آپؐ انکی طرف نظر نہ کریں ہماری طرف نظر کریں اور نہایت کشادہ دلی سے کلام خداوندی کی آیتیں ان کو سناتے رہیں اور اگر انکا یہ گمان ہے کہ یہ قرآن آپؐ کا افترار کیا ہوا ہے تو آپؐ ان سے کہہ دیں کہ تم بھی اس جیسی دس سورتیں افترار کر لاؤ جب نہ بنا کر لاسکیں تو سمجھ لیں کہ یہ کلام بشر کا نہیں۔

(بالفاظ دیگر) گزشتہ آیات میں اللہ تعالےٰ کی وحدانیت کا بیان تھا۔ اب اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی ایک عظیم دلیل کا بیان ہے یعنی یہ قرآن آپؐ کی نبوت کی سب سے بڑی دلیل ہے کیونکہ جب تمام فصحار اور بلغار اس کے مثل لانے سے عاجز ہو جائیں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ کلام بشر نہیں بلکہ کلامِ خداوندی اور وحیِ ربانی ہے اور جس پر اللہ کی وحی نازل ہو وہ اللہ کا نبیؐ اور رسول ہے اور یہ کلام معجز نظام اس کی نبوت ورسالت کی دلیل ہے اور اس معجزہ کے بعد کسی اور معجزہ کی ضرورت نہیں لہذا آپؐ انکی ہرزہ سرائیوں کی طرف التفات نہ کریں صبر اور استقامت کے ساتھ فرائض تبلیغ انجام دیتے رہیئے۔

مشرکین مکہ نے قرآن کریم کو مشکوک بنانے کے لیے یہ شبہ نکالا کہ یہ قرآن سحر اور جادو ہے مگر وہ لوگ چونکہ اہل فصاحت و بلاغت تھے اور اہلِ زبان تھے اس لیے یہ شبہ ان پر کارگر نہ ہوا تو اب یہ بہانہ نکالا کہ یہ قرآن اللہ کی وحی نہیں بلکہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا بنایا ہوا کلام ہے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر تمہارا یہ زعم ہے کہ یہ قرآن پاک آپؐ کا بنایا ہوا ہے تو تم بھی تو اہل زبان ہو اور ایسے کلام کے بنانے پر قادر ہو بنا لاؤ چنانچہ فرماتے ہیں۔ پس شاید آپؐ ان کافروں کے تعنت اور عناد اور تمسخر کو دیکھ کر بعض ان چیزوں کا جو بذریعہ وحی آپ کی طرف بھیجی گئی ہیں اور ان مشرکین کو ناگوار ہیں جیسے بت پرستی کی مذمت۔ تو کیا آپؐ انکی ناگواری کی بنا پر ایسی باتوں کا بیان کرنا چھوڑ دیں گے کہ یہ نادان ان باتوں کا مذاق اڑائیں گے۔ انکے سامنے ایسی باتیں بیان کرنا بے سود ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ کا استفہام، استفہام انکاری ہے جس سے مقصود نفی اور ممانعت ہے یعنی انکے عناد کی وجہ سے ان باتوں کے بیان کو ترک نہ کریں اور انکی اس تکذیب اور عناد کی وجہ سے آپکا سینہ تنگ ہوتا ہے اور آپؐ کا دل گھٹتا ہے اس سبب سے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ نبی ہیں تو ان پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا گیا کہ غیب سے انکو خزانہ ملتا۔ اور وہ لوگوں پر تقسیم کرتے اور لوگ انکا اتباع کرتے یا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہ آیا جو اُن کی نبوت کی گواہی دیتا تو اے ہمارے نبی! آپؐ انکی بے ہودہ باتوں سے تنگ دل ہو کر دعوت و تبلیغ میں کوئی کمی نہ کیجیے۔ جز ایں نیست آپ صرف ڈرانے والے ہیں۔ آپؐ کے ذمہ تو صرف ڈرانا اور احکام خداوندی کا پہنچانا ہے انکی بد زبانی کی طرف التفات نہ کیجئے۔

در شب مہتاب مہ را بر سماک
از سگان و وع وع ایشاں چہ باک

اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے وہ بغیر خزانہ اور بغیر فرشتہ ہی کے آپؐ کے دین کو بلند کرے گا یا یہ معنی ہیں کہ اللہ کارساز ہے وہی ہر کام بنانے والا ہے۔ آپؐ اپنا کام اس کے سپرد کر دیجئے جو شخص اپنا کام اللہ پر چھوڑ دیتا ہے۔ اللہ اسکا کام بناتا ہے اور جو اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دے اس کی حفاظت کرتا ہے کیا یہ کافر یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن آپؐ نے خود بنا لیا ہے آپؐ اسکے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ اچھا تم بھی قرآن جیسی دس سورتیں اپنی طرف سے بنائی ہوئی لے آؤ اور سوائے خدا کے جس کو چاہے اپنی مدد کے لیے بلا لو اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ یہ قرآن آپؐ کا بنایا ہوا کلام ہے پس اگر وہ اسکے مثل بنا کر نہ لا سکیں تو آپؐ ان سے کہہ دیجئے کہ اب تو یقین کر لو کہ یہ اللہ ہی کے علم سے نازل کیا گیا ہے جو علوم معاش اور معاد پر مشتمل ہے جس کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا اور یہ بھی جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں تو بتلاؤ اب بھی مسلمان ہوتے ہو یا نہیں؟

ف کسی جگہ دس سورتوں کے تحدی کا ذکر ہے اور کسی جگہ ایک سورت کی تحدی کا ذکر ہے تاکہ طرح طرح سے قرآن کا اعجاز ظاہر ہو جائے۔

دلائل اعجاز قرآن پر ایک اجمالی نظر

اعجاز قرآن پر دلائل تو بے شمار ہیں جس پر علماء دین نے مستقل کتابیں لکھی ہیں اس وقت اجمال اور اختصار کے ساتھ چند حرف ہدیۂ ناظرین ہیں۔

(۱) قرآن کریم۔ اصول دین یعنی توحید اور رسالت اور قیامت کی ایسی تفصیل اور تحقیق پر مشتمل ہے کہ توریت، انجیل اور زبور میں اسکا عشر عشیر بھی نہیں۔

(۲) پھر یہ کہ قرآن کریم اثبات الوہیت و وحدانیت اور اثبات نبوت و رسالت اور اثبات قیامت کے ایسے دلائل عقلیہ اور براہین قطعیہ پر مشتمل ہے کہ جسکے جواب سے روئے زمین کے فلاسفہ عاجز اور درماندہ ہیں اور بڑے بڑے دہری اور مادہ پرست ان دلائل کے سامنے لاجواب ہیں۔

(۳) حرام و حلال کی تفصیل کرتا ہے۔

(۴) قرآن کریم، انبیاء سابقینؑ کی نصیحتوں اور انکے کلمات حکمت و موعظت کا جامع ہے

(۵) عقل معاش اور عقل معاد دین اور دنیا کی رہنمائی کرتا ہے۔

(۶) گذشتہ امتوں کے عبرت آمیز واقعات بیان کرتا ہے اور آئندہ کے لیے اہل ایمان کو بشارت دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمکو کافروں کے مقابلہ میں غلبہ عطاء فرمائے گا۔

(۷) اور قیامت تک آنے والے حوادث کلیہ کی تمکو خبر دیتا ہے کہ زمانہ کس رفتار سے جائیگا اور کس حال میں اسکی بساط بچھ جائے گی اور کس طرح قیامت قائم ہوگی یہ تو قرآن کریم کے معنوی اعجاز کے چند وجوہ ہیں اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اسکے دلائلِ اعجاز اور اسرار بلاغت کی کوئی حد نہیں۔

آج دنیا میں مقامات حریری اور مقامات بدیعی اور مقامات زمخشری۔ بشری فصاحت و بلاغت کا شاہکار دنیا کے سامنے موجود ہیں مگر قرآن کریم کے ساتھ ان کتابوں کو کوئی نسبت نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مقامات بدیعی اور مقامات حریری میں عجیب طریقہ سے لغات فریدہ کو سجع اور قافیہ کے رنگ میں جمع کیا ہے مگر قرآن کریم بلکہ کلام نبویؐ کے ساتھ انکو وہ نسبت نہیں کہ جو ذرۂ بے مقدار کو آفتاب سے ہے۔ باتفاق اہل لسان مقاماتِ حریری اور بدیعی معجزہ نہیں۔

مگر قادیان کے ایک دہقان کی دیدہ دلیری کو دیکھو کہ وہ اپنے ہذیان اور تُک بندیوں کے متعلق یہ کہتا ہے کہ یہ میری وحی بھی قرآن کی طرح معجزہ ہے آیات قرآنیہ کا سرقہ کرتا ہے اور اس میں ایک دو لفظ کا ردوبدل کرکے بے حیائی سے کہتا ہے کہ یہ میری وحی ہے قرآن کی طرح اس پر بھی ایمان لانا فرض ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ اے مسلمانو! ذرا غور تو کرو کہ جب اہل لسان کے نزدیک مقامات حریری اور مقامات بدیعی معجزہ نہیں تو قادیان کے ایک دہقان کا ہذیان کہاں سے معجزہ ہو جائے گا۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ

جو کوئی ہو چاہتا دنیا کا جینا اور اس کی رونق بھر دیں

اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا

ہم انکو ان کے عمل اسی میں اور ان کو اس میں

يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ

نقصان نہیں۔ وہی ہیں جن کو کچھ نہیں پچھلے گھر میں سوا

اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا

آگ۔ اور مٹ گیا جو کیا تھا اس جگہ اور خراب ہوا جو

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

کماتے تھے۔

ابطال غرّۂ اہلِ دنیا بر اعمال خود

قال اللہ تعالیٰ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا...الی... بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ہ

(ربط) جب گذشتہ آیات میں منکرین قرآن اور منکرین توحید اور منکرین رسالت کے وعید اور عذاب کا بیان ہوا تو اب اس آیت میں اہلِ دنیا کے وہم فاسد اور زعم کاسد کا ابطال فرماتے ہیں اہل دنیا کو جب عذاب آخرت کی وعید سنائی جاتی تو یہ کہتے کہ اگر بالفرض والتقدیر قیامت حق ہے تو ہم بڑے بڑے نیک کام کرتے ہیں۔ غریب پروری اور صلہ رحمی اور مہمان نوازی وغیرہ وغیرہ تو ہم کو قیامت کے دن ان نیک اعمال کا ثواب ملے گا۔ جیسا کہ دوسری جگہ ہے۔ لَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى۔

اس لیے اس آیت میں اس غرّہ اور زعم کا ابطال کرتے ہیں کہ تم اس گمان میں نہ رہنا کہ تم ان اعمال پر اجر اور ثواب کے مستحق ہو ان اعمال کی صورت اگرچہ نیکی کی ہے مگر ایمان اور اخلاص کی روح سے خالی ہیں اور ظاہری اعمال حسنہ سے تمہارا مقصود صرف دنیا تھی اس لیے اسکا صلہ تم کو دنیا ہی میں مل گیا اب تمہارے لیے آخرت میں سوائے آتش دوزخ کے کچھ نہیں۔

(ربط دیگر) کہ پہلی آیت میں اسلام کی حقانیت اور قرآن کریم کا منزل من اللہ ہونا بیان کیا۔ اب اس آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ کفار جو اس قرآن کریم کی تکذیب کرتے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا کی لذات وشہوات پر مفتون ہیں اور اسلام اور قرآن انکو آخرت کی دعوت دیتا ہے جس کو اپنی لذات وشہوات میں حارج اور مزاحم سمجھتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں جو پست ہمت اپنے اعمال خیر کا صلہ محض دنیاوی زندگی اور آرائش چاہے یعنی نیک کام کر کے فقط دنیا کا فائدہ چاہے۔ اور آخرت پر نظر نہ کرے محض دنیا کی شہرت اور نیک نامی اسکا مقصود ہو ثواب آخرت اسکا مقصود نہ ہو تو ہم ان لوگوں کے اعمال کی جزا دنیا ہی میں پوری پوری دیتے ہیں یعنی دنیا میں انکو مال ودولت اور عزت و وجاہت اور صحت واولاد کی کثرت عنایت کر دیتے ہیں اور دنیا میں ان کے عوض میں کوئی کمی نہیں کی جاتی ایسے لوگوں کے لیے آخرت میں سوائے دوزخ کے کچھ نہیں اور انہوں نے جو دنیا میں عمل کیا تھا وہ آخرت میں جاکر سب تباہ اور برباد ہوا اور سارا کیا کرایا اکارت گیا اور آخرت میں کچھ کام نہ آیا اور دنیا میں جو کچھ کر رہے ہیں وہ فی نفسہٖ اور فی حد ذاتہٖ بھی نیست اور نابود ہیں کیونکہ جو عمل خالص اللہ کے لیے نہ ہو وہ فی حد ذاتہٖ ہیچ ہے۔ ع الا کل شیئ ما خلا اللہ باطل

کافروں نے دنیا میں جو ایسے عمل کیے کہ جو ظاہر صورت کے اعتبار سے صالح تھے مثلاً کسی کو نفع یا فائدہ پہنچانا۔ ایسے اعمال کے متعلق حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فرمایا۔ جن اعمال کی صورت نیکی کی تھی وہ قیامت کے دن حبط ہو جائیں گے۔ ان پر کوئی اجر اور ثواب مرتب نہ ہوگا۔ باقی حقیقت

کے اعتبار سے انکے تمام اعمال باطل اور نابود تھے فی نفسہ انکے تمام اعمالِ باطل کسی شمار میں نہ تھے کیونکہ ایمان و اخلاص سے عاری تھے اور عجب نہیں مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۔ سے ان کے اعمال کفریہ اور شرکیہ مراد ہوں تو ایسے اعمال کا صورت اور حقیقت کے اعتبار سے باطل اور لغو ہونا ظاہر و باہر ہے ایسے اعمال کے متعلق فرمایا۔ وَ بٰطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۔ اور گزشتہ آیت یعنی وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا ۔ میں وہ اعمال مراد ہیں جو بظاہر خیر اور بھلائی کے ہیں جیسے صدقہ اور صلہ رحمی اور مہمان نوازی کافروں کے ۔ ایسے اعمال قیامت کے دن حبط ہو جائیں گے ۔ یعنی ان پر کوئی اُخری ثواب نہ ملے گا البتہ یہ ممکن ہے کہ ان اعمال حسنہ کی بناء پر کافروں کے عذابِ دوزخ میں تخفیف کر دی جائے جیسے ابو طالب کے حق میں آیا ہے کہ جہنم میں سب سے خفیف عذاب ابو طالب کو ہو گا۔ ثواب ملنا اور چیز ہے اور عذاب میں تخفیف ہو جانا اور چیز ہے ۔

شانِ نزول

اس آیت کے شانِ نزول میں مختلف روایتیں آئی ہیں کہ یہ آیت کافروں اور مشرکوں کے بارے میں ہے یا یہود و نصاریٰ کے بارے میں یا منافقوں کے بارے میں یا اہل ریاء کے بارے میں ہے صحیح قول یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے جو سب کو شامل ہے اور مطلب یہ ہے کہ کافر ہو یا منافق یا ریاء کار جو بظاہر نیک عمل کرتے ہیں اسکا بدلہ انکو دنیا ہی میں دے دیا جائے گا۔ اور آخرت میں سوائے نار کے اور کچھ نہیں ملے گا لہذا انکو چاہیئے کہ اپنی اس دنیاوی نیکی کے بھروسہ پر نہ رہیں اور یہ خیال نہ کریں کہ آخرت میں بھی ہماری یہ نیکیاں کام آئیں گی۔ آخرت میں سوائے اخلاص کے کچھ کام نہ آئے گا۔



اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَیَتْلُوْهُ

بھلا ایک شخص جو ہے نظر آتی راہ پر اپنے رب کی اور پہنچتی ہے

شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ

اسکو گواہی اس سے اور پہلے اس سے کتاب موسیٰ کی راہ ڈالتی اور مہربانی

اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ

وہی لوگ مانتے ہیں اس کو اور جو کوئی منکر ہو اس سے سب فرقوں

فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۚ اِنَّهُ الْحَقُّ

میں سو آگ ہے وعدہ اسکا۔ سو تو مت رہ شبہ میں اس سے۔ یہ تحقیق ہے تیرے

مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَمَنْ

رب کی طرف سے پھر بہت لوگ یقین نہیں رکھتے۔ اور کون

اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ

ظالم اس سے؟ جو باندھے اللہ پر جھوٹ وہ لوگ رو برو آویں گے

عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا

اپنے رب کے اور کہیں گے گواہی والے یہی ہیں جنہوں نے جھوٹ بولا

عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ الَّذِيْنَ

اپنے رب پر سن لو! پھٹکار ہے اللہ کی بے انصاف لوگوں پر۔ جو

يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمْ

روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور ڈھونڈتے ہیں اس میں کجی اور وہی

بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ

ہیں آخرت سے منکر۔ وہ لوگ نہیں تھکانے والے زمین

فِى الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ

میں بھاگ کر اور نہیں ان کو اللہ کے سوا

اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ

حمایتی دونا ہے ان کو عذاب نہ سکتے تھے سننا،

السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا

اور نہ تھے دیکھتے۔ وہی ہیں جو ہار بیٹھے

اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَا جَرَمَ

اپنی جان اور گم ہو گیا ان سے جو جھوٹ باندھتے تھے آپ ہوا

اَنَّهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

(بلاشبہ) کہ یہ لوگ آخرت میں یہی ہیں سب سے خراب - البتہ جو یقین

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ

لائے اور کیں نیکیاں اور عاجزی کی اپنے رب کی طرف وہ

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۳﴾ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ

ہیں جنت کے لوگ وہ اس میں رہا کریں - مثال دونوں فرقوں

كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ

کی ، جیسے ایک اندھا اور بہرا اور ایک دیکھتا اور سنتا - کیا برابر ہے

مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ ع

دونوں کا حال ؟ پھر کیا تم دھیان نہیں کرتے۔

ع ۲ ۱۶

اہل دُنیا اور اہلِ آخرت کا مقابلہ اور موازنہ اور فریقین کے نتائج اُخروی کا بیان

قال اللہ تعالیٰ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ... الیٰ... هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝

(ربط) گذشتہ آیت میں اہل دنیا کا بیان تھا اب ان آیات میں اہل دنیا اور اہل آخرت کا موازنہ اور مقابلہ ہے اور فریقین کے نتائج اخروی کا بیان اور پھر آخر میں اللہ تعالےٰ نے دونوں کی مثال بیان کی کہ کافر تو مثل اندھے اور گونگے کے ہیں اور ایماندار مثل بینا اور شنوا کے ہیں دونوں کے اعمال اور افعال میں اور دونوں کے حال اور مآل میں زمین و آسمان کا فرق ہے اسی طرح سمجھو کہ اہل دنیا اور اہل آخرت برابر نہیں ہو سکتے چنانچہ فرماتے ہیں۔ پس کیا جو شخص اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر قائم ہو جو اس کو راہِ حق دکھلاوے بیّنہ سے صاف راستہ اور سیدھی سڑک مراد ہے جس پر چل کر آدمی سیدھا خدا تک پہنچ جائے اس کا مصداق دین اسلام ہے جو عین عقل اور فطرت کے مطابق ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے جب تک بولنا سیکھتا ہے اس وقت تک اسی عہد الست یعنی توحید اور اقرار ربوبیت پر قائم رہتا ہے اور ہوشیار ہونے کے بعد ماں باپ کے ساتھ مل جاتا ہے اور علاوہ ازیں اس روشن دلیل

کے پیچھے پیچھے اللہ کی طرف سے ایک گواہ بھی آئے یعنی قرآن آئے جو اس دلیل عقلی و فطری کی صحت پر گواہی دے
بینہ سے مراد دین حق ہے جو دلیل عقلی و فطری اور براہین قاطعہ سے ثابت ہے اور شاہد ربانی (گواہ) سے قرآن
مجید مراد ہے یعنی قرآن کریم کا اعجاز اور اسکے بے مثال علوم و معارف۔ دین اسلام کی حقانیت کے گواہ ہیں
پس کیا ایسا شخص جو دلیل عقلی اور دلیل نقلی پر قائم ہو یعنی ایسے صاف اور روشن راہ پر گامزن ہو جسکا صاف
اور روشن ہونا دلیل وجدانی سے ثابت ہوا اور پھر اسکے بعد دلیل ربانی یعنی وحی آسمانی بھی اسکی صحت کا شاہد
اور گواہ ہو تو کیا ایسا شخص اس[1] شخص کی مانند ہو سکتا ہے کہ جس کی ہمت فقط حیات دنیا اور اس کی زینت
پر مقصور ہو۔ ہرگز ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔

اور اس روشن دلیل کا ایک شاہد قرآن سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب ہے یعنی توریت ہے
در آنحالیکہ وہ کتاب موسیٰؑ اپنے زمانہ میں اہل دین کی مقتدا اور پیشوا تھی تمام انبیاءؑ بنی اسرائیل اس کا اتباع
کرتے تھے اسکے موافق حکم دیتے تھے اور در آنحالیکہ وہ کتاب موسیٰؑ اہل ایمان کے لیے سامان رحمت تھی
کہ اسکے اتباع کی برکت سے رحمت نازل ہوتی تھی مطلب یہ ہے کہ توریت اپنے زمانہ میں امام اور رحمت
تھی اور توریت کے بعد اب یہ کتاب یعنی یہ قرآن امام اور رحمت ہے اسکے اتباع اور اقتدار سے اللہ کی رحمت
ملے گی۔ مقصود یہ ہے کہ دین اسلام ایک طریق مستقیم ہے جسکا مستحکم ہونا دلیل عقلی اور فطری سے ثابت ہے
پھر اسکی صحت پر قرآن کریم شاہد ہے اور قرآن سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی عظیم الشان کتاب توریت بھی اس
کی شاہد ہے پس منجانب اللہ تعالیٰ اس دین اسلام کے صراط مستقیم ہونے کا ایک شاہد تو قرآن کریم ہے اور دوسرا
شاہد موسیٰ علیہ السلام کی کتاب ہے۔ جس نے نزول قرآن کی خبر دی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر
دی اور آپؐ کی نبوت عامہ اور ختم نبوت کی شہادت دی نزول قرآن اور نبی امیؐ کے ظہور کی بشارت اس میں موجود
ہے اور پھر توریت کے بعد زبور اور انجیل نے بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر دی جس کو علماء بنی اسرائیل
توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں (دیکھو تفسیر قرطبی[2] ص ۱۷ ج ۹)

اور بعض علماء تفسیر یہ کہتے ہیں۔ اس آیت میں شاہد سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات
مراد ہے اس لیے کہ آپؐ کی صورت اور آپؐ کی سیرت اس بات کی گواہ ہے کہ یہ دین حق ہے اور بعض علماء
یہ کہتے ہیں کہ شاہد سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور مراد ہے۔

در دل ہر امتی کز حق مزہ است
روے و آواز پیمبر معجز است

---

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ اَفَمَنْ كَانَ کی خبر محذوف ہے جو یہ ہے۔

[2] قال ابو اسحاق الزجاج والمعنى ويتلوه من قبله كتاب موسى لان النبى صلى الله عليه وسلم موصوف فى كتاب موسى يجدونه مكتوبا عندهم فى التوراة والانجيل اهـ

آپؐ کے اخلاق و عادات اور معجزات اور آپؐ کا چہرۂ انور سب اس بات کے شاہد اور گواہ ہیں کہ جو دین آپؐ لیکر آئے ہیں وہ بالکل سچا ہے اس لیے کہ یہ چہرۂ انور سچے کا چہرہ ہے جھوٹے کا چہرہ نہیں شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ گواہی پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ دل میں اس دین کا نور اور مزہ پاتا ہے اور قرآن کی حلاوت" آھ ۔

خلاصۂ کلام یہ کہ بیّنہ سے روشن دلیل اور صاف راستہ اور سیدھی سڑک مراد ہے یا بالفاظ دیگر اس سے دین صحیح یعنی دین اسلام مراد ہے جس کی صحت دلائل عقلیہ اور فطریہ سے ثابت ہے اور اس کی صحت و صداقت پر دو شاہد عدل موجود ہیں ایک قرآن کریم دوسرے توریت و انجیل پس ایسے دین کے حسن و جمال میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔ اور مَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ ۔ سے وہ مؤمنین مخلصین مراد ہیں جو اس دین حق پر قائم ہیں اور مطلب یہ ہے کہ یہ دین اسلام ایک نور عقل اور نور فطرت اور نور بصیرت ہے عجیب قسم کا ایک نور ہے اور دو نور غیبی اسکے شاہد اور مؤید ہیں ایک نور قرآن اور ایک نور تورات اس طرح یہ دین نُورٌ علیٰ نورٍ کا مصداق بن گیا۔ دین اسلام کیا ہے ایک مجموعۂ انوار ہے تو کیا جو شخص ایسے منور اور روشن دین پر قائم ہو وہ اس شخص کے برابر ہوسکتا ہے جو ظُلُمٰتٌ ۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۔ میں گھرا ہوا ہو اور اسے کوئی صحیح راستہ نظر آتا ہو یعنی جو شخص دنیاوی لذات اور شہوات کا غلام بنا ہوا ہو اور سعادت اخرویہ سے محروم ہو وہ اہل نور اور اہل بصیرت کے مماثل اور مشابہ کہاں ہوسکتا ہے۔ دونوں میں بُعد المشرقین ہے ایسے ہی لوگ یعنی جو لوگ اصحاب بیّنہ ہیں مراد یہ ہے کہ جو لوگ عقل اور نقل اور نور برھانی اور نور یزدانی کے جامع ہیں اور توریت اور انجیل کے عالم اور فاضل ہیں اس قرآن پر یا اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور دو اجر کے مستحق ہوتے ہیں ۔ کما قال تعالیٰ أُولَـٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ ۔ یہ لوگ اصحاب بیّنہ ہیں اور عقل اور فطرت کے پیرو ہیں اور اہل بصیرت ہیں اس لیے کہ حق کو قبول کرتے ہیں اور جو شخص دوسرے فرقوں میں سے اس قرآن کے منزل من اللہ ہونے کا یا اس نبی کے مرسل من اللہ ہونے کا انکار کرے تو دوزخ اسکے وعدہ کی جگہ ہے جو طرح طرح کے عذابوں سے بھرپور ہے مطلب یہ ہے کہ دنیا کا کوئی فرقہ اور کوئی گروہ خواہ یہود و نصاریٰ یا بُت پرست اور مجوس ہوں وغیرہ وغیرہ جب تک اس قرآن اور اس نبی کو نہ مانیں گے ۔ نجات نہیں پا سکتے سوائے مخاطب! تو اس قرآن کی طرف سے شک میں مت پڑ بلا شبہ یہ کتاب حق ہے تیرے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئی ہے کسی کی بنائی ہوئی نہیں لیکن باوجود ان دلائل کے اکثر لوگ عناد کی وجہ سے اس پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ جس چیز کی صداقت دلائل قطعیہ سے واضح ہو چکی ہو اس کو نہ ماننا حماقت ہے اور اپنی جانوں پر صریح ظلم کرنا ہے ۔

ظالموں کے حال اور مآل کا بیان

اس لیے اب آئندہ آیت میں اللہ تعالیٰ ظالموں اور افتراء پردازوں کا حال اور مآل بیان فرماتے ہیں۔

اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے ظالموں کی دس حالتوں اور ذلتوں کو بیان فرمایا ہے۔
(۱) افترا علی اللہ (۲) مقام ذلت میں انکو کھڑا کیا جائیگا۔ اُولٰٓئِکَ یُعۡرَضُوۡنَ عَلٰی رَبِّهِمۡ (۳) خدائی گواہ گواہی دیں گے کہ ان لوگوں نے خدا تعالیٰ پر جھوٹ بولا۔ (۴) یہ ظالم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ملعون ہیں (۵) لوگوں کو حق سے روکتے ہیں (۶) دین میں شبہ نکالتے ہیں (۷) آخرت کے منکر ہیں (۸) خدا سے بھاگ نہیں سکتے (۹) ان کا کوئی مددگار نہیں (۱۰) انکا عذاب دو چند ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۴۹ جلد ۵)

چنانچہ فرماتے ہیں اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے کہ اسکی وحی کا یا اس کی وحدانیت کا انکار کرے یا اس کے لیے کوئی شریک ثابت کرے۔ یہی افترا کرنے والے قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے مجرمانہ حیثیت سے پیش کیے جائیں گے اور گواہ یعنی کراماً کاتبین اور انبیاء و مرسلین یا ان کے اعضاء اور جوارح علی الاعلان یہ کہیں گے کہ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے از راہ عناد اپنے پروردگار پر جھوٹ بولا اور خدا کی طرف غلط باتیں منسوب کیں آگاہ ہو جاؤ کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے جو اپنے کفر اور ظلم کے ساتھ دوسروں کو بھی خدا کی راہ سے روکتے ہیں اور راہِ خدا یعنی دین اسلام میں کجی یعنی شکوک اور شبہات ڈھونڈتے رہتے ہیں تاکہ لوگوں کو خدا کی راہ سے ڈگمگا دیں جیسے آج کل ملحدین طرح طرح کے رسالے نکال رہے ہیں جن میں اسلام پر طرح طرح کی نکتہ چینیاں کرتے ہیں اور یہ لوگ آخرت کے بھی منکر ہیں انکا مقصود فقط دنیا ہے دنیا کی شہوتوں اور لذتوں پر فریفتہ ہیں۔ دین اسلام میں کوئی عیب نہیں مگر یہ کہ وہ شہوت پرستی کا مخالف ہے اس لیے یہ کافر اور منافق اور نام کے مسلمان اس میں عیب تلاش کرتے ہیں تاکہ لوگوں کے دلوں میں اس کی طرف سے شبہ ڈال دیں۔ یہاں تک تو فرشتوں کے اعلان کا مضمون تھا اب آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے یہ لوگ زمین میں کہیں چھپ کر یا بھاگ کر خدا تعالیٰ کو پکڑنے سے عاجز نہیں کر سکتے۔ کوئی اسکے پنجۂ گرفت سے چھوٹ نہیں سکتا اور گرفتاری کے بعد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی انکا مددگار نہیں جو انکو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھڑا لے۔ ایسوں کو تو دوہری مار دی جائے گی۔ ایک اپنی گمراہی کی اور ایک دوسروں کو گمراہ کرنے کی اور یہ لوگ حق سے اس درجہ نفور اور بیزار تھے کہ حق کے سننے کی تاب نہیں رکھتے تھے اور نہ اسکو دیکھ سکتے تھے یہ وہ گروہ ہے جنہوں نے آخرت کے معاملے میں اپنی جانوں کو نقصان پہنچایا اور جو افتراء وہ دنیا میں کرتے تھے آخرت میں سب جاتا رہا۔ ان کا یہ کہنا کہ فرشتے اور بت اور مسیحؑ اور دیوی اور دیوتا ہماری شفاعت کریں گے سب غلط نکلا۔ پس لازمی نتیجہ اسکا یہ ہے کہ یہ جماعت آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والی رہی اس لیے کہ ان لوگوں نے آخرت کو فروخت کر کے جہنم کو خرید لیا تھا۔

مایۂ دیں را بدنیا دادن از دوں ہمتی است ❊ زانکہ دنیا جملگی رنج است و دیں آسائش است
نعمت فانی ستانی دولت باقی دہی ❊ اندریں سودا خرد داند کہ غبن فاحش است

ذکر حال ومآل اہل ایمان

اب اہل ایمان اور اہل طاعت کا حال اور مآل بیان کرتے ہیں۔ تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے اور خشوع اور خضوع اور تواضع کے ساتھ بالکلیہ اپنے پروردگار کی طرف مائل اور متوجہ ہوں گے ایسے ہی لوگ جنتی ہیں ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ اب آگے دونوں فریق کی مثال بیان کرتے ہیں۔

مثال فریقین

ان ہر دو فریق یعنی مؤمن اور کافر کی مثال اندھے اور بہرے اور بینا اور شنوا کی ہے۔ کافر اندھا اور بہرا ہے نہ حق کو دیکھتا ہے اور نہ سنتا ہے اور مؤمن بینا اور شنوا ہے حق کو دیکھتا ہے اور سنتا ہے کیا یہ دونوں فریق یعنی اندھا اور بہرا۔ اور سننے والا اور دیکھنے والا۔ حال اور مثال میں برابر ہو سکتے ہیں یعنی ہرگز نہیں اسی طرح مؤمن کافر بھی برابر نہیں ہو سکتے تو کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے یعنی دل کے بینا بن جاؤ تاکہ آخرت کی تجارت کر سکو اور اگر خود بینا نہیں تو کسی بینا کی سنو اور اس پر چلو اصل بینا وہ ہے جو حق کو حق اور باطل کو باطل دیکھے اور حق کی پیروی کرے اور باطل سے بچے اور جو حق کو نہ دیکھتا ہو اور نہ سنتا ہو وہ نابینا اور بہرا ہے۔

ضمیمہ متعلقہ بہ تفسیر آیت اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ الآیۃ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت (یعنی) اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۔ کی تفسیر میں غور وفکر کے بعد میرے نزدیک جو تحقیق ہے وہ درج کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ بعض افراد نے بعثت نبوی سے قبل قلب سلیم کی شہادت اور ذکاوت سے کچھ اصول شریعت کو پہچان لیا تھا کہ وہ بت پرستی اور شراب خوری اور زنا کاری کو نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور خواب اور رؤیائے صادقہ اور منامات صالحہ کے ذریعہ آپؐ کی بعثت کو بھی جانتے تھے اور آپؐ کی بعثت کے منتظر تھے اس اجمالی علم کو جو انکے قلوب میں مرکوز تھا اسکو حق تعالیٰ نے بیّنہ اور دلیل سے تعبیر فرمایا ہے پھر جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اپنی آنکھوں سے اپنے خوابوں کی تعبیر دیکھ لی اور اپنے اس علم اجمالی کی شہادت کا آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا تو ان کا علم اجمالی۔ علم تفصیلی سے اور ظن وگمان، یقین اور مشاہدہ سے تبدیل ہو گیا۔ اسی علم تفصیلی اور مشاہدہ کو حق تعالیٰ نے شاہد سے تعبیر فرمایا۔ شَاهِدٌ مِّنْهُ اور نزول قرآن سے پہلے توریت۔ اہل دین وملت کے پیشوا اور رہنما تھے اور اب

ان کا امام اور پیشوا قرآن ہوگیا ہے صحابہ کرامؓ میں کی ایک اعلیٰ جماعت ان اوصاف سے جو اوپر مذکور ہوئے موصوف تھی جن کے سردار حضرت صدیق اکبرؓ تھے اور باطنی مناسبت اور قلبی ذکاوت اور سلامت کی وجہ سے آپ کو قبول اسلام میں کوئی تأمل نہیں ہوا بلا تأمل اور بدون طلب معجزہ ایمان لے آئے اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے (ازالۃ الخفاء)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ اِنِّىْ

اور ہم نے بھیجا نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف کہ میں

لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۵﴾ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا

تم کو ڈر سناتا ہوں کھول کر۔ کہ نہ پوجو سوا

اللّٰهَ ؕ اِنِّىْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۶﴾ فَقَالَ

اللہ کے۔ میں ڈرتا ہوں تم پر عذاب سے ایک دکھ والے دن کے۔ پھر بولے

الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا

سردار جو منکر تھے اس کی قوم کے ہم دیکھتے نہیں تجھ کو مگر آدمی

مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ

جیسے ہم۔ اور دیکھتے نہیں کوئی تابع ہوا تیرا مگر جو ہم میں نیچ

اَرَاذِلُنَا بَادِىَ الرَّاْىِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ

قوم ہیں اوپر کی عقل سے اور دیکھتے نہیں تم کو اپنے اوپر

فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ

کچھ بڑائی بلکہ ہم کو خیال ہے کہ تم جھوٹے ہو۔ بولا اے قوم! دیکھو تو!

اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ وَاٰتٰىنِىْ رَحْمَةً مِّنْ

اگر میں ہوا نظر آتی راہ پر اپنے رب کی اور اس نے دی مجھ کو مہر

عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا

اپنے پاس سے پھر وہ تمہاری آنکھ سے چھپا رکھی۔ کیا ہم لگادیں وہ تم کو۔ اور تم اس

كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيٰقَوْمِ لَاۤ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ

سے بیزار ہو۔ اور اے قوم! نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ مال۔ میری

اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ

مزدوری نہیں مگر اللہ پر اور میں نہیں ہانکنے والا ایمان والوں کو۔

اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

ان کو ملنا ہے اپنے رب سے لیکن میں دیکھتا ہوں تم لوگ جاہل ہو۔

وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا

اور اے قوم! کون چھڑاوے مجھ کو اللہ سے اگر انکو ہانک دوں کیا تم

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ

دھیان نہیں کرتے ہو۔ اور میں نہیں کہتا تم کو میرے پاس ہیں خزانے اللہ کے

وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَاۤ

اور نہ میں خبر رکھوں غیب کی اور نہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ

اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْۤ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ

کہوں گا کہ جو تمہاری آنکھ میں حقیر ہیں نہ دے گا ان کو اللہ

خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّيْۤ اِذًا لَّمِنَ

بھلائی۔ اللہ بہتر جانے جو اُن کے جی میں ہے یہ کہوں تو میں

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا

بے انصاف ہوں۔ بولے، اے نوح! تو ہم سے جھگڑا اور بہت جھگڑا چکا

فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصّٰدِقِينَ ﴿۳۲﴾ قَالَ إِنَّمَا

اب لے آ جو وعدہ دیتا ہے ہم کو، اگر تو سچا ہے ۔ کہا لاوے گا

يَأْتِيكُم بِهِ اللّٰهُ إِن شَاءَ وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ ﴿۳۳﴾ وَلَا

تو اس کو اللہ ہی، اگر چاہے گا اور تم نہ تھکاؤ گے بھاگ کر اور نہ

يَنفَعُكُمْ نُصْحِي إِنْ أَرَدتُّ أَنْ أَنصَحَ لَكُمْ إِن كَانَ

کام کرے گی تم کو میری نصیحت جو میں چاہوں تم کو نصیحت کروں ۔ اگر

اللّٰهُ يُرِيدُ أَن يُغْوِيَكُمْ ۚ هُوَ رَبُّكُمْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۳۴﴾

اللہ چاہتا ہو گا کہ تم کو بے راہ چلاوے۔ وہی ہے رب تمہارا اور اسی کیطرف پھر جاؤ گے۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَيَّ إِجْرَامِي

کیا کہتے ہیں؟ بنا لایا قرآن کو۔ تو کہہ اگر بنا لایا ہوں، تو مجھ پر ہے میرا گناہ

وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تُجْرِمُونَ ﴿۳۵﴾ ع

اور میرا ذمہ نہیں جو تم گناہ کرتے ہو۔

قصۂ نوح علیہ السلام باقوم او

قَالَ تَعَالىٰ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ.. الیٰ ... وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تُجْرِمُونَ

(ربط) گزشتہ آیات میں یہ بیان کیا کہ اہل حق اور اہل باطل کا برابر ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا کہ بینا اور نابینا اور شنوا اور بہرے کا برابر ہونا ناممکن ہے۔ پس غور کر لو کہ ان دو مختلف اور متضاد فریقین کا انجام کیسے یکساں ہو سکتا ہے ۔

اب آگے اسی مضمون کی تائید اور تاکید کے لیے چند عبرتناک واقعات بیان کرتے ہیں جن میں اوّل قصہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا ہے کہ جو صدہا سال کی نصیحت کے بعد بھی راہ راست پر نہ آئے بالآخر غرق ہوئے یہ قصہ اگرچہ سورۂ یونس میں مذکور ہو چکا ہے مگر یہاں کچھ زائد حالات کا ذکر ہے جن سے

جدید فوائد حاصل ہوتے ہیں عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی ساڑھے نوسو برس قوم کو نصیحت کرتے رہے اسکے بعد طوفان آیا۔ طوفان کے ساٹھ برس بعد تک زندہ رہے اس قسم کے واقعات سے کفار کو تنبیہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے کہ آپؐ کفار کی تکذیب سے دلگیر نہ ہوں اطمینان اور صبر کے ساتھ دعوت اور تبلیغ میں لگے رہیں۔

نکتہ سورۂ یونس میں نوح علیہ السلام کا قصہ استعجال عذاب کے جواب میں ذکر کیا اور یہاں کفار کی ایذارسانی اور انکے تمسخر کے جواب میں ذکر کیا کہ نوح علیہ السلام نے انکے ایذار اور تمسخر پر صبر کیا اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو نجات دی اور ان مسخروں کو ہلاک کیا۔ (تفسیر کبیر ص ۶۸ ج ۵)

اور البتہ تحقیق ہم نے نوح علیہ السلام کو انکی قوم کی طرف جو حق کے بارے میں اندھے اور بہرے بنے ہوئے تھے۔ رسول بنا کر بھیجا نوح علیہ السلام نے ان سے یہ کہا کہ تحقیق میں تمہارے لیے کھول کر ڈرانے والا ہوں یعنی اسباب عذاب اور وجوہ خلاص کو بیان کرنے والا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ تحقیق میں تم کو ایک بڑے دردناک دن کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔

قوم کا جواب

پس انکی قوم کے جو لوگ کافر تھے انکے سردار جواب میں یہ کہنے لگے کہ اے نوحؑ! اوّل تو ہم تم کو اپنے جیسا ہی آدمی دیکھتے ہیں یعنی تم میں کوئی خاص فضیلت اور خصوصیت اور امتیاز نہیں پاتے جس کی بنا پر ہم آپؐ کو نبی مانیں جیسے انسان تم ہو ویسے ہی انسان ہم بھی ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم پر تو وحی آتے اور ہم پر نہ آئے اور دوم یہ کہ ہم نہیں دیکھتے کہ تیری پیروی کی ہو کسی نے سوائے ان لوگوں کے جو ہم میں کے رذیل اور کمینہ ہیں اور یہ پیروی بھی انہوں نے بے سوچے سرسری نظر سے کر لی ہے اگر وہ غور و فکر کرتے تو وہ بھی آپؐ کی پیروی نہ کرتے ان بے سمجھ لوگوں نے سادہ لوحی سے آپؐ کے سحر کو معجزہ اور آپؐ کے شبہات کو دلائل اور براہین سمجھ لیا ہے مطلب یہ ہے کہ نہ آپؐ میں کوئی شان امتیازی ہے اور نہ آپؐ کے پیروؤں میں کوئی خاص خصوصیت ہے بلکہ وہ رذیل اور بے عقل اور جاہل لوگ ہیں جنکے ساتھ بیٹھنا بھی ہم جیسے معززین کے لیے باعث عار اور ننگ ہے اور آج کل بھی ایسا طبقہ موجود ہے کہ جو اہل ایمان کو عموماً اور علماء کو خصوصاً حقارت کی نظروں سے دیکھتا ہے اور انکو بیوقوف سمجھتا ہے اس لیے کہ یہ طبقہ دنیا کی مال و جاہ میں ان سے کم ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک شرف و عزت کا دارو مدار مال و دولت پر ہے جسکے پاس مال نہیں وہ ان کے نزدیک رذیل ہے اگرچہ عقل و فہم میں ان سے کہیں بلند ہو اور ہم آپ لوگوں سے کس بات میں کم ہیں۔ ہم تمہارے لیے اپنے اوپر کسی قسم کی برتری نہیں دیکھتے تم ہم سے نہ مال و دولت میں زیادہ ہو اور نہ عزت و وجاہت

ہیں ہم سے بڑھ کر ہو پھر کیوں آپؐ کے تابع اور پیرو بنیں۔ بلکہ ہمارا گمان تو یہ ہے کہ تم سب جھوٹے ہو تم نے ایک بات بنالی ہے اور چند بے وقوفوں نے بے سوچے سمجھے ہاں میں ہاں ملا دی ہے ایسے حقیرا ور فقیر اور بے عقل اور جاہلوں کا اتباع آپؐ کی صداقت کی دلیل کیسے ہوسکتی ہے۔ یہ ان ملعونین اور مغرورین و متکبرین کی جہالت آمیز تقریر تھی جو ختم ہوئی اب آئندہ آیت میں نوح علیہ السلام کا جواب باصواب آتا ہے اب اس کو سنیئے اور خوب کان لگا کر سنیئے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی طرف سے جواب باصواب

نوح علیہ السلام نے انکے جواب میں یہ کہا کہ اے میری قوم تمہارا میری بشری اور ظاہری صورت کو دیکھ کر یہ کہنا کہ میں اور تم برابر ہیں یہ تمہاری جہالت اور حماقت ہے صورت بشریہ میں سب انسان شریک ہیں مگر باطنی فضائل و کمالات میں مختلف ہیں۔ بیشک انسان ہونے میں میں اور تم برابر ہیں مگر انسان اور بشر ہونا نبوت و رسالت کے منافی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ظاہری صورت کے اعتبار سے اگرچہ مجھ کو تمہاری ہی جیسی صورت عطا کی ہے مگر باطنی فضائل و کمالات کے اعتبار سے مجھ کو تم سے جدا اور ممتاز بنایا ہے میں خدا تعالیٰ کی طرف سے اپنی نبوت و رسالت کے روشن دلائل لیکر آیا ہوں میں تمہارے مثل کیسے ہوسکتا ہوں صورت بشریہ کے اعتبار سے اگرچہ تمہارے مثل ہوں مگر فضائل و کمالات اور آیات بینات کے اعتبار سے تم سے ممتاز اور بالکل جدا ہوں۔ بتلاؤ تو سہی کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں جو میری صداقت پر گواہ ہو اور جس سے میری نبوت ثابت ہوتی ہو اور دی ہو اس نے اپنے پاس سے مجھے اپنی خاص رحمت یعنی نبوت و ہدایت کاملہ اور طہارت فاضلہ جس کو دیکھ کر ایک نظر میں صاحب بصر سمجھ جاتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کوئی بنائی ہوئی بات نہیں پھر یہ روشن حقیقت تمہاری آنکھ بند کر لینے کی وجہ سے تم پر پوشیدہ اور مخفی کر دی گئی تکبر اور غرور نے تمکو اندھا بنا دیا اس لیے تم کو میری نبوت نظر نہیں آتی تو بتلاؤ ایسی صورت میں میں کیا کروں مجبور ہوں کیا اس رحمت اور ہدایت کو ہم زبردستی تمہارے سر لگا دیں درآنحالیکہ تم اس سے بیزار اور متنفر ہو اور اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی تمکو گوارا نہیں مشعل ہدایت تمہارے سامنے کردی ہے اب دیکھنا اور نہ دیکھنا تمہارا کام ہے باقی کسی کو ہدایت یاب کر دینا یہ اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے نبی اور ولی کے اختیار میں نہیں خلاصۂ کلام یہ کہ میری نبوت تو دلائل اور براہین سے روز روشن کی طرح واضح ہے مگر تم کو اس لیے نظر نہیں آتی کہ تم دل کے اندھے ہو یا آنکھیں بند کیے ہوئے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے جو تم کو رحمت دی تم نے اسکی قدر نہ جانی بلکہ تکذیب کے درپے ہو تو کیا میں باوجود تمہاری اس کراہت اور نفرت کے اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور رحمت کو تمہارے گلے باندھ دوں یہاں تک کافروں کے پہلے شبہ اور اعتراض کا جواب ہوا کہ تم ہم جیسے بشر ہو اب انکے دوسرے شبہ اور اعتراض کا جواب دیتے

ہیں۔ دوسرا شبہ انکا یہ تھا کہ آپ کے اتباع کرنے والے حقیر اور ذلیل لوگ ہیں سو یہ اعتراض بھی جہالت اور حماقت پر مبنی ہے عزت اور ذلّت کا دار و مدار مال و دولت پر مبنی نہیں بلکہ اتباع حق پر ہے جس غریب و فقیر نے حق اور باطل کے فرق کو سمجھ کر حق کا اتباع کیا وہ عزت والا ہو گیا اور جس دولت مند نے حق سے مُنہ موڑا وہ ذلیل و خوار ہوا لہٰذا معلوم ہوا کہ اَرَاذِل اور ضعفاء اور فقراء کا اتباع نبوّت اور صداقت میں قادح نہیں پھر یہ کہ اراذل صورت بشریہ میں تمہارے مثل ہیں پس تم جیسے اہل عقل اور اہل فہم کا نبوت کو قبول کرنا تم پر حجّت ہے یہ غرباء اور فقراء اگر مال و دولت میں تم سے کم ہیں تو عقل اور فہم میں تم سے بڑھ کر ہیں اور اگر برابر بھی ہوں تو ان کی آنکھوں پر کوئی پردہ نہیں اور تمہاری آنکھوں پر تکبر اور غرور کا پردہ پڑا ہوا ہے اس لیے تمکو یہ روشن حقیقت نظر نہیں آتی جو ان فقراء اور ضعفاء کو نظر آ رہی ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور یہ فرمایا اے میری قوم میں تم سے تبلیغ و رسالت پر کوئی مال نہیں مانگتا جس کا دینا تم پر شاق ہو اور نہ دینا مجھے ناگوار ہو۔ جز ایں نیست کہ میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے جس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے اور جسکا اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرا مقصود تو نصیحت اور تبلیغ رسالت ہے میری نظر صرف اللہ تعالیٰ پر ہے مال و دولت پر میری نظر نہیں۔ اسی لیے میری نظر میں امیر و فقیر اور دولت مند اور حاجتمند سب برابر ہیں ظاہری صورت کے اعتبار سے بیشک میں بشر ہوں مگر حقیقت باطنہ کے لحاظ سے فرشتہ بلکہ فرشتہ سے بڑھ کر ہوں حرص اور طمع سے بالکلیہ پاک اور منزہ ہوں اور ظاہر ہے کہ جو طمع اور غرض سے پاک ہو وہ کیوں جھوٹ بولے گا۔ تم درہم و دینار کے بندے ہو اور میں خالص خدا کا بندہ ہوں۔ میری نظر صرف خدا پر ہے مجھ میں اور تم میں یہ فرق ہے اگر عقل رکھتے ہو تو سمجھ لو اور تم میرے متبعین کی ظاہری تنگی اور تنگدستی کو دیکھ کر انہیں رذیل کہتے اور حقیر سمجھتے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ میں انکو اپنے پاس سے نکال دوں تب تم میرے پاس بیٹھو۔ اور میری بات سنو تو خوب سمجھ لو کہ میں اہل ایمان کو اپنی مجلس اور صحبت سے ہانک دینے والا نہیں میں تمہاری درخواست کی بناء پر ضعفاء مؤمنین اور فقراء مسلمین کو اپنی مجلس سے نہیں ہٹا سکتا۔ تحقیق یہ درویشانِ اسلام عزت و کرامت کے ساتھ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں قیامت کے دن انکے ایمان اور اعمال صالحہ سے انکی کرامت ظاہر ہوگی اور مؤمن کو دنیا و مافیہا سے دس گنا زیادہ دولت ملے گی۔ اور یہ دولت مند کافر مچھر کے ایک پر کے برابر بھی نہ ہوں گے ولیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم ایک جاہل قوم ہو کہ اپنے مال و دولت اور موٹر بنگلہ کو عزت سمجھتے ہو اور اہل ایمان جو خدا تعالیٰ کے نزدیک معزّز اور مقرب ہیں دل سے انکو حقیر و ذلیل اور زبان سے انکو کمینہ اور رذیل کہتے ہو تم ایسی جاہل قوم ہو کہ تمہیں عزت و ذلّت کے معنی بھی معلوم نہیں۔ خداوند ذوالجلال سے صحیح تعلق (ایمان) کا نام عزت ہے اور خداوند تعالیٰ سے بغاوت اور قطع تعلق (کفر) کا نام ذلت ہے۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؎

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر ٭ تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

اور اے میری قوم! اگر بالفرض والتقدیر تمہاری رعایت سے ان غربار اور فقرار کو اپنی مجلس سے علیحدہ کر دوں تو بتلاؤ کون مجھ کو اللہ کے عذاب سے چھڑائے گا۔ غریب طالبِ حق کو دولتمند کی رعایت سے مجلس سے نہیں ہٹایا جا سکتا یہ بے انصافی اور ظلم ہے میں تمہاری رعایت سے خدا کے مخلص بندوں کے ساتھ بے انصافی نہیں کر سکتا اگر بہ خدا نخواستہ ایسا کروں تو مجھے خدا کی گرفت سے کون بچا سکے گا کیا بھلا تم غور نہیں کرتے کہ ایمان اور اطاعت سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت ملتی ہے محض دنیاوی مال و دولت سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو نبوت و رسالت کا منصب عطا کیا اور ان فقرار مؤمنین کو ولایت باکرامت کی عزت سے سرفراز فرمایا۔

بعد ازاں نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کافروں کے اور بعض اقوال کا جواب ارشاد فرمایا اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں یعنی بیشک میرے پاس وہ چیز نہیں ہے جسکے ہونے کو تم عزت جانتے ہو یعنی مال و دولت کے خزانے اور جسکے نہ ہونے کو خساست اور رذالت سمجھتے ہو اور مال و دولت کے نہ ہونے کو کاذب ہونے کی دلیل قرار دیتے ہو اور یہ کہتے ہو کہ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ۔ خوب سمجھ لو کہ رسول کے لیے یہ شرط نہیں کہ وہ خزانوں کا مالک ہو میرے نزدیک مال و دولت کا وجود اور عدم سب برابر ہے۔ میرے نزدیک عزت کا دارو مدار ایمان اور اطاعت پر ہے اور مال و دولت کا نہ ہونا کاذب ہونے کی دلیل نہیں کیا فقیر، کاذب اور مالدار، صادق ہوتا ہے اور نہ میں غیب دان ہوں کہ لوگوں کے باطن کی خبر دوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں یعنی تم جو یہ کہتے ہو کہ ہم تم کو اپنے ہی جیسا بشر دیکھتے ہیں تو میرا یہ دعویٰ کب ہے کہ میں فرشتہ ہوں مگر تمہاری یہ جہالت ہے کہ تم بشریت کو نبوت کے منافی خیال کرتے ہو فرشتوں کا رتبہ تو انبیاءؑ سے کم ہی ہے البتہ میں بشر ہوں مگر مؤید بہ معجزات ہوں تم عجیب نادان ہو کہ شجر اور حجر کو تو خدا اور معبود سمجھتے ہو اور بشر کے نبی ہونے کے منکر ہو صورت بشریہ میں تمہارے مثل ہوں لیکن کمالات بشریہ اور فضائل انسانیہ میں تم سے ممتاز اور جدا ہوں یہ تو اپنے متعلق ارشاد فرمایا اب آگے اپنے متبعین کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں اور جن لوگوں کو تمہاری آنکھیں حقارت سے دیکھتی ہیں میں انکی نسبت یہ نہیں کہتا کہ یہ لوگ دل سے ایمان نہیں لائے اس لیے اللہ تعالیٰ انکو ہرگز کوئی بھلائی نہیں دے گا اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے اگر یہ لوگ مثل ظاہر کے باطن میں بھی مؤمن ہیں تو انکو بہتر جزا ملے گی جو تمام روئے زمین کی سلطنت اور اسکے خزانوں سے بہتر ہوگی چونکہ یہ لوگ ظاہر میں مسلمان ہیں اس لیے میں اس کے مطابق انکے ساتھ سلوک کرتا ہوں باطن کی خبر تو اللہ تعالیٰ جانے اگر میں انکو نکال دوں تو بلاشبہ میں ظالموں سے ہوں گا کہ محض شبہ اور گمان کی بنار پر ان کو نکال دیا۔ انبیار کرامؑ کو اللہ کا یہ حکم ہے کہ ظاہر کے مطابق معاملہ کریں۔

الغرض تمہارے یہ تمام شبہات اور اعتراضات سب لایعنی اور مہمل ہیں اور جو میں کہتا ہوں وہ حق اور صحیح ہے اور دلیل اور برہان سے ثابت ہے۔ جب کفار نوح علیہ السلام کے جوابات سے لاجواب ہوئے

تو یہ کہنے لگے کہ اے نوحؑ تو نے ہمارے ساتھ مباحثہ اور مجادلہ کیا اور بحث کو بہت بڑھایا اور طول دیا۔ خیر اب بحث تو چھوڑو۔ پس اگر آپؑ سچوں میں سے ہیں تو آپؑ وہ عذاب لے آئیں جس سے آپؑ ہم کو ڈراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر تم مجھ پر ایمان نہ لاؤ گے۔ اور مجھے رسول نہ مانو گے تو تم پر عذاب آئیگا۔ اب آپ بحث کو چھوڑ یئے اور عذاب لا یئے تو نوح علیہ السلام نے انکو جواب میں کہا میرے اختیار میں دعوت و نصیحت تھی وہ کر چکا۔ باقی عذاب کا لانا وہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جز اس نیست کہ اللہ تعالیٰ ہی عذاب لائے گا جب اس کو منظور ہو گا۔ دیر میں آئے یا سویر میں اور پھر تم اس عذاب سے بچ نہیں سکتے مجھے جو نصیحت کرنی تھی وہ میں نے تمکو کر دی۔ اب آخری بات یہ ہے جس پر میں اپنے کلام کو ختم کرتا ہوں وہ یہ کہ میری نصیحت تم کو سود مند نہ ہو گی اگر میں چاہوں کہ تمہاری خیر خواہی کروں تو میرے ارادے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ازل میں تمہارے گمراہ کرنے کا ارادہ فرما لیا ہے اور رسول میں یہ قدرت نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کو بدل سکے۔ وہی تمہارا مربی اور محسن ہے اس نے تمہاری ہدایت کے لیے پیغمبر بھیجے تم کو چاہیئے تھا کہ اسکے حکموں پر چلتے مگر از راہ عناد تم مجرم بنے اور ایک دن تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور اپنے اعمال کی جزا پاؤ گے۔ کیا کافر یہ کہتے ہیں کہ نوحؑ نے یہ پیغام اپنی طرف سے بنا لیا ہے یعنی از خود گھڑ لیا ہے۔ اے نوحؑ آپؑ جواب میں کہہ دیجئے کہ اگر یہ پیغام میں نے خود گھڑ لیا ہے تو میرے جرم کا وبال مجھ پر ہو گا اور میں بَری ہوں اس جرم سے جس کے تم مرتکب ہو مفسرین کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ آیت نوح علیہ السلام کے قصہ کا تتمہ ہے اور بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ یہ گفتگو کفار مکہ کی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے تھی کہ یہ قرآن آپؐ خود بنا لائے ہیں۔ خدا کا کلام نہیں ہے حضرت نوحؑ کوئی کتاب نہ لائے تھے جو ان کی قوم یہ بات کہتی۔ اس لیے یہ آیت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے بطور جملۂ معترضہ کفار مکہؐ کے کلام کو درمیان قصۂ نوحؑ ذکر فرمایا یہاں تک جتنے سوالات اور جوابات ذکر کیے وہ سب قوم نوح کے متعلق تھے مگر کفار مکہ بھی یہی کہتے تھے اس لیے درمیان قصہ بطور جملہ معترضہ کفار مکہ کا کلام ذکر کر دیا گیا۔ اب آگے پھر نوح علیہ السلام کا باقی قصہ ذکر ہوتا ہے۔

لطائف و معارف

عارف رومی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں۔

اشقیاء را دیدۂ بینا نبود ❊ نیک و بد در دیدہ شاں یکساں نمود

بدبخت لوگ دل کی آنکھوں سے محروم تھے۔ اس لیے انکی نظر میں نیک و بد یکساں دکھائی دیتے تھے۔

ہمسری با انبیاء بر داشتند
اولیاء را ہمچو خود پنداشتند

انبیاء کرام کے ہمسری کے مدعی تھے اور اولیاء کو اپنے برابر سمجھتے تھے۔

گفتہ اینک ما بشر ایشاں بشر ❊ ماؤ ایشاں بستۂ خوابیم و خور

اور یہ کہتے تھے کہ ہم بھی انسان ہیں اور انبیاءؑ بھی انسان ہیں کھانے اور سونے کے دونوں پابند ہیں، پھر ہم میں اور ان میں فرق کیا رہا۔

ایں ندانستند ایشاں از عمیٰ ❊ ہست فرقے درمیاں بے منتہیٰ

اور کور باطنی سے یہ نہ سمجھا کہ دونوں میں بے انتہا فرق ہے۔

ہر دو گوں زنبور خوردند از محل ❊ لیک شد زاں نیش وزاں دیگر عسل

دونوں قسم کے زنبور (بھڑ) ایک ہی جگہ سے پھلوں کا رس چوستی ہیں مگر ایک زنبور سے ڈنگ پیدا ہوتا ہے اور دوسرے زنبور سے شہد پیدا ہوتا ہے۔

ہر دو گون آہو گیا خوردند آب ❊ زیں یکے سرگیں شد و زاں مشک ناب

اس شعر میں ایک دوسری مثال ذکر کرتے ہیں کہ دونوں قسم کے ہرن ایک ہی قسم کی گھاس چرتے ہیں اور ایک ہی گھاٹ سے پانی پیتے ہیں لیکن ایک سے تو مینگنیاں بنتی ہیں اور دوسرے سے خالص مشک نکلتی ہے۔

ہر دو نے خوردند از یک آب خورد ❊ آں یکے خالی و آں پُر از شکر

یہ تیسری مثال ہے کہ دونوں قسم کی نے ایک ہی گھاٹ سے سیراب ہوتے ہیں لیکن ایک کھوکھلی ہے اور دوسری شکر اور رس سے پُر ہے۔

صد ہزاراں ایں چنیں اشباہ بیں ❊ فرق شاں ہفتاد سالہ راہ بیں

اس قسم کی سو ہزار نظیریں دیکھو گے ان میں ستر سال کا فرق پاؤ گے۔

ایں خورد گردد پلیدی زو جدا ❊ واں خورد گردد ہم نور خدا

خدا کا نافرمان غذا کھاتا ہے تو اس سے نجاست نکلتی ہے اور خدا کا فرمانبردار کھاتا ہے تو اس سے نورِ خدا یعنی معرفت اور محبت خدا وندی پیدا ہوتی ہے۔

ایں خورد زاید ہمہ بخل و حسد ❊ واں خورد زاید ہمہ نورِ احد

یہ کھاتا ہے تو سراسر بخل و حسد پیدا ہوتا ہے اور وہ کھاتا ہے تو اس سے نورِ خدا پیدا ہوتا ہے۔

ہر دو صورت گر بہم ماند رواست ❊ آب تلخ و آب شیریں را صفا است

سعید اور شقی کا صورت کے لحاظ سے ایک دوسرے کے مشابہ ہونا ممکن ہے جیسا کہ آبِ تلخ اور آبِ شیریں ظاہر کے اعتبار سے ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ دونوں میں صفائی موجود ہے مگر حقیقت مختلف ہے۔ جسکا فرق چکھنے ہی سے معلوم ہو سکتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ کفار نے محض ظاہری مشابہت کی بنا پر انبیاء کرامؑ کو اپنے ہمسر اور برابر جانا یہی ان

کی کور باطنی اور بے عقلی کی دلیل ہے رہبر کا کام راستہ بتانا ہے۔ اگر کسی گم گشتۂ راہ کو لق و دق میدان میں کوئی رہنما مل جائے جو راستہ سے بخوبی واقف ہو اور وہ اس کو راستہ بتلائے اور یہ شخص جواب میں یہ کہے کہ تم تو مجھ جیسے انسان ہو میں تم کو ہادی کیسے مانوں اور تمہارے کہنے پر کیسے چلوں تو یہی جواب اسکی نادانی اور حماقت کی دلیل ہے بلاشبہ وہ ہادی طریق صورت و شکل میں تم ہی جیسا انسان ہے مگر وہ منزل مقصود کی راہ سے بخوبی واقف ہے اور تم بے خبر ہو۔

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ
اور حکم ہوا طرف نوحؑ کے اب ایمان نہیں لاوے گا تیری

قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ
قوم میں مگر جو ایمان لا چکا سو غمگین نہ

بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ
رہیے ان کاموں پر جو کر رہے ہیں اور بنا کشتی

بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا
روبرو ہمارے اور ہمارے حکم سے اور نہ بول مجھ سے ظالموں کے واسطے۔ یہ البتہ

اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ
غرق ہوں گے اور وہ کشتی بناتا تھا اور جب گزرتے اس پر

مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا
سردار اس کی قوم کے ہنسی کرتے اس سے بولا اگر تم ہنستے ہو ہم سے

فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿٣٨﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ
تو ہم ہنستے ہیں تم سے جیسے تم ہنستے ہو۔ اب آگے جان لو گے

مَن يَأۡتِيهِ عَذَابٌ يُخۡزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيۡهِ عَذَابٌ

کس پر آتا ہے عذاب کہ رسوا کرے اسکو اور اترتا ہے اس پر عذاب

مُّقِيمٌ ﴿۳۹﴾ حَتَّىٰٓ إِذَا جَآءَ أَمۡرُنَا وَفَارَ ٱلتَّنُّورُ قُلۡنَا

ہمیشہ کا یہاں تک کہ جب پہنچا حکم ہمارا اور جوش مارا تنور نے کہا ہم

ٱحۡمِلۡ فِيهَا مِن كُلٍّ زَوۡجَيۡنِ ٱثۡنَيۡنِ وَأَهۡلَكَ

نے، لادلے اسمیں ہر قسم سے جوڑا دوہرا اور اپنے گھر کے

إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيۡهِ ٱلۡقَوۡلُ وَمَنۡ ءَامَنَۚ وَمَآ ءَامَنَ

لوگ مگر جس پر پہلے پڑ چکی بات اور جو ایمان لایا ہو۔ اور ایمان نہ لائے

مَعَهُۥٓ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿۴۰﴾ وَقَالَ ٱرۡكَبُواْ فِيهَا بِسۡمِ ٱللَّهِ مَجۡرٜىٰهَا

تھے اسکے ساتھ مگر تھوڑے اور بولا سوار ہو اس میں اللہ کے نام سے ہے اسکا

وَمُرۡسَىٰهَآۚ إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۴۱﴾ وَهِيَ تَجۡرِي

بہنا اور ٹھہرنا۔ تحقیق میرا رب ہے بخشنے والا مہربان۔ اور وہ لے بہتی ہے

بِهِمۡ فِي مَوۡجٍ كَٱلۡجِبَالِ وَنَادَىٰ نُوحٌ ٱبۡنَهُۥ وَكَانَ

ان کو لہروں میں جیسے پہاڑ۔ اور پکارا نوحؑ نے اپنے بیٹے کو۔ اور وہ

فِي مَعۡزِلٖ يَٰبُنَيَّ ٱرۡكَب مَّعَنَا وَلَا تَكُن مَّعَ ٱلۡكَٰفِرِينَ ﴿۴۲﴾

ہو رہا تھا کنارے، اے بیٹے سوار ہو ساتھ ہمارے اور مت رہ ساتھ منکروں کے

قَالَ سَـَٔاوِيٓ إِلَىٰ جَبَلٖ يَعۡصِمُنِي مِنَ ٱلۡمَآءِۚ قَالَ

کہا میں لگ رہونگا کسی پہاڑ کو کہ بچا لے گا مجھ کو پانی سے۔ بولا

لَا عَاصِمَ ٱلۡيَوۡمَ مِنۡ أَمۡرِ ٱللَّهِ إِلَّا مَن رَّحِمَۚ وَحَالَ

کوئی بچانے والا نہیں آج اللہ کے حکم سے، مگر جس پر وہ مہر کرے اور بیچ آپڑی

بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾

دونوں میں موج سو رہ گیا ڈوبنے والوں میں۔

تتمہ قصۂ نوح علیہ السلام متعلق بہ طوفان

قال اللہ تعالیٰ وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ .. الیٰ .. فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ه

(ربط) جب کفار اپنے شبہات اور اعتراضات کا کافی اور شافی جواب سُن چکے اور حضرت نوح علیہ السلام کے جواباتِ قاہرہ کی تاب نہ لا سکے تو دوسرا رنگ اختیار کیا ظلم اور تعدی اور ایذا رسانی اور دشنام طرازی پر اُتر آئے۔

چو حجت نماند جفا جوئے را ✽ بہ پرخاش برہم کشد روئے را

کبھی انکو دیوانہ اور مجنون کہتے اور کبھی انکو زمین پر لٹا کر انکا گلہ گھونٹتے یہاں تک کہ وہ بیہوش ہوجاتے جب نوبت یہاں تک پہنچ گئی تو نوح علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں شکایت کی۔ رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّ نَهَارًا (الیٰ) رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا۔ اور دعا مانگی رب اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ۔ اس پر نوح علیہ السلام کی تسلی کے لیے یہ وحی نازل ہوئی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جب نوح علیہ السلام کو وعظ ونصیحت کرتے ایک زمانہ دراز گزر گیا اور ان پر کچھ اثر نہ ہوا تو نوح علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی گئی کہ اب تیری قوم میں سے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لا چکے ہیں اور کوئی نیا شخص ایمان نہیں لائیگا۔ پس وہ جو کچھ ظلم وستم کر رہے ہیں آپ اس سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوئیے۔ اور ان کی مخالفت اور عداوت کی پرواہ نہ کیجئے جس عذاب کا یہ لوگ مذاق اڑا رہے ہیں۔ اس کا وقت نزدیک آگیا ہے جو ان شریروں کا اور انکی شرارتوں کا یک لخت خاتمہ کر دیگا دعوت اور حجت کا وقت اب ختم ہوا اور نزول عقوبت اور سزا کا وقت قریب آگیا اور اے نوحؑ! اب کمر ہمت باندھ لیجئے اور ہماری نظروں کے سامنے ہمارے حکم کے مطابق کشتی بناؤ ہم تم کو بتلائیں گے کہ کشتی کس طرح بنائی جاتی ہے کیونکہ اس سے قبل کشتی کا وجود ہی نہ تھا اور بِاَعْيُنِنَا۔ کا مطلب یہ ہے کہ بے فکر ہو کر کشتی تیار کرو ہماری نظر ہائے عنایت وحفاظت ہر طرف سے تم کو اور تمہاری کشتی کو محیط ہونگی جس کے ذریعے سے تم اور تمہارے متبعین طوفان سے محفوظ رہیں گے۔ طوفان کے وقت اصل محافظ ہماری نظر عنایت ہوگی۔ لہذا جب کشتی تیار ہوجائے تو تم ہمارا نام لیکر اس میں سوار ہوجانا اور ہماری نظر عنایت پر نظر رکھنا کشتی پر اعتماد نہ کرنا۔ ہماری حفاظت اور نظر عنایت کے بغیر کشتی بذاتِ خود کسی کو نہیں بچا سکتی اور یہ سُن لو کہ ان ظالموں کے بارے میں بمقتضائے شفقت و مرحمت عذاب دفع ہونے کی مجھ سے کوئی درخواست نہ کرنا بلا شبہ یہ غرق کیے جائیں گے۔ انکی غرقابی کا حکم قطعی ہے اور آپؑ کی بھی

یہی دُعا اور التجا تھی ۔ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۔ لہٰذا نزولِ عذاب کے وقت بمقتضائے شفقت و رحمت کوئی دُعا اور التجا نہ کریں کہ جو پہلی دعا اور التجا کے خلاف ہو ۔ ہماری بارگاہ سے ان ظالموں کی غرقابی کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہے ۔

حضرت نوح علیہ السلام نجار نہیں تھے اور کشتی بنانا نہیں جانتے تھے ۔ اس لیے عرض کیا کہ اے خدا میں کس طرح کشتی بناؤں ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم بتوا دیں گے ۔ پس بحکم خداوندی تیشہ لے کر لکڑی تراشنا شروع کی تو برابر ٹھیک بنتی چلی جاتی تھی ۔ اور اسی طرح وہ کشتی بناتے تھے اور انکی قوم کے سرداروں میں کوئی جماعت جب ان پر گزرتی تو انکے ساتھ تمسخر کرتی ۔ اور یہ کہتی کہ اے نوحؑ پہلے تو تم پیغمبر تھے اور اب بڑھئی ہو گئے اور دریا سے دور خشک بیابان میں کشتی تیار کر رہے ہو ۔ اتنی بڑی کشتی خشکی سے کھینچ کر دریا میں کیسے لے جاؤ گے ۔ تم مجنون ہو گئے ہو نیز خشکی میں کشتی کی ضرورت کیا ۔ بلا ضرورت کس لیے کشتی بناتے ہو جہاں دور دور پانی کا نام و نشان نہ ہو وہاں کشتی بنانا بالکل عبث ہے ۔ ابن عطیہؒ کہتے ہیں اس سے پہلے لوگوں نے کشتی دیکھی بھی نہ تھی ۔ اور نہ اسکے استعمال کے طریقے سے واقف تھے اس لیے تعجب کرتے اور قہقہے لگاتے اور کہتے کہ اے نوحؑ تم اسکو کیا کرو گے نوح علیہ السلام نے جواب دیا کہ اگر تم ہم سے تمسخر کرتے ہو تو ہم بھی تم پر ہنسیں گے جیسا کہ تم ہم پر ہنستے ہو وہ ہنستے تھے اس بات پر کہ خشکی پر کشتی بنائی جا رہی ہے کیا یہ کشتی خشکی پر چلے گی اور نوح علیہ السلام اس بات پر ہنستے تھے کہ یہ لوگ اپنے انجام سے بے خبر ہیں موت انکے سر پر کھڑی ہے ۔ انکو معلوم نہیں کہ کس طرح زمین سے پانی اُبل پڑے گا اور یہی خشکی تری بن جائے گی ۔ اور انکو غرق کر ڈالے گی ۔ سو عن قریب جان لو گے کہ وہ کون ہے کہ جس پر دنیا میں ایسا عذاب آیا چاہتا ہے جو اسکو رسوا کرے گا ۔ یعنی غرق ہو گا جسے دیکھ کر لوگ ہنسیں گے اور اس دنیاوی عذاب کے علاوہ آخرت میں اس پر ایک دائمی عذاب نازل ہو گا ۔ جو کبھی اس سے دور نہ ہو گا ۔ غرض یہ کہ اسی طرح سوال و جواب اور تمسخر کا سلسلہ جاری رہا ۔ یہاں تک کہ جب عذاب کے متعلق ہمارا حکم آپہنچا اور اس کی ابتدا اس طرح سے ہوئی کہ روٹی پکانے کا تنور جوش مارنے لگا ۔ یعنی اس میں سے پانی اُبلنے لگا جو مقدمۂ طوفان تھا ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو عذاب آنے کی یہ نشانی بتا دی تھی کہ جب اس تنور میں سے پانی پھوٹنے لگے تو تم اہل ایمان کو لیکر کشتی پر سوار ہو جانا و ھذا قول الحسنؒ و قالہ مجاھدؒ و عطیۃؒ عن ابن عباسؓ ۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۳۳)

ابن جریرؒ اور دیگر محققین کا قول یہی ہے کہ تنور سے یہی روٹی پکانے کا تنور مراد ہے جس سے خلاف عادت پانی ابلنے لگا اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ تنور سے صبح مراد ہے مگر اکثر مفسرین کے نزدیک مختار یہی ہے کہ تنور سے ظاہری معنی مراد ہیں اس لیے کہ تنور کے یہ معنی حقیقی اور معروف و متبادر ہیں ۔ اور دوسرے معنی مجازی ہیں اور جب لفظ حقیقت اور مجاز کے درمیان دائر ہو تو بالاجماع اس کو حقیقت پر محمول کرنا اولیٰ ہے حق تعالیٰ جل شانہٗ نے حضرت نوح علیہ السلام سے یہ فرمایا تھا ۔ کہ جب تنور سے پانی

ابلتے دیکھو تو کشتی میں سوار ہو جانا یہ علامت تھی طوفان شروع ہونے کی۔

چنانچہ جب عذاب کی علامت ظاہر ہوئی کہ تنور سے پانی ابلنا شروع ہوا اور زمین کے چشمے رواں کر دیئے گئے اور آسمان سے بشدت پانی برسنا شروع ہوا۔ کما قال تعالیٰ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَاۗءِ بِمَاۗءٍ مُّنْهَمِرٍ وَّ فَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا۔ تو ہم نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ ہر قسم کے جانوروں میں سے جو انسان کے لیے کار آمد ہیں اور پانی میں زندہ نہیں رہ سکتے دو عدد جوڑا یعنی ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ کشتی میں اپنے ساتھ لاد لو اور اپنے اہل و عیال کو جو ایمان والے ہیں انکو بھی کشتی میں سوار کر لو مگر ان لوگوں کو مت سوار کرنا جنکی غرقابی اور ہلاکت کے متعلق قضا و قدر جاری ہو چکی ہے۔ اور اہل و عیال کے علاوہ ان لوگوں کو بھی سوار کر لیجیئے جو ایمان لائے ہیں اور نہیں ایمان لائے تھے انکے ساتھ مگر تھوڑے اشخاص جنکی تعداد اسی تھی پس حضرت نوح علیہ السلام نے حسب الحکم ان کو کشتی میں سوار کیا اور فرمایا کہ سوار ہو جاؤ اس کشتی میں اور غرق کا اندیشہ مت کرو کیونکہ اس کا چلنا اور ٹھہرنا سب اللہ ہی کے نام کی برکت سے ہے بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے کشتی کا چلنا اور ٹھہرنا سب اس کی رحمت اور اس کے نام کی برکت سے ہے نجات کا دار و مدار اس کی رحمت پر ہے۔ یہ کشتی اسکا ظاہری سبب ہے۔ لہٰذا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر رکھو نہ کہ کشتی پر۔ اور بعض علماء تفسیر یہ فرماتے ہیں کہ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا۔ مستقل جملہ نہیں بلکہ ماقبل سے حال واقع ہے اور مطلب یہ ہے کہ کشتی میں بسم اللہ پڑھتے ہوئے سوار ہو۔ چنانچہ وہ لوگ مع ضروری جانوروں کے اس کشتی میں سوار ہو گئے اور اس اثناء میں پانی بہت بڑھ گیا۔ اب وہ کشتی انکو لے کر پہاڑ جیسی موجوں میں چل رہی تھی یعنی پانی اس قدر کثیر تھا کہ اسکی موجیں اور لہریں پہاڑ کی مانند بلند تھیں مقصود یہ ہے کہ طوفان نہایت شدید تھا مگر یہ کشتی انہی موجوں میں اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت اور نظر رحمت کے ساتھ اہل ایمان کو سکون، اطمینان کے ساتھ لیکر چل رہی تھی جس میں کسی قسم کا اضطراب نہ تھا پانی اور ہوا کے تھپیڑوں کا کشتی پر کوئی اثر نہ تھا اور اسی اثناء میں کشتی چلنے سے پہلے نوح علیہ السلام نے اپنے سگے یا سوتیلے بیٹے کو آواز دی جس کا نام کنعان تھا اور وہ کشتی سے علیحدہ تھا۔

اور اس وقت کشتی رواں تھی اور پانی چڑھا آتا تو بمقتضائے شفقت پدری آواز دی اور یہ کہا اے میرے چھوٹے بیٹے خدا را ایمان لے آ اور کشتی میں ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ مت رہ یعنی ان بد بخت کافروں کی معیت کو چھوڑ اور ہمارے ساتھ سوار ہو جا تاکہ اس مصیبت عظمیٰ سے تو نجات پا سکے۔ شفقت پدری کی بناء پر نصیحت فرمائی کہ یہ آخری وقت ہے اگر اس وقت بھی ایمان لے آیا تو غرق سے بچ جائیگا۔ بیٹا بولا کہ مجھے کشتی کی ضرورت نہیں میں عنقریب کسی بلند پہاڑ پر ٹھکانا لوں گا۔ جو مجھ کو پانی میں غرق ہونے سے بچالے گا یہ وقت ابتداء طوفان کا تھا پانی پہاڑوں پر نہیں پہنچا تھا اس لیے اس نے یہ کہا۔ نوح علیہ السلام کو گمان یہ تھا کہ شاید اس قہر عام کو دیکھ کر بیٹا ہوش میں آجائے دنیا کی پریشانی اور میرا سکون اور اطمینان اسکی نظروں کے سامنے ہے غرق کو دیکھ لے اور سمجھ لے مگر غفلت کا پردہ اتنا سخت تھا بیٹا ہوش میں نہ آیا اور خیال

کیا کہ پہاڑ کی چوٹی مجھ کو غرق ہونے سے بچالے گی۔ نوح علیہ السلام نے کہا کہ اس خیال کو دماغ سے نکال دے یہ کوئی معمولی سیلاب نہیں یہ اللہ کا قہر ہے جس میں اسباب عادیہ اور تدابیر مادیہ کارگر نہ ہونگی۔ آج کے دن اللہ کے قہر سے کوئی چیز بچانے والی نہیں مگر جس پر خدا رحم کرے وہی بچ سکتا ہے پہاڑ بھی تو اللہ ہی کے حکم کے تابع ہے وہ بغیر حکم خداوندی کسی کو کیسے پناہ دے سکتا ہے اللہ کی تقدیر محکم جاری ہو چکی ہے کہ اس عذاب سے بچے گا کوئی نہیں۔

غرض یہ کہ یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ پانی کا زور اسکی طرف بھی بڑھ گیا اور ان دونوں باپ اور بیٹے کے درمیان موج حائل ہوگئی اور اس طرح انکی گفتگو ختم ہوئی۔ پس ہو گیا وہ بیٹا غرق ہونے والوں میں سے اور کافروں کے ساتھ بیٹا بھی غرق ہوا۔

جمہور علماء اسلام اور اہل کتاب کا قول یہ ہے کہ طوفان عام تھا تمام جہان پر آیا اور اسکے بعد دنیا میں صرف نوح علیہ السلام کی نسل جاری ہوئی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

۱- وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ۔ یعنی طوفان نوح کے بعد ہم نے صرف نوحؑ کی اولاد کو باقی رکھا۔ اور باقی سب کو غرق کر دیا اور جو لوگ نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار تھے صرف انہوں نے نجات پائی اور آئندہ کو جو نسل چلی وہ نوح علیہ السلام کی اولاد سے چلی اس وجہ سے نوح علیہ السلام کو آدم ثانیؑ کہتے ہیں۔

۲- اور حضرت نوح علیہ السلام کی یہ دعا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا۔ یہ بھی اسکی دلیل ہے کہ طوفان تمام اہل زمین کے لیے تھا۔ اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ طوفان صرف نوح علیہ السلام کی قوم کے حق میں تھا۔ کیونکہ انکی بعثت صرف اپنی قوم کے لیے تھی اس لیے یہ طوفان اس خطہ تک محدود تھا جہاں ان کی قوم آباد تھی۔ عام نہ تھا۔ بعض شہر اس طوفان سے بچ گئے تھے یہ لوگ کہتے ہیں کہ دنیا میں کوئی ایسا انقلاب نہیں آیا جس سے از سرنو دنیا کی آبادی کی ضرورت ہوئی ہو۔

حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ سلف اور خلف میں سے کسی کا یہ قول نہیں کہ طوفان صرف حضرت نوحؑ کی قوم کے حق میں تھا اور یہود کے باطل اقوال کا اعتبار نہیں اور نوح علیہ السلام کی بعثت اگرچہ عام نہ تھی صرف اپنی قوم کے ساتھ مخصوص تھی مگر اس وقت انکی قوم اور ان کی امت ہی کل اہل زمین اور اہل جہان کا مصداق تھی اور ان کی امت ہی سارا جہان اور ساری دنیا تھی موجودہ دنیا کی طرح ساری زمین آباد نہ تھی جیسے آدم علیہ السلام کی ذریت تھی وہی انکی امت تھی۔ اس طرح تمام اہل زمین حضرت نوحؑ کی قوم تھی مطلب یہ ہوا کہ اس زمانہ میں جہاں تک دنیا آباد تھی وہاں تک طوفان آیا جو سب کو عام اور شامل تھا۔ جس سے سوائے نوح علیہ السلام کے اور اہل ایمان کے کوئی نہیں بچا غرض کہ تمام زمین کی چیزیں غرق ہو گئیں اور صرف نوح علیہ السلام اور وہ لوگ جو کشتی میں انکے ساتھ سوار تھے زندہ رہے اور طوفان کے بعد دنیا از سرنو آباد ہوئی۔ آج کل کے مدعیان تحقیق یہ کہتے ہیں کہ اسی آدمیوں سے دنیا کا آباد ہونا محال نظر آتا ہے ان نادانوں کو

یہ خبر نہیں کہ یہ ساری دنیا صرف حضرت آدمؑ اور حواؑ سے آباد ہوئی ہے۔ کبھی یہ کہتے ہیں کہ ایسے عظیم انقلاب کا دنیا کی تاریخوں میں ذکر نہیں۔ ان نادانوں کو یہ معلوم نہیں کہ تاریخ میں جن واقعات کا ذکر ہے وہ نہایت قلیل ہیں اور جو واقعات پیش آئے وہ لاکھوں اور کروڑوں ہیں جن کے ذکر سے تاریخ خالی ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ نوح علیہ السلام کی بعثت عام تھی اور تمام اہل زمین کے لیے تھی تو جاننا چاہیئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت تمام اہل زمین کے لیے ہر زمانہ میں ہے اور قیامت تک رہے گی اور حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت اسلام سب اہل زمین کے لیے صرف انکے زمانہ تک محدود تھی بعد میں باقی نہ رہی اور ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور بعثت اور دعوت تمام اہل زمین کے لیے ہے ہر زمان میں ہر مکان میں اور اسی طرح تا قیامت باقی رہے گی۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۴۷ ج ۲)

الغرض جمہور مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ یہ طوفان عام اور عالمگیر تھا۔ سوائے اہل کشتی کے کوئی متنفس اس جانکاہ عذاب سے جانبر نہیں ہوا۔ اور قرآن مجید کی آیات اور اشارات سے بھی یہی معلوم اور مفہوم ہوتا ہے کہ وہ طوفان عام تھا اور تمام جانوروں میں سے ایک ایک جوڑا کا کشتی میں سوار کرنا یہ بھی اسی طرف اشارہ کر رہا ہے کیونکہ اگر طوفان عام نہ ہوتا تو جانوروں کے سوار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ دوسرے مقامات پر تو جانور موجود ہی تھے جو لوگ طوفان کے عام ہونے کے منکر ہیں کبھی تو یہ کہتے ہیں کہ واقعۂ طوفان قانون فطرت کے خلاف ہے اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ قانون طبیعت کے خلاف ہے۔ خوب سمجھ لو کہ یہ سب متکبرانہ دعوے ہیں جن پر کوئی دلیل نہیں اور اس قسم کی باتوں سے کسی چیز کا محال ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

وَقِيلَ يَآأَرْضُ ابْلَعِي مَآءَكِ وَيَسَمَآءُ أَقْلِعِي

اور حکم آیا اے زمین ! نگل جا اپنا پانی اور اے آسمان ! تھم جا اور

وَغِيضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى

سُکھا دیا پانی، اور ہو چکا کام ! اور کشتی ٹھہری جودی

الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّٰلِمِينَ ﴿۴۴﴾

پہاڑ پر اور حکم ہوا کہ دور ہوں قوم بے انصاف ۔

قصہ فرو شدن طوفان

قال اللہ تعالیٰ وَقِيلَ يَآأَرْضُ ابْلَعِي مَآءَكِ ... الیٰ ... بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّٰلِمِينَ ۝

(ربط) یہاں تک اس طوفان کی آمد کا بیان تھا۔ اب اس کے خاتمہ کا بیان ہے کہ کفار ناہنجار غرق ہوئے اور اہل ایمان صحیح سالم رہے چنانچہ فرماتے ہیں اور جب اصحاب سفینہ کے سوا تمام لوگ جن کے حق میں نوح علیہ السلام نے دعا کی تھی۔ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا۔ وہ سب غرق ہو گئے اور کافروں میں زمین پر بسنے والا کوئی باقی نہ رہا ـــ تو خداوند قدوس کی طرف سے زمین کو حکم دیا گیا کہ اے زمین تو اپنا پانی نگل جا اور آسمان کو یہ حکم دیا گیا کہ اے آسمان تو پانی برسانے سے رک جا پھر کیا مجال تھی کہ آسمان اور زمین اسکے حکم کی تعمیل میں ایک لمحے کی تاخیر کرتے۔ چنانچہ زمین نے اپنے اوپر کا تمام پانی چوس لیا اور آسمان نے پانی برسانا بند کر دیا اور پانی کم کر دیا گیا حتیٰ کہ خشک کر دیا گیا۔ اور قوم نوح کا قصّہ تمام ہوا۔ اور جو کافر اور منکر تھے ان میں سے کوئی ایک دیّار بھی باقی نہ رہا۔ اور اہل ایمان نے نجات پائی اور اللہ کا وعدہ پورا ہوا اور کشتی صحیح سلامت جودی پہاڑ پر جا کر ٹھہر گئی۔ جو موصل کے قریب واقع ہے اور یہ محرم کی دسویں تاریخ تھی۔ نوح علیہ السلام نے اللہ کے شکر میں اس دن کا روزہ رکھا کہ اس مبارک دن میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو نجات دی اور کفار ناہنجار کو از اوّل تا آخر غرق کیا اور منادی کر دی گئی کہ لعنت اور پھٹکار ہو ظالم قوم کے لیے جنہوں نے حق اور اہل حق کے ساتھ بے انصافی کی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انکو نیست و نابود کیا اور اپنی رحمت سے دور کیا۔

علماء تفسیر نے لکھا ہے کہ یہ آیت عجیب اسرار بلاغت اور دلائل اعجاز پر مشتمل ہے جس کی تفصیل کتب تفسیر میں ہے چونکہ اہل علم اور اہل فن ہی ان اسرار و لطائف کو سمجھ سکتے ہیں اس لیے ہم نے ان کے بیان سے پہلو تہی کی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

در بیان و در فصاحت کے بود یکساں سخن
گرچہ گوئندہ بود چوں حافظ و چوں اصمعی
در کلام ایزد بے چوں کہ وحی منزل است
کے بود تبّت یدا مانند یا ارض ابلعی

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ

اور پکارا نوح نے اپنے رب کو بولا اے رب! میرا بیٹا ہے

مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ

میرے گھر والوں میں اور تیرا وعدہ سچ ہے اور تیرا

اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ

حکم سب سے بہتر۔ فرمایا اے نوح! وہ نہیں تیرے گھر والوں میں

إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ

اس کے کام ہیں ناکارہ ۔ سو مت پوچھ مجھ سے جو تجھ کو

عِلْمٌ ۖ إِنِّي أَعِظُكَ أَن تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٤٦﴾ قَالَ

معلوم نہیں ۔ میں نصیحت کرتا ہوں تجھ کو کہ ہو جاوے تو جاہلوں میں ، بولا اے

رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ

رب! میں پناہ لیتا ہوں تیری اس سے کہ پوچھوں تجھ سے جو معلوم نہ ہو

عِلْمٌ ۖ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُن مِّنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٤٧﴾

مجھ کو۔ اور اگر تو نہ بخشے مجھ کو اور رحم نہ کرے تو میں ہوں خرابی والوں میں۔

دعاء نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام برائے نجات پسر خود و جواب باری تعالےٰ

قَالَ اللّٰہ تعالیٰ وَ نَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ .... الیٰ ..... اَکُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝

اور نوح علیہ السلام نے بیٹے کے غرق ہونے سے پہلے حسرت و لجاجت کے ساتھ اپنے پروردگار کو پکارا کہ شاید اسکی شان ربوبیت سے بیٹے کی نجات کی کوئی صورت نکل آئے پس عرض کیا کہ اے میرے رب تحقیق یہ میرا بیٹا جو ہلاکت کے کنارے پر کھڑا ہے میرے اہل و عیال اور گھر والوں میں سے ہے جن کی نجات کا تو نے وعدہ کیا ہے اور بلاشبہ تیرا وعدہ حق اور صدق ہے۔ پس آپ میرے بیٹے کو غرق ہونے سے بچا لیجئے اور آپ تو سب سے بڑے حاکم ہیں۔ آپ کے حکم کو کون توڑ سکتا ہے یا ٹلا سکتا ہے۔

اللہ جل شانہ نے فرمایا اے نوح بیشک ہمارا وعدہ حق ہے مگر تیرا بیٹا حقیقت میں تیرے اہل میں سے نہیں ہے جن کے بچانے کا ہم نے وعدہ کیا ہے کیونکہ تحقیق وہ ناشائستہ اور سرتاپا ناکارہ ہے یعنی کافر ہے اور اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْہِ الْقَوْلُ ۔ میں داخل ہے اور ہمارے یہاں اہلیت کا دار و مدار قرابت دین پر ہے نہ کہ قرابت نسبی پر، اور ہم نے شروع ہی میں تم سے یہ کہا تھا کہ وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۔ وہ اشارہ اسی کی طرف تھا۔ حکم چونکہ مجمل اور عام تھا لیکن بمقتضائے شفقت پدری تم کو اس کے عموم سے ذہول اور نسیان ہوا اس لیے تم بھولے سے یہ سوال کر بیٹھے پس آئندہ سے تم مجھ سے اس چیز کا سوال نہ کرنا جس کا تم کو علم نہ ہو۔ تحقیق میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ نادانوں میں سے نہ ہو جانا ایسی دعا مانگنی نادانی کی بات

ہے اللہ کی مرضی اور منشار کو دیکھ کر سوال کرنا چاہیئے نوح علیہ السلام نے ظاہری اور نسبی قرابت کی بنا پر یہ خیال کیا کہ میرا بیٹا بھی میرے اہل میں سے ہے اس لیے دعا فرمائی اللہ تعالےٰ نے مطلع کر دیا کہ وہ آپ کے اہل سے نہیں نبی کے اصل اہل وہ لوگ ہیں جو نبی پر ایمان لائے اور ایمان لا کر اسکی پیروی کی۔ اس بارگاہ میں جسمانی نسب کا اعتبار نہیں بلکہ ایمانی نسبت کا اعتبار ہے۔

امام ابو منصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے بیٹے کے کافر ہونے کی خبر نہ تھی۔ خبر ہوتی تو وہ یہ سوال نہ کرتے۔

امام رازی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ پسر نوحؑ کے بارے میں علمار کے تین قول ہیں۔

(قول اول) وہ منافق تھا مگر نوح علیہ السلام کو اسکے نفاق کا علم نہ تھا۔ ظاہر کے اعتبار سے اسکو مؤمن سمجھ کر آواز دی کہ کافروں کا ساتھ چھوڑ دے اور ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا۔ یٰبُنَیَّ ارْکَبْ مَّعَنَا وَ لَا تَکُنْ مَّعَ الْکٰفِرِیْنَ۔ کا یہ مطلب ہے کہ جب تو کافر نہیں تو پھر ان کے ساتھ کیوں ہے۔ (تفسیر کبیر ص ۶۲ ج ۵) اور اسی کو امام قرطبیؒ نے اختیار کیا ہے (دیکھو تفسیر[1] قرطبی ص ۴۵ ج ۹)

(قول دوم) نوح علیہ السلام کو معلوم تھا کہ کنعان کافر تھا مگر غرق ہونے سے پہلے اسکو اس لیے آواز دی کہ شاید ہولناک نشانات کو دیکھ کر ہوش میں آجائے اور ایمان لے آئے اور حق جل شانہٗ سے اس عرض و معروض رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَھْلِیْ الخ کا منشا بھی یہی ہو کہ اے پروردگار یہ میرا بیٹا اگرچہ بوجہ عدم ایمان کے مستحق نجات نہیں۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو آپ اسکو مؤمن کر سکتے ہیں تاکہ یہ بھی اس وعدۂ حفظ کا مورد اور مستحق بن سکے اور نجات پا جائے۔ (تفسیر کبیر ص ۶۲ ج ۵)

(قول سوم) شفقت پدری نے اس سوال اور استدعار پر آمادہ کیا ہو اور یہ گمان کیا کہ اللہ نے میرے گھر والوں کے بچانے کا وعدہ فرمایا ہے جن میں بظاہر بیٹا داخل ہے اور اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْہِ الْقَوْلُ کا استثنار مجمل اور مبہم ہے۔ ممکن ہے کہ بیٹا اس میں داخل نہ ہو۔ (تفسیر کبیر ص ۶۲ جلد ۵)

بہر حال نوح علیہ السلام کا یہ سوال شفقت پدری کی بنا پر تھا اور دعا کرتے وقت بیٹے کے کفر کا صحیح

---

[1] قال الامام القرطبی قولہ ولا تکن مع الکافرین ای لا تکن ممن لست منھم لانہ کان عندہ مؤمنا فی ظنہ ولم یک نوح یقول رب ان ابنی من اھلی الا و ذالک عندہ کذالک اذ محال ان یسال ھلاک الکفار ثم یسال فی انجاء بعضھم و کان ابنہ یُسِرّ الکفر و یظھر الایمان فاخبر اللہ تعالیٰ نوحا بما ھو منفرد بہ من علم الغیوب ای علمت من حال ابنک مالم تعلم انت و قال الحسنؒ کان منافقاً و لذا استحل نوح ان ینادیہ۔ (تفسیر قرطبی ص ۴۵ ج ۹)

حال معلوم نہ تھا۔ جیسا کہ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ۔ اس پر دلالت کرتا ہے اللہ تعالےٰ نے بتلادیا کہ وہ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ میں داخل ہے اور نصیحت فرمادی کہ مقربین کے شایان شان نہیں کہ وہ بے سوچے سمجھے بے ادب ناشناس جیسے بے ادب جاہلوں کی سی باتیں کرنے لگیں۔

موسیا آداب داناں دیگر اند
سوختہ جاناں روانا دیگر اند

نوح علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار تحقیق میں تجھ سے پناہ پکڑتا ہوں کہ آئندہ تجھ سے ایسی بات کا سوال کروں جسکا مجھ کو علم نہ ہو۔ نوح علیہ السلام کو یہ ڈر ہوا کہ لاعلمی میں ایسی بات کا سوال نہ کر بیٹھوں کہ جو تقدیر ازلی اور علم الٰہی اور منشاء خداوندی کے خلاف ہو اس لیے توبہ واستغفار کی۔ اور اے پروردگار اگر تو نے مجھے یہ ترک ادب نہ بخشا اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں ٹوٹا اٹھانے والوں میں ہو جاؤنگا یہ شان نبوت تھی کہ لاعلمی میں جو درخواست کر گزرے تھے۔ اس پر عتاب آیا تو کانپ اٹھے اور گڑگڑانے لگے۔ اور توبہ اور استغفار کرنے لگے۔ مقرباں را بیش بود حیرانی۔

قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَ

حکم ہوا، اے نوح! اُتر سلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے اور برکتوں کے ساتھ تجھ پر

عَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۭ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ

اور کتنے فرقوں پر تیرے ساتھ والوں میں اور کتنے فرقوں کو فائدہ دیں گے پھر پہنچے گی ان کو

مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۴۸ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ

ہماری طرف سے دکھ کی مار۔ یہ بعضی خبریں ہیں غیب کی کہ ہم بھیجتے

اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ

ہیں تیری طرف۔ اُنکو جانتا نہ تھا تو، نہ تیری قوم اس

قَبْلِ هٰذَا ۭ فَاصْبِرْ ۭ اِنَّ الْعَاقِبَةَ

سے پہلے۔ سو تو ٹھہرا رہ البتہ آخر بھلا ہے



لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۴۹ ع

ڈر والوں کا۔

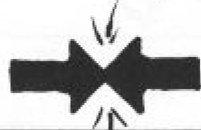
خاتمۂ قصہ مشتمل بر بیان حکمت و ذکر استدلال بر وحی نبوت

قال اللہ تعالیٰ قِيلَ يٰنُوحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا ۔۔ الیٰ ۔۔۔ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ؀

(ربط) جب کشتی جودی پہاڑ پر جا کر ٹھہر گئی اور پانی بھی اتر گیا تو اس وقت حکم ہوا کہ اے نوح اب کشتی سے اترو ہماری طرف سے سلام اور سلامتی کے ساتھ اور برکتوں کے ساتھ اور یہ سلامتی اور برکتیں تجھ پر مبذول ہوں گی اور ان لوگوں پر مبذول ہوں گی جو تیرے ہمراہیوں سے پیدا ہونگے یعنی تیرے ہمراہیوں کی مسلمان اولاد پر بھی ہماری سلامتی اور برکتیں مبذول ہونگی ۔ مطلب یہ ہے کہ آپؑ کے ہمراہیوں کی مسلمان نسل کو بھی اس سلامتی اور برکت میں سے حصّہ ملے گا ۔ اور آئندہ نسلوں میں کچھ ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے جو ایمان نہیں لائیں گے ۔ ہم انکو دنیا میں چند روزہ بہرہ مند کریں گے ۔ یعنی موت کے وقت تک دنیا میں ان کو رسائیں بسائیں گے ۔ پھر آخرت میں انکو ہماری طرف سے دوزخ کا دردناک عذاب پہنچے گا ۔ وَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ سے کافر امتیں مراد ہیں کہ انکو دنیا میں عیش و آرام دیں گے اور پھر آخرت میں کفر اور شرک کی وجہ سے عذاب میں پکڑے جائیں گے اور آخرت میں صرف ایمان اور عمل صالح نفع دے گا نسب کام نہ دے گا جیسا کہ کنعان کو بغیر ایمان اور عمل صالح کے نسب سے کوئی نفع نہ ہوا قریش مکہ کان کھول کر سُن لیں ۔

یہاں تک نوح علیہ السلام کا قصّہ تمام ہوا اب اس قصّہ کو ختم کر کے اسکے دو فائدے بیان کرتے ہیں ایک تو یہ کہ ایک اُمّی کی زبان سے امم سابقہ کے ایسے مفصّل اور مستند واقعات کا بیان اسکی نبوت کی دلیل ہے ۔ دوم یہ کہ اسکی تسلّی مقصود ہے کہ نوح علیہ السلام کی طرح آپؐ کا اور آپؐ کے رفقاء کا انجام بہتر ہوگا ۔

یہ قصّۂ نوحؑ منجملہ غیب کی خبروں کی ایک خبر ہے جسکو ہم بذریعہ وحی کے تجھ پر القاء کرتے ہیں اس قصّہ کو ہمارے بتلانے سے پہلے نہ آپ جانتے تھے نہ آپ کی قوم جانتی تھی ۔ اور کسی امر غیبی کی بذریعۂ وحی اطلاع دینا یہ دلیل نبوت ہے ۔ اور اگر اس واضح دلیل کے بعد بھی آپؐ کو نبی نہ مانیں تو آپؐ ان کی ایذاء اور تکلیف دہ باتوں پر صبر کیجئے ۔ کیونکہ اس میں شک نہیں کہ نیک انجام خدا سے ڈرنے والوں کے لیے ہے ۔ جیسا کہ نوح علیہ السلام اور انکے اصحاب کو صبر کی برکت سے نیک انجام نصیب ہوا ۔ اسی طرح آپؐ بھی کافروں کی ایذاؤں پر صبر کریں ۔ آپؐ کا اور آپؐ کے رفقاء کا انجام بھی بہتر ہو گا ۔



وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

اور عاد کی طرف ہم نے بھیجا انکا بھائی ہود ، بولا اے قوم ! بندگی کرو اللہ کی

مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

کوئی تمہارا حاکم نہیں سوا اسکے ۔ تم سب جھوٹ کہتے ہو۔

يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي

اے قوم ! میں تم سے نہیں مانگتا اس پر مزدوری میری مزدوری اسی پر ہے ۔

الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا

جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر کیا تم نہیں بوجھتے ۔ اور اے قوم ! گناہ بخشواؤ اپنے

رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا

رب سے ، پھر رجوع لاؤ اس کی طرف چھوڑ دے تم پر آسمان کی دھاریں

وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰي قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾

اور زیادہ دے تم کو زور پر زور ، اور نہ پھرے جاؤ گنہگار ہو کر ۔

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ

بولے ، اے ہود ! تو ہم پاس کچھ سند سے نہیں آیا اور ہم نہیں چھوڑنے والے

اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنْ

اپنے ٹھاکروں کو ، تیرے کہنے سے اور ہم نہیں تجھ کو ماننے والے ۔ ہم تو

نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْۗءٍ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ

یہی کہتے ہیں کہ تجھ کو جھپٹ لیا ہے کسی ہمارے ٹھاکروں نے بُری طرح ۔ بولا میں

اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾

گواہ کرتا ہوں اللہ کو اور تم گواہ رہو کہ میں بیزار ہوں ان سے جنکو شریک کرتے ہو ۔

مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾

اسکے سوا ، سو بدی کرو میرے حق میں سب ملکر پھر مجھ کو فرصت نہ دو ۔

إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُم ۚ مَّا مِن دَابَّةٍ

میں نے بھروسا کیا اللہ پر جو رب ہے میرا اور تمہارا کوئی نہیں پاؤں دھرنے

إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ

والا، مگر اسکے ہاتھ میں ہے چوٹی اسکی۔ بیشک میرا رب ہے سیدھی راہ

مُّسْتَقِيمٍ ﴿٥٦﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُم مَّا أُرْسِلْتُ

پر ۔ پھر اگر تم پھر جاؤ گے تو میں پہنچا چکا جو میرے ہاتھ بھیجا

بِهِ إِلَيْكُمْ ۚ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّونَهُ

تھا تم کو اور قائم مقام تمہارے سے کریگا میرا رب کوئی اور لوگ اور نہ بگاڑ سکو گے اسکا

شَيْئًا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿٥٧﴾ وَلَمَّا جَاءَ

کچھ۔ تحقیق میرا رب ہے ہر چیز پر نگہبان ۔ اور جب پہنچا

أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ

ہمارا حکم بچا دیا ہم نے ہود کو اور جو یقین لائے تھے اس کے ساتھ اپنی مہر

مِّنَّا وَنَجَّيْنَاهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٥٨﴾ وَتِلْكَ عَادٌ ۖ

سے اور بچا دیا انکو ایک گاڑھی مار سے ۔ اور یہ تھے عاد

جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ

منکر ہوئے اپنے رب کی باتوں سے اور نہ مانے اسکے رسول اور مانا حکم

كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٥٩﴾ وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً

اُن کا جو سرکش تھے مخالف اور پیچھے پائی اس دنیا میں پھٹکار

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا إِنَّ عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا

اور قیامت کے دن سُن رکھو ! عاد منکر ہوئے اپنے رب سے، سُن لو پھٹکار



لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾

ہے عاد کو جو قوم تھی ہود کی۔

قصۂ ہود علیہ السلام با قوم عاد

قال اللہ تعالیٰ وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ... الیٰ ... اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ۔

(ربط) نوح علیہ السلام کے قصہ کے بعد یہ دوسرا قصہ ہود علیہ السلام اور انکی قوم "عاد" کا ہے جس میں قوم عاد کی ضلالت اور عذاب کا حال بیان فرمایا ہے یہ لوگ شرک اور بت پرستی میں مبتلا تھے اور دولت و ثروت کی وجہ سے مغرور تھے۔ اور انبیاءؑ اور انکے متبعین کو حقارت کی نظروں سے دیکھتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کو دو خصوصیتیں عطا فرمائی تھیں ایک قوت و توانائی کما قال تعالیٰ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۔ دوم یہ کہ انکے بلاد نہایت سرسبز اور شاداب تھے یمن ان کا مسکن تھا۔ صاحب زراعت اور صاحب عمارت تھے۔

اس قصہ میں اشارہ اس طرف ہے کہ قوم عاد۔ ہود علیہ السلام کی قریبی رشتہ دار تھی اور ہود علیہ السلام اسی قبیلے کے ایک فرد تھے مگر آخرت کے معاملہ میں قرابت نسبی کچھ کام نہ آئی۔ صرف ایمان کام آیا جیسے نوح علیہ السلام کے بیٹے کو نسب کام نہ آیا چنانچہ فرماتے ہیں اور جس طرح ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اسی طرح ہم نے قوم عاد کی طرف انکے برادری کے بھائی ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا جو باعتبار نسب اور قرابت کے ان کے بھائی تھے اور قوم نوحؑ کی طرح قوم عاد بھی بت پرستی میں مبتلا تھی۔ اور قوم نوحؑ کا انجام سن چکے تھے ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم صرف اللہ کی عبادت کرو اسکے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں مگر تم نے محض اپنے گمان سے ان بتوں کو خدا کا شریک ٹھہرالیا اور ان کو معبود بنا لیا ہے۔ نہیں ہو تم اس شرک اور بت پرستی کے خیال میں مگر نرا جھوٹ بولنے والے یعنی یہ شرک اور بت پرستی تمہاری بنائی ہوئی بات ہے جس پر کوئی دلیل نہیں اے میری قوم میں تم سے اس تبلیغ و دعوت اور مخلصانہ نصیحت پر کوئی اجرت اور معاوضہ نہیں چاہتا۔ کسی پیغمبر نے اپنی قوم سے کوئی اجرت نہیں مانگی تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ نصیحت دنیوی غرض سے پاک ہے۔ میری مزدوری تو اللہ پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا وہی مجھ کو دنیا میں روزی دیتا ہے اور وہی آخرت میں ثواب دے گا جو اس کے جود و کرم کے لائق ہے کیا تمہیں عقل نہیں کہ صادق اور کاذب اور حق اور باطل کے فرق کو سمجھ سکو۔ تم اس قدر غبی ہو کہ ایک بے غرض شخص کو جو تمہاری ہمدردی اور خیر خواہی میں تمکو فلاح دارین کی طرف بلاتا ہے اسکو تم اپنا دشمن سمجھ کر اس سے دست و گریبان بنے ہوئے ہو اے میری قوم میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنے دلوں سے کفر اور معصیت کی ظلمت دور کرنے کے

لیے اپنے پروردگار کے سامنے استغفار کرو یعنی ایمان لاؤ۔ اور کفر اور شرک سے معافی مانگو پھر اللہ کی اطاعت اور عبادت کی طرف رجوع کرو اور اس استغفار اور توبہ کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تم پر برسنے والا بادل بھیجے گا یعنی بارش برسائے گا جس سے تمہارا قحط دور ہو گا۔ قوم عاد کا ملک نہایت سرسبز اور شاداب تھا۔ کھیتی اور باغوں اور مویشی کی کثرت تھی قوم عاد نے جب ہود علیہ السلام کی دعوت کو رد کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو قحط میں مبتلا کیا اور تین سال ان سے بارش کو روک لیا۔ ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم کفر اور شرک سے توبہ کرو تو خدا تعالیٰ تم پر بارش نازل کریگا اور تمہاری شادابی کو پھر لوٹا دے گا۔ اور تم کو قوت پر قوت دے گا یعنی تمہاری موجودہ قوت میں اور اضافہ کرے گا۔ یہ لوگ بڑے قوی تھے اس لیے اور زیادہ قوت کا وعدہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مالی اور بدنی قوت بڑھا دے گا۔ اور مال اور اولاد میں برکت دے گا اور مجرم اور ہٹ دھرم بن کر پیغام الٰہی سے انحراف نہ کرو بالفرض اگر مجرم پر کوئی عذاب بھی نہ آئے تو فوائد اور منافع سے محرومی تو یقینی ہے وہ بدبخت بولے اے ہودؑ تم ہمارے پاس کوئی روشن دلیل نہیں لائے جو تمہارے دعوے کی صحت پر دلالت کرے انکا یہ کہنا صریح جھوٹ اور عناد تھا ہود علیہ السلام براہین قاطعہ اور آیات بینات لیکر آئے مگر عناد کی بناء پر ان معجزات کو شمار میں نہ لائے اور کہنے لگے کہ ہم تمہارے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور ہم تو کسی طرح تیری بات ماننے والے نہیں۔ ہم تیرے بارے میں کچھ نہیں کہتے مگر یہ کہ ہمارے بعض خداؤں نے تجھ کو کسی برائی اور خرابی میں مبتلا کر دیا ہے۔ یعنی ہمارے کسی خدا نے تجھ کو مجنون اور دیوانہ بنا دیا ہے جس سے تو خلافِ عقل باتیں کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی کی پھٹکار تجھ پر پڑ گئی ہے اس وجہ سے تو یہ بہکی بہکی باتیں کرتا ہے تیرا اس قسم کی بہکی ہوئی باتیں کرنا ہمارے بتوں کی شان میں گستاخی کی سزا ہے ہود علیہ السلام نے انکے جواب میں کہا کہ تم ان بتوں کو نفع اور ضرر دینے والا خیال کرتے ہو تحقیق میں گواہ بناتا ہوں اللہ کو اور تم بھی گواہ رہو کہ میں بری اور بیزار ہوں سوائے خُدا کے ان سے جنکو تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔ یعنی خُدا کے سوا سب سے بیزار ہوں۔ پس اگر تم ان بتوں کو نفع اور ضرر دینے والا خیال کرتے ہو تو سب مل کر میرے ہلاک کرنے کی تدبیر کر لو۔ پھر مجھ کو مہلت بھی نہ دو۔ معلوم ہو جائیگا کہ تمہارے خداؤں میں کتنی قوت اور طاقت ہے اور جب تم سب مل کر میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تو یہ پتھر کے بت میرا کیا بگاڑ سکیں گے لہذا تمہارا یہ کہنا کہ تم پر ان بتوں نے کچھ کر دیا۔ یہ خود تمہارے دیوانہ پن کی دلیل ہے ہود علیہ السّلام کا یہ کہنا بھی ایک معجزہ تھا کسی شان و شوکت والی قوم کے سامنے ایسا کلمہ منہ سے نکالنا بغیر تائیدِ خداوندی ناممکن ہے چونکہ ہود علیہ السلام کو خدائے تعالیٰ پر کامل بھروسہ تھا اس لیے فرمایا تحقیق میں نے بھروسہ کیا اللہ تعالیٰ پر جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے اس لیے میں نے اپنا کام اسی پر چھوڑ دیا تم سب اسی کے تصرف میں ہو۔ روئے زمین پر کوئی چلنے والا ایسا نہیں کہ اسکی پیشانی اسکے ہاتھ میں نہ ہو پیشانی کے بال پکڑنا یہ کمال قدرت و تصرف کی تمثیل ہے یعنی ہر چیز اس کے قبضۂ قدرت میں ہے بغیر اسکے مشیت کے کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ تحقیق میرا پروردگار سیدھے راستے پر ہے جو

اس پر بھروسہ کرتا ہے اسکو سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ پس اگر اس بیان واضح کے بعد بھی تم صراط مستقیم سے اعراض کرو تو تمہارے اس اعراض سے مجھے اپنے حق میں کوئی ڈر نہیں کیونکہ تحقیق میں نے تم کو یہ پیغام پہنچا دیا ہے جو دیکر تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں۔ میں بری الذمہ ہو گیا اور تم پر حجت پوری ہو گئی اب اگر تم حق کو نہیں مانو گے تو اللہ تمکو ہلاک کر دے گا اور تمہارا قصہ ختم کر دے گا اور میرا پروردگار دوسری قوم کو تمہاری جگہ آباد کرے گا جو تمہارے دیار اور اموال کے مالک بنیں گے۔ اور تم اس کفر اور اعراض سے خدا کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکو گے۔ اپنا ہی کچھ بگاڑو گے۔ بیشک میرا پروردگار ہر چیز پر نگہبان ہے ہر چیز اسکے حفظ اور علم میں ہے جو جس کے لائق ہو وہی اسکو پہنچتا ہے یا یہ معنی ہیں کہ وہ اپنے دوستوں کی دشمنوں سے حفاظت کرتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ حفاظت اللہ کا کام ہے اور یہ بت تو اپنی بھی حفاظت نہیں کر سکتے۔ اس ارشاد سے ایا رشاد سے اشارہ اس طرف تھا کہ اب عذاب کا وقت آپہنچا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جب ہمارا حکم عذاب آپہنچا تو ہم نے ہود علیہ السلام اور ان لوگوں کو جو ان کے ہمراہ ایمان لائے تھے باد صرصر کے عذاب سے بچا لیا اور یہ نجات دینا محض ہماری رحمت اور مہربانی کے سبب سے تھا اور وہ ایمان جو اس نجات کا ظاہری سبب بنا وہ بھی ہماری توفیق اور عنایت سے تھا لہذا کسی کو اپنے نیک عمل پر گھمنڈ نہ کرنا چاہیئے اور ہم نے انکو سخت عذاب سخت آندھی سے بچا لیا۔ قوم عاد پر آٹھ دن اور سات رات متواتر آندھی چلی جس نے انکے اعضا کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ہود علیہ السلام کے ساتھی جو اخیر میں چار ہزار تک پہنچے تھے انکو اللہ تعالیٰ نے اس عذاب سے محفوظ رکھا۔

تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ عذاب دنیوی ہو یا اخروی بغیر ایمان کے اس سے نجات نہیں ملتی اور ایمان کیا ہے؟ پیغمبر خدا کی پیروی اور اسکی کفش برداری۔

یہاں تک قوم عاد کا قصہ بیان ہوا۔ اب آگے اہل عرب کو خطاب کرتے ہیں تاکہ عبرت پکڑیں اور یہ قوم جس پر عذاب نازل ہوا قوم عاد تھی۔ اور یہ انکے اُجڑے ہوئے مکان اور انکی تباہی اور بربادی کے نشان اور کھنڈر تمہارے سامنے ہیں۔ اس قوم نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا اور اسکے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر سرکش اور عناد کرنے والے کے حکم کی پیروی کی خدا کے رسولوں کی اتباع اور پیروی کو اپنے لیے عار سمجھا اور ظالموں اور سرکشوں کی پیروی کو اپنے لیے عزت جانا۔ ان لوگوں نے اگرچہ صرف ہود علیہ السلام کا انکار کیا مگر وہ درحقیقت تمام رسولوں کا انکار تھا۔ کیونکہ تمام رسول رسالت میں باہم یکساں ہیں۔ اور توحید وغیرہ اور اصول دین میں سب متفق ہیں۔ اسی لیے ایک پیغمبر کی نافرمانی سب پیغمبروں کی نافرمانی کو مستلزم ہے۔ اور ان کے ان افعال کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی لعنت انکے پیچھے پیچھے ہوگی۔

مطلب یہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں لعنت کبھی ان سے جدا نہ ہوگی۔ پس اے اہل عرب۔ تم ان کے حال سے عبرت پکڑو۔ خبردار ہو جاؤ کہ قوم عاد نے اپنے رب کا کفر کیا۔ سن لو کہ پھٹکار ہے قوم عاد کو جو ہود کی قوم تھی۔ عاد دو قوموں کا نام ہے (اوّل) وہ کہ جن کی طرف ہود علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ یہ لوگ بُت پرست تھے اور نہایت قوی اور مہیب ڈیل ڈول کے مغرور آدمی تھے۔ اس قوم کو عاد اولیٰ کہتے ہیں۔

(دوم) وہ عاد جن کی طرف صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے اور شدّاد، مردود و مطرود۔ اور لقمانؑ مقرب و مقبول وغیرہ اسی قوم میں کے تھے اس قوم کو عاد ثانیہ کہتے ہیں۔ یہ قصہ عاد اولے کا تھا۔ اب آئندہ رکوع میں عاد ثانیہ کا بیان کرتے ہیں۔



وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ

اور ثمود کی طرف بھیجا انکا بھائی صالح۔ بولا اے قوم!

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ

بندگی کرو اللہ کی کوئی حاکم نہیں تمہارا اسکے سوا۔ اسی نے

اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ

بنایا تم کو زمین سے اور بسایا تم کو اس میں سو بخشواؤ اس سے

ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿۶۱﴾ قَالُوْا يٰصٰلِحُ

اور اسکی طرف آؤ۔ تحقیق میرا رب نزدیک ہے قبول کرنیوالا۔ بولے اے صالح!

قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ

تجھ پر ہم کو امید تھی اس سے پہلے، تو ہم کو منع کرتا ہے کہ پوجیں

مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ

جنکو پوجتے رہے ہمارے باپ دادے اور ہمکو تو شبہ ہے اسمیں جس طرف تو بلاتا

اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۶۲﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى

ہے ایسا کہ دل نہیں ٹھہرتا۔ بولا اے قوم! بھلا دیکھو تو اگر مجھ کو سوجھ مل

بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ

گئی اپنے رب سے اور اس نے مجھ کو دی مہر اپنی طرف سے پھر کون میری مدد

مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ قف فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ

کرے اللہ کے سامنے اگر اسکی بے حکمی کروں۔ سو تم کچھ نہیں بڑھاتے میرا۔ سوائے

تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا

نقصان۔ اور اے قوم! یہ اونٹنی ہے اللہ کی تم کو نشانی۔ سو چھوڑ دو اس

تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ

کو، کھاتی پھرے اللہ کی زمین میں اور نہ چھیڑو اسکو بُری طرح تو پکڑے گا تم

عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ

کو عذاب نزدیک کا۔ پھر اسکے پاؤں کاٹے، تب کہا، برت لو اپنے گھروں میں

ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ط ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾ فَلَمَّا

تین دن۔ یہ وعدہ ہے، جھوٹا نہ ہو گا۔ پھر جب

جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ

پہنچا حکم ہمارا، بچا دیا ہم نے صالح کو اور جو یقین لائے اسکے ساتھ

بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ط اِنَّ رَبَّكَ هُوَ

اپنی مہر کر کر۔ اور اس دن کی رسوائی سے۔ تحقیق تیرا رب وہی ہے

الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۶۶﴾ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ

زور آور زبردست۔ اور پکڑا ان ظالموں کو چنگھاڑ نے

فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۶۷﴾ لا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا

پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے۔ جیسے کبھی رہے نہ تھے



فِيْهَا ط اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ط اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾ ع

ان میں۔ سُن لو! ثمود منکر ہوئے اپنے رب سے۔ سُن لو! پھٹکار ہے ثمود کو۔

قصۂ صالح علیہ السلام با قوم ثمود

قال اللہ تعالیٰ وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صٰلِحًا ... اِلیٰ ... اَلَآ بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ٥

(ربط) اب یہ تیسرا قصہ حضرت صالح علیہ السلام اور انکی قوم ثمود کا ہے اور حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ کے درمیان سو برس کا فاصلہ ہے۔ حضرت ہودؑ کی امت کو عادِ اولیٰ کہتے ہیں اور حضرت صالحؑ کی امت کو عادِ ثانیہ کہتے ہیں۔ جسکا نام ثمود ہے اور حجر میں جو شام اور مدینہ منورہ کے درمیان ہے رہا کرتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور قوم ثمود کی طرف ہم نے انکے نسبی اور خاندانی بھائی صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ صالحؑ کو انکا بھائی اس لحاظ سے کہا کہ وہ اسی خاندان اور قبیلہ کے ایک فرد تھے۔ قرابت[لہ] نسبی کے اعتبار سے انکو بھائی کہا انہوں نے اپنی قوم سے یہ فرمایا اے میری قوم تم صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اسکے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں اسی نے تمکو زمین سے پیدا کیا۔ کیونکہ آدم علیہ السلام کا جسم زمین سے بنایا پھر آدمؑ سے سب آدمی پیدا ہوئے اس لفظ سے حق تعالےٰ کی کمال قدرت کو بیان فرمایا اور اس لفظ میں اجمالی اشارہ اس طرف تھا کہ جس طرح ایک انسان کا مٹی سے پیدا ہونا ممکن ہے اسی طرح ایک حیوان (یعنی ناقہ) کا ایک پتھر سے پیدا ہونا بھی ممکن ہے اور زمین سے پیدا کرنے کے بعد تمکو زمین میں آباد کیا یا یہ معنی ہیں کہ تمہاری عمریں دراز کیں حاصل یہ کہ حق تعالےٰ نے کمال قدرت سے تم کو وجود عطا فرمایا اور تمہاری حیات اور بقار کا سامان پیدا کیا پس اس منعم حقیقی سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرو یعنی ایمان لاؤ پھر ہمہ تن اسکی طرف متوجہ ہو جاؤ تحقیق میرا پروردگار اہل توبہ اور اہل استغفار سے قریب ہے اور انکی توبہ و استغفار کا قبول کرنے والا ہے۔ قوم کے لوگ بولے اے صالح! تو اس دعوائے نبوت اور دعوائے توحید سے پہلے ہونہار معلوم ہوتا تھا۔ امید لگایا گیا تھا یعنی تیری فراست اور متانت کو دیکھ کر یہ امیدیں لگی ہوئی تھیں کہ تو قوم کا ماویٰ اور ملجا بنے گا مگر تیری ان باتوں نے ہماری اُمیدوں پر پانی پھیر دیا تو نے ہمارے آباؤ اجداد کے قدیم مذہب کے خلاف علم جہاد بلند کر دیا۔ شاہ صاحبؒ موضح القرآن میں لکھتے ہیں "یعنی ہونہار لگتا تھا کہ باپ دادا کی راہ روشن کریگا، تو لگا مٹانے"۔ بھلا اے صالح! تو ہم کو ان چیزوں کی پرستش سے منع کرتا ہے جن کی ہمارے آباؤ اجداد پرستش کیا کرتے تھے۔ کیا تیرا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے قدیم اور

لہ معاذ اللہ یہ مطلب نہیں کہ حضرت صالح علیہ السلام قوم ثمود کے قومی اور وطنی بھائی تھے۔ اور قومیت متحدہ کے قائل تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضرت صالحؑ کی بعثت اس خاص قوم کی طرف تھی۔ اور وہ اسی قبیلہ کے تھے انکو توحید کی دعوت دینے کے لیے مبعوث کیا۔ جو ان پر ایمان لایا اس نے فلاح پائی اور جو ان پر ایمان نہیں لایا وہ عذاب الٰہی سے تباہ و برباد ہوا۔ منہ عفا اللہ عنہ ۱۲

آبائی مذہب کو چھوڑ دیں اور جس دین کی طرف تو ہم کو بلاتا ہے تحقیق ہم اسکے بارے میں بڑے شک میں پڑ گئے ہیں۔ جس نے ہمکو تردد اور اضطراب میں رکھا ہے۔ سُبْحَانَ اللہ توحید میں تو اضطراب اور خلجان لاحق ہو گیا اور شرک اور بت پرستی میں سکون اور اطمینان حاصل ہو گیا۔ یہی حال ہے اہل دنیا کا کہ باطل اور گمراہی میں تو ان کو اطمینان ہوتا ہے اور حق و ہدایت میں انکو بے چینی اور بے اطمینانی ہوتی ہے ایسوں کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ صالح علیہ السلام نے انکے جواب میں کہا اے قوم! بتلاؤ تو سہی کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشن اور واضح حجت پر ہوں اور خدا نے مجھ کو اپنی طرف سے رحمت یعنی نبوت عطا کی ہو تو میں خدا تعالے کے روشن دلائل کو چھوڑ کر تمہارے شکوک اور اوہام کا پیرو کیسے ہو سکتا ہوں۔ پس اگر اس حالت میں خدا کی نافرمانی کروں اور تبلیغ احکام میں کوتاہی کروں تو بتاؤ کون ہے کہ جو اللہ کے مقابلہ میں میری مدد کرے گا اور عذاب الہی سے مجھ کو بچائیگا۔ بلا شبہ اللہ تعالے کی معصیت خسران مبین ہے پس تم نافرمانی کا مشورہ دیکر سوائے خسارہ اور نقصان کے میرے حق میں کوئی زیادتی نہیں کرتے۔ اس بحث اور مجادلہ کے بعد قوم نے صالح علیہ السلام سے ثبوت رسالت کے لیے معجزہ طلب کیا کہ پہاڑ کے پتھر سے اونٹنی نکال کر دکھائیں حضرت صالحؑ نے خدا تعالے سے دعا کی۔ خدا تعالے کے حکم سے پتھر میں سے اونٹنی پیدا ہوئی۔ جیسا کہ مفصل قصہ سورۂ اعراف میں گزر چکا اور جب وہ ناقہ پتھر سے نکلی تو صالح علیہ السلام نے اونٹنی کے بارے میں نصیحت شروع کی اور فرمایا اے میری قوم یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے نبوت کی نشانی ہے کہ دفعۃً پتھر سے نمودار ہوئی ہے اور بغیر کسی نر کے حاملہ ہے اور بغیر پیدائش کے پتھر سے نکلی ہے اور بے شمار دودھ دیتی ہے یہ خدا کی قدرت کی نشانی ہے اور میری نبوت و رسالت کی بھی نشانی ہے کہ تمہاری فرمائش کے مطابق میری صداقت ظاہر کرنے کے لیے بحکم خداوندی بلا سبب ظاہری کے یکدم پتھر سے نکلی ہے یہ میری نبوت کا معجزہ ہے۔ (تفسیر کبیر صفحہ ۲۷ ج ۵)

غرض یہ کہ یہ اونٹنی اس وقت میری نبوت کی نشانی ہے۔ اور یہی اونٹنی آئندہ چل کر تمہاری ہلاکت اور عذاب کا پیش خیمہ ہے گی اور چونکہ یہ اونٹنی خاص طور پر منجانب اللہ بطور خرق عادت پیدا ہوئی ہے اس لیے اس ناقۃ اللہ کے کچھ حقوق ہیں پس تم اللہ کی اونٹنی کو کھلا چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں جہاں چاہے چرتی اور کھاتی پھرے اور اسی طرح پانی کے بارے میں جتنا چاہے پانی پیئے۔ اللہ کی اونٹنی کا حق سب پر مقدم ہے وہ اللہ کی اونٹنی ہے اللہ کی زمین سے کھائے گی تم پر اس کا دانہ اور چارہ نہیں وہ اونٹنی اس قدر فربہ اور دراز تھی کہ دوسرے جانور اس کی صورت دیکھ کر بھاگ جاتے تھے لہذا اے میری قوم تم اس اونٹنی کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور برائی کے ارادہ سے اسکو ہاتھ بھی نہ لگاؤ کیونکہ یہ ناقۃ اللہ تعالے کی طرف منسوب ہے۔ ورنہ پھر تم کو فوری عذاب آپکڑے گا۔ یعنی اگر تم نے اس ناقہ کو پکڑا تو تم پر فوری عذاب نازل ہو گا۔ اور تم کو مہلت نہ ملے گی۔ سو انہوں نے باوجود اس نصیحت اور موعظت بلیغہ کے اس اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے تو صالح علیہ السلام نے فرمایا اچھا تین دن اپنے گھروں میں آرام و راحت کے گزار لو یعنی بدھ اور

جمعرات اور جمعہ اور گزار لو۔ اسکے بعد شنبہ کے روز تم پر عذاب آئیگا۔ یہ خدا کی طرف سے وعدہ ہے جس میں جھوٹ کا کوئی شائبہ نہیں تین دن کے بعد تم غارت ہو جاؤ گے۔ چنانچہ بدھ کے دن انکے چہرے زرد ہوگئے۔ اور جمعرات کو سرخ اور جمعہ کے روز سیاہ اور ہفتہ کے دن عذاب نازل ہوا پس حسب وعدہ تین دن گزرنے کے بعد جب ہمارے عذاب کا حکم آپہنچا تو ہم نے صالح علیہ السلام کو اور ان لوگوں کو جو انکے ساتھ ایمان لائے تھے اپنے فضل اور رحمت سے انکو عذاب سے بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے بھی بچا لیا۔ بیشک تیرا پروردگار توانا اور غالب ہے ایسے دوستوں کو عزت دیتا ہے اور دشمنوں کو ذلیل و خوار کرتا ہے اور جو لوگ ظالم تھے انکو ایک چنگھاڑ نے آپکڑا۔ سو وہ صبح کو اپنے گھٹنوں پر بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے یعنی سب کے سب ایک چنگھاڑ سے مر گئے گویا وہ ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔

تین دن کے بعد جبریلؑ نے ایک چیخ ماری جس سے سب کا دم نکل گیا چیخ سے دل پھٹ گئے اور گھٹنوں کے بل مرے رہ گئے۔ آگاہ ہو جاؤ کہ قوم ثمود نے اپنے پروردگار کا کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرح ہلاک کیا۔ آگاہ ہو جاؤ اور خوب سن لو کہ کفر کا خمیازہ ایسا ہوتا ہے کہ قوم ثمود اللہ کی رحمت سے دور پھینک دی گئی۔ اور ایسی ہلاک اور برباد ہوئی کہ نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ یہ قصہ سورۂ اعراف میں بھی گزر چکا ہے وہاں ان کا عذاب رجفہ یعنی زلزلہ بیان کیا گیا ہے۔ وجہ تطبیق وہاں گزر چکی ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ

اور آچکے ہیں ہمارے بھیجے ابراہیم پاس خوشخبری لیکر بولے سلام

قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا

وہ بولا سلام ہے پھر دیر نہ کی کہ لے آیا ایک بچھڑا تلا ہوا۔ پھر جب

رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ

دیکھا، ان کے ہاتھ نہیں آتے کھانے پر اوپری سمجھا اور دل میں ان سے

خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۰﴾

ڈرا۔ وہ بولے مت ڈر ہم بھیجے آئے ہیں طرف قوم لوط کے۔

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَ

اور اسکی عورت کھڑی تھی تب وہ ہنس پڑی پھر ہم نے خوشخبری دی اسکو اسحٰق کی اور

مِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿٧١﴾ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ

اسحٰق کے پیچھے یعقوب کی۔ بولی اے خرابی ! کیا میں جنوں گی؟

وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ

اور میں بڑھیا ہوں اور یہ خاوند میرا ہے بوڑھا۔ یہ تو ایک عجیب چیز

عَجِيْبٌ ﴿٧٢﴾ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ

ہے۔ وہ بولے کیا تعجب کرتی ہے اللہ کے حکم سے؟ اللہ کی مہر ہے

وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿٧٣﴾

اور برکتیں تم پر، اے گھر والو ! وہ ہے سراہا بڑائیوں والا۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَاۗءَتْهُ الْبُشْرٰى

پھر جب گیا ابراہیم سے ڈر اور آئی اس کو خوشخبری

يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿٧٤﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ

جھگڑنے لگا ہم سے قوم لوط کے حق میں۔ البتہ ابراہیم تحمل والا نرم دل

مُّنِيْبٌ ﴿٧٥﴾ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ

تھا رجوع رہنے والا۔ اے ابراہیم چھوڑ یہ خیال۔ وہ تو آ چکا

جَاۗءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿٧٦﴾

حکم تیرے رب کا۔ اور ان پر آتا ہے عذاب جو پھیرا نہیں جاتا۔

قصۂ ابراہیم علیہ السّلام مشتمل بر بشارت ملائکہ کرام بولادت اسحٰق علیہ السّلام

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ جَاۗءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ... الیٰ ... عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ

(ربط) اب ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہیں جس میں فرشتوں کی تولدِ فرزند کی بشارت کا

ذکر ہے کہ تمہارے یہاں ایک بیٹا ہو گا جسکا نام اسحاقؑ ہو گا پھر اس بیٹے کے ایک بیٹا ہو گا جس کا نام یعقوبؑ ہو گا۔ اس بشارت کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس برس کی تھی اور حضرت سارہؓ کی عمر نوے یا ننانوے سال کی تھی حضرت ہاجرہؓ سے حضرت اسمٰعیلؑ علیہ السلام پہلے پیدا ہو چکے تھے۔ سارہؓ کو تمنا تھی کہ ان کے بھی کوئی بیٹا ہو لیکن کبر سنی کی وجہ سے ناامید ہو چکی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی زبانی یہ بشارت بھیجی۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ بشارت دینے کے لیے تین فرشتے آئے تھے۔ جبرائیل اور میکائیلؑ اور اسرافیل علیہم السلام اور بعض کہتے ہیں کہ آٹھ یا نو فرشتے آئے تھے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی صفحہ ۶۲ ج ۹ و زاد المسیر لابن الجوزیؒ صفحہ ۱۲۷ ج ۴)

الغرض یہ قصہ من جملہ قصص مذکور کا چوتھا قصہ ہے جو لوط علیہ السلام کے قصہ کی تمہید ہے اسی وجہ سے ماقبل کی طرح اَرْسَلْنَآ اِبْرٰهِيْمَ الیٰ کذا۔ نہیں فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں اور جب ہمارے وہ فرشتے جنکو ہم نے قوم لوط پر عذاب کے لیے بھیجا تھا۔ پہلے ابراہیم علیہ السلام کے پاس بیٹے اور پوتے کے پیدا ہونے کی بشارت لیکر آئے تو بولے کہ ہم تم کو سلام کرتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا وعلیکم السلام چونکہ یہ فرشتے خوبصورت آدمیوں کی شکل میں تھے اس لیے ابراہیم علیہ السلام ان کو مہمان سمجھے اور خوش ہو کر ضیافت کا سامان کیا۔ پس ابراہیم علیہ السلام نے دیر نہ کی کہ انکے کھانے کے لیے ایک بھنا ہوا موٹا تازہ بچھڑا لے آئے جس سے چربی ٹپکتی تھی۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ ان کا اکثر مال یہی گائیں تھیں آپ بڑے مہمان نواز تھے۔ پندرہ روز کے انتظار کے بعد یہ مہمان آئے تو بہت خوش ہوئے اور ان کے لیے کھانا لائے مگر وہ مہمان اور ہی قسم کے تھے وہ کس طرح کھا سکتے تھے۔ پس جب ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ انکے ہاتھ اس بچھڑے کے کھانے کی طرف نہیں بڑھتے تو اسکو اوپرا جانا اور دل میں ان کی طرف سے خوف زدہ ہوئے۔ کہ یہ کون لوگ ہیں اور کیوں آئے ہیں اگر مہمان ہیں تو کھانا کیوں نہیں کھاتے۔ حضرت شاہ عبد القادرؒ خوف کی توجیہ میں یہ فرماتے ہیں کہ "فرشتے عذاب الٰہی کو لیکر قوم لوط کی طرف جا رہے تھے اور اس وقت یہ فرشتے خدا کی شان غضب اور انتقام کے مظہر تھے اس کا طبعی اثر یہ ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ کے قلب پر خوف کی ایک کیفیت طاری ہو گئی بعد ازاں ابراہیم علیہ السلام نے اپنا خوف ان پر ظاہر کیا۔ کما قال تعالیٰ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ۔ تو بولے تم ڈرو مت ہم آدمی نہیں فرشتے ہیں" ہم تو قوم لوط کی طرف عذاب دیکر بھیجے گئے ہیں اور راستے میں آپکو بشارت دینے کے لیے اتر گئے ہیں۔ اور حضرت ابراہیمؑ کی بیوی حضرت سارہؓ کہیں کھڑی سن رہی تھیں۔ پس وہ ہنس پڑیں۔ آیت میں ہنسنے کی وجہ مذکور نہیں۔ بعض کہتے ہیں انکا ہنسنا تعجب کی بنا پر تھا کہ عجب بات ہے کہ اتنے دنوں کے بعد تو مہمان ملے جنکی ضیافت کا سامان کیا پھر وہ فرشتے نکلے۔ یا اس بات پر تعجب ہوا کہ فرشتے آدمی کی صورت میں مہمان بن کر آئے کیا بات ہے یا اس بات پر تعجب ہوا کہ اس قدر خدم اور حشم ہوتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام تین چار آدمیوں سے ڈر گئے۔ یا قوم لوط کی ہلاکت کی خبر سن کر خوش ہوئیں کہ یہ خبیثین اور مفسدین کا گروہ اب ہلاک ہو گا۔ اس قوم نے عورتوں کو خراب کیا اور لڑکوں کو

بے حیا اور بدکار بنایا اس لیے ان کا عذاب سُن کر خوش ہوئیں اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب فرشتوں نے یہ خبر سنائی کہ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے میں سارہؑ کے بطن سے بیٹا عطا کرنے والا ہے تو یہ خبر سُن کر حضرت سارہؑ ہنس پڑیں۔ پس ہم نے فرشتوں کی زبانی سارہ کو ایک فرزند کے پیدا ہونے کی بشارت دی جو اسحق نام کے ساتھ موسوم ہو گا اور اسحق کے علاوہ یعقوب کی بھی بشارت دی یعنی ایک بشارت تو یہ دی کہ اس سن میں تمہارے ایک لڑکا پیدا ہو گا جسکا نام اسحقؑ ہے پھر دوسری بشارت یہ دی کہ تمہارے پوتا بھی ہو گا جسکا نام یعقوبؑ ہے مطلب یہ ہے کہ بیٹے کے بعد پوتا بھی دیکھو گی۔ اشارہ اس طرف تھا کہ وہ بیٹا زندہ رہے گا۔ اور وہ بیٹا بھی صاحب اولاد ہو گا۔ جس سے تمہاری نسل چلے گی۔ سارہؑ بولی ہائے میری کمبختی کیا میں اب بچہ جنوں گی۔ حالانکہ میں بوڑھی ہوں اس وقت میری عمر ننانوے سال کی ہے اور میرا خاوند ہے بہت بوڑھا جس کی عمر اس وقت ایک سو بیس برس کی ہے۔ حضرت سارہؑ کو یہ بشارت اس لیے سنائی گئی کہ حضرت ابراہیمؑ کے ایک بیٹا اسمٰعیل علیہ السلام حضرت ہاجرہؑ کے بطن سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ حضرت سارہؑ کو تمنا تھی کہ مجھے بھی بیٹا ملے۔ لیکن فرزند نہ عطا ہوا۔ یہاں تک کہ جب بڑھیا ہو گئیں اور مایوس ہو گئیں اس وقت یہ بشارت دی گئی تو تعجب میں پڑ گئیں اور کہنے لگیں تحقیق یہ بات تو بہت ہی عجیب ہے کبھی دیکھنے اور سُننے میں نہیں آئی۔ فرشتوں نے حضرت سارہؑ سے کہا۔ کیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے تعجب کرتی ہے۔ تعجب کی کیا بات ہے خُدا ہر امر پر قادر ہے خُدا کی صنعت کے لیے کسی آلہ کی اور اسکے فضل کے لیے کسی علت کی ضرورت نہیں۔ دو بوڑھوں سے لڑکا پیدا کرنا کوئی عجیب نہیں اس کی قدرت کے سامنے بوڑھا اور جوان سب برابر ہے اے ابراہیم کے گھر والو! تم پر دن رات کی رحمتیں اور برکتیں برس رہی ہیں صبح و شام معجزات و کرامات اور خوارق عادات کا مشاہدہ کرتے رہتے ہو تمہارا یہ تعجب بھی عجیب ہے تمہارے حق میں یہ بشارت قابلِ تعجب نہیں بلکہ تمہارا تعجب قابلِ تعجب ہے بیشک اللہ تعالیٰ قابلِ تعریف ہے اور بزرگی والا ہے اسکے جود و کرم سے کوئی شئے عجیب نہیں۔ تم بجائے تعجب کے اس کے حمد و شکر میں مشغول ہو جاؤ۔

لطائف و معارف

۱۔ بعض علماء نے وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ۔ کے لفظ سے استدلال کیا ہے کہ حضرت اسحق علیہ السلام ذبیح نہ تھے بلکہ حضرت اسمٰعیلؑ ذبیح تھے۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر)

۲۔ یہ آیت اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ زوجۂ رجل بھی اسکے اہلبیت میں سے ہے اس لیے کہ اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ۔ یہ خطاب حضرت سارہؑ کو ہے جو حضرت ابراہیمؑ کی زوجہ محترمہ تھیں اس طرح حق تعالیٰ کے اس ارشاد

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا کو سمجھو کہ یہ خطاب دراصل ازواج مطہرات کو ہے اس لیے کہ اوپر سے تمام سلسلۂ کلام۔ نسار نبی کریمؐ یعنی ازواجِ مطہرات کے بارے میں چلا آرہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بمقتضائے شفقت دیگر اہل خانہ کو بھی کمبل اُڑھا کر اس دعا میں شامل فرمالیا۔ اور جس طرح اس آیت میں اہل بیت کے لیے جمع مذکر کا صیغہ رحمۃ اللہ و برکاتہ علیکم۔ واحد مؤنث کے لیے بطور تعظیم و تکریم استعمال کیا گیا۔ اسی طرح آیت تطہیر میں بھی خطاب جمع مذکر کے صیغے بجمع مؤنث کے لیے بطور تعظیم و تکریم استعمال کیے گئے۔

۳۔ بعض علمار نے لکھا ہے کہ نمازوں میں جو درود شریف پڑھا جاتا ہے۔ اس کے الفاظ اسی آیت سے ماخوذ اور مقتبس ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حلم اور ترحّم

اب آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حلم اور ترحم کو بیان کرتے ہیں۔ پس جب ابراہیم علیہ السلام سے وہ خوف جاتا رہا جو فرشتوں کی طرف سے پیدا ہوا تھا اور ان کے پاس بیٹے اور پوتے کی پیدا ہونے کی خوشخبری پہنچ گئی۔ تو ادھر سے بے فکر ہو کر دوسری طرف متوجہ ہوتے اور ہم سے قوم لوط کے بارے میں بحث شروع کردی جس کی تفصیل دوسری آیت میں ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا فرشتوں سے مجادلہ یہ تھا کہ جب فرشتوں نے کہا کہ ہم قوم لوط کے ہلاک کرنے کے لیے آئے ہیں تو حضرت ابراہیمؑ نے کہا اس بستی میں تو لوطؑ بھی ہے تم اس بستی کو کیسے ہلاک کرسکتے ہو۔ فرشتوں نے کہا کہ ہم سوائے انکی بیوی کے انکو اور ان کے گھر والوں کو بچالیں گے۔ بیشک ابراہیم بڑے بردبار اور نرم دل اور خدا کی طرف بڑے رجوع کرنے والے تھے چونکہ حضرت ابراہیمؑ بڑے نرم دل اور حلیم اور بردبار تھے۔ اس لیے خطاکاروں پر عقوبت میں جلدی نہیں چاہتے تھے مطلب یہ ہے کہ ابراہیمؑ کی طبعی فرط رحمت اور زیادتی شفقت اس اصرار اور مجادلہ کا باعث بنی۔ خداترس بندوں کے دل بہت نرم ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ یہ چاہتے تھے کہ عذاب میں تاخیر ہوجائے شاید یہ لوگ ایمان لے آئیں اور اپنے گناہوں سے توبہ کرلیں۔ لیکن آخر کار ملائکہؑ نے انکو حکمِ قضا و قدر سے آگاہ کردیا اور کہا کہ اے ابراہیمؑ آپ اس بحث کو چھوڑ دیجئے۔ یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں۔ تحقیق تیرے پروردگار کا حکم ان کے بارے میں آپہنچا ہے۔ اب وہ کسی طرح ٹل نہیں سکتا اور تحقیق ان پر ایسا عذاب آنے والا ہے جو اُن سے ہٹایا نہیں جائیگا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی فطری رحم دلی کی بنا پر یہ عذاب کی تاخیر کے بارے میں جو اصرار اور الحاح فرمایا اسکو حق تعالےٰ نے بطور مبالغہ لفظ یُجَادِلُنَا سے تعبیر فرمایا۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ یہ لوگ شفقت و رحمت کے محل نہیں رہے آپ اس خیال کو دل سے نکال دیجئے۔ اُنکے جرم کا پیمانہ لبریز ہوچکا ہے اور ان کے متعلق عذاب کا حکم جاری ہوچکا ہے جو کسی طرح واپس نہیں ہوسکتا

البتہ جو اہل ایمان ہیں اوّل انکو علیحدہ کر دیا جائیگا اسکے بعد عذاب نازل ہوگا تاکہ اہل ایمان کو گزند نہ پہنچے۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ
اور جب پہنچے ہمارے بھیجے لوط پاس، خفا ہوا ان کے آنے سے اور رُک
ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ﴿٧٧﴾ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ
گیا جی میں اور بولا آج دن بڑا سخت ہے۔ اور آئی اس پاس قوم اسکی
يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ ۖ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّاٰتِ ۚ
دوڑتی بے اختیار۔ اور آگے سے کر رہے تھے بُرے کام۔
قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا
بولا اے قوم! یہ میری بیٹیاں ہیں حاضر ہیں یہ پاک ہیں تمکو ان سے۔ سو ڈرو
اللّٰهَ وَلَا تُخْزُونِ فِي ضَيْفِي ۖ أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ
تم اللہ سے اور مت رسوا کرو مجھ کو میرے مہمانوں میں کیا تم میں ایک مرد بھی نہیں
رَّشِيدٌ ﴿٧٨﴾ قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِي بَنٰتِكَ مِنْ
نیک راہ۔ بولے تو تو جان چکا ہے، ہم کو تیری بیٹیوں سے دعوای
حَقٍّ ۚ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ ﴿٧٩﴾ قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ
نہیں۔ اور تجھ کو تو معلوم ہے جو ہم چاہتے ہیں کہنے لگا کہیں سے مجھ کو تمہارے سامنے
قُوَّةً أَوْ اٰوِيٓ إِلٰى رُكْنٍ شَدِيدٍ ﴿٨٠﴾ قَالُوا يٰلُوطُ إِنَّا
زور ہوتا، یا جا بیٹھتا کسی محکم آسرے میں۔ (مہمان) بولے اے لوط! ہم
رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوٓا إِلَيْكَ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ
بھیجے ہیں تیرے رب کے ہرگز نہ پہنچ سکیں گے تجھ تک۔ سو لے نکل اپنے

مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ

گھر والوں کو کچھ رات سے، اور مڑ کر نہ دیکھے تم میں کوئی مگر تیری عورت۔ یوں

اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ

ہی ہے کہ اس پر پڑنا ہے جو ان پر پڑیگا انکے وعدے کا وقت ہے صبح

اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿۸۱﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا

کیا صبح نہیں نزدیک۔ پھر جب پہنچا حکم ہمارا، کر ڈالی ہم

عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ

نے وہ بستی اوپر نیچے اور برسائیں اس پر پتھریاں کھنگر کی۔

مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ

تہ بتہ۔ صاف بنائیں تیرے رب کے پاس اور نہیں وہ بستی

الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾ ع

اُن ظالموں سے کچھ دور۔

ع ۱۵

قصۂ لوط علیہ السلام وقوم او کہ تتمۂ قصۂ سابقہ است

قال اللہ تعالیٰ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ .. الیٰ .. وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ

(ربط) گزشتہ قصہ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا اب اسکے بعد لوط علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور اہل سدوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ یہ بستی حمص کے قریب تھی اور اسکے پاس اور بھی کچھ گاؤں تھے جنکی مجموعی آبادی تقریباً چار لاکھ تھی سوائے اہل ایمان کے سب ہلاک ہو گئے۔ یہ قصہ پہلے قصہ کا تتمہ ہے یا یوں کہو کہ پہلا قصہ اس قصہ کی تمہید تھا۔ اور اصل مقصود قوم لوط کی ہلاکت کا قصہ بیان کرنا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے فارغ ہو کر لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو لوط علیہ السلام ان کے آنے سے رنجیدہ اور تنگ دل

ہوئے کیونکہ وہ فرشتے حسین بے ریش لڑکوں کی شکل میں تھے لوط علیہ السلام انکو مہمان سمجھے اور چونکہ لوط علیہ السلام کو اپنی قوم کے ناشائستہ افعال کا علم تھا کہ یہ لوگ خلاف فطرت فواحش کے عادی اور خوگر ہیں اس لیے وہ اس قسم کے مہمانوں کی آمد سے گھبرائے اور تنگ دل ہوئے اور کڑھے کہ میں ان بدکردار اور خبیث طینت والوں سے اپنے مہمانوں کی حفاظت کیسے کروں گا۔ اور اس قدر تنگ دل ہوئے کہ اپنی تنگ دلی کو چھپا نہ سکے۔ اور زبان سے کہنے لگے کہ یہ دن تو بڑا کٹھن ہے۔ فرشتوں نے حضرت لوطؑ کی اس پریشانی کو دیکھ لیا مگر ابھی تک ان پر ظاہر نہ کیا تھا کہ ہم دراصل فرشتے ہیں اور اس ناہنجار اور بدکردار اور بداطوار قوم کو ہلاک کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں اور لوط علیہ السلام انکو اپنا مہمان سمجھتے رہے اور پریشان رہے کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے اور انکی قوم نے جب یہ خبر سنی کہ لوط علیہ السلام کے یہاں ایسے خوب صورت لڑکے مہمان آئے ہیں کہ اب تک ان سے زیادہ خوبصورت دیکھنے میں نہیں آئے تو یہ بداطوار قوم لوط علیہ السلام کی طرف دوڑی ہوئی آئی اور اس سے پہلے یہ لوگ بدفعلیاں کیا کرتے تھے لواطت اور اغلام اس قوم کی طینت اور عادت بن چکی تھی اور حیاء اور شرم ان سے نکل چکی تھی۔ لوط علیہ السلام نے کہا اے میری قوم! یہ ہیں میری بیٹیاں یعنی یہ میری قوم کی بیٹیاں موجود ہیں۔ ان سے نکاح کر لو۔ یہ تمہارے لیے پاک ہیں نکاح پاک فعل ہے اور اغلام اور لواطت ناپاک اور گندہ فعل ہے۔ بیٹیوں سے قوم کی لڑکیاں مراد ہیں اس لیے کہ نبی امت کا باپ ہوتا ہے۔ اس لیے قوم کی لڑکیوں کو اپنی بیٹیاں کہا۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور اس بُری خصلت سے باز آجاؤ اور میرے مہمانوں میں مجھے رسوا نہ کرو۔ یہ لڑکے میرے مہمان ہیں تم انکی بدکاری کی طرف ہاتھ نہ بڑھاؤ اس میں میری سخت رسوائی ہے کیا تم میں کوئی بھلا مانس شخص نہیں ہے جس میں کچھ بھی غیرت اور حیاء کا مادہ ہو وہ بولے اے لوط! تجھے تو خوب معلوم ہے کہ ہمیں تیری بیٹیوں میں کوئی خواہش اور حاجت نہیں اور تحقیق تو خوب جانتا ہے جو ہم چاہتے ہیں۔ یعنی ہمارا لڑکوں کی طرف راغب ہونا بخوبی معلوم ہے۔ پس عورتوں کو ہم پر پیش کرنا فضول ہے۔ لوط علیہ السلام نے انکے جواب میں کہا۔ کاش مجھ میں تمہارے مقابلہ کی قوت ہوتی تو میں خود تمکو دور کر دیتا۔ یا کوئی مضبوط قبیلہ اور کنبہ میرا ماویٰ اور ملجا ہوتا تو اسکی مدد سے تمکو دور کرتا کہ میرے مہمانوں پر زیادتی کر کے مجھے فضیحت نہ کرنے پاتے اور یہ قوم لوط علیہ السلام کی قرابت دار نہ تھی کیونکہ لوط علیہ السلام پہلے عراق میں اپنے چچا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تھے جب وہاں سے شام آئے تو اللہ تعالیٰ نے انکو مؤتفکات پر پیغمبر کیا اور یہ چند بستیاں تھیں جن میں بڑی بستی سدوم تھی اور کل آبادی چار لاکھ کے قریب تھی اس لیے لوط علیہ السلام نے تمنا کی کہ کاش اس وقت میرے کنبہ والے باقوت و شوکت ہوتے تو تم مجھ پر ظلم نہ کر سکتے۔ غرض یہ کہ خوبصورت مہمانوں کی خبر سن کر اوباشوں نے ہجوم کیا۔ لوط علیہ السلام نے اندر سے دروازہ بند کر دیا۔ اور اندر ہی سے لوگوں کے ساتھ گفتگو کرتے رہے ان لوگوں نے چاہا کہ دروازہ توڑ ڈالیں اور اندر گھس آئیں تو لوط علیہ السلام نہایت مضطرب ہوئے۔ ملائکہؑ نے جب ان کے اضطراب کو دیکھا اور یہ دیکھا کہ قوم کے لوگ ان پر چڑھ آئے ہیں اور انکی مدافعت سے عاجز ہیں تب انکو خبر دی کہ ہم

فرشتے ہیں پھر یہ خوشخبری سنائی کہ یہ لوگ تجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

تو وہ فرشتے بولے اے لوط تم گھبراؤ نہیں ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں ان پر عذاب نازل کرنے کے لیے آئے ہیں تم اپنا دل قوی رکھو۔ یہ لوگ ہرگز تجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ جبرئیل[1] علیہ السلام نے لوط علیہ السلام سے کہا دروازہ کھول دو۔ لوط علیہ السلام نے دروازہ کھول دیا۔ جبریل علیہ السلام باہر برآمد ہوئے اور انکے منہ پر اپنا پَر مارا جس سے اُنکی آنکھیں پھوٹ گئیں اور سب اندھے ہو گئے اور یہ کہتے ہوئے بھاگے کہ لوطؑ کے مہمان جادوگر ہیں۔ بعد ازاں جبرئیلؑ نے لوط علیہ السلام سے کہا کہ تورات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو اپنے ساتھ لیکر راتوں رات یہاں سے نکل جا اور تم میں سے کوئی پیچھے مُڑ کر نہ دیکھے مگر تیری بیوی جو کافرہ ہے اس سے نہیں رہا جائیگا وہ پیچھے مڑ کر ضرور دیکھے گی اور ہلاک ہو گی۔ بلاشبہ اس عورت کو بھی وہی عذاب پہنچے گا جو اس قوم کو پہنچنے والا ہے یہ حال سُن کر لوط علیہ السلام کا اضطراب رفع ہوا اور فرشتوں سے پوچھا کہ کب عذاب آئیگا۔ فرشتوں نے کہا تحقیق انکے عذاب اور ہلاکت کے وعدہ کا وقت اس رات کی صبح ہے لوط علیہ السلام نے کہا کہ ابھی تو صبح میں دیر ہے۔ جبریلؑ نے کہا کیا صبح نزدیک نہیں ہے یہ رات بھر کی تاخیر اس لیے کی گئی ہے تاکہ لوط علیہ السلام اطمینان کے ساتھ اس بستی سے نکل جائیں۔ ہلاکت کے لیے آخر شب کا وقت اس لیے مقرر کیا گیا کہ وہ وقت سکون اور اطمینان کا ہے سب لوگ اپنے گھروں میں جمع ہوتے ہیں اور اپنے کاموں کے لیے متفرق نہیں ہوتے۔ پس جب ہمارا حکم عذاب آپہنچا تو ہم نے اس بستی کو الٹ کر اس کی اوپر کی جانب کو نیچے کر دیا اور نچلی جانب کو اوپر کر دیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے ان بستیوں کو جُدا کر کے مثل تختہ کے اپنے بازو پر اٹھا لیا۔ اور آسمان کی طرف اونچا لے گئے اور وہاں جاکر انہیں پلٹ دیا اونچے کو نیچا اور نیچے کو اونچا کر دیا۔

غرض یہ کہ جبرئیل امینؑ جنکی صفت قرآن میں شدید القویٰ آئی ہے وہ ان بستیوں کو اٹھا کر آسمان کی طرف لے گئے اور پھر انکو اوپر سے نیچے پٹک دیا پھر اُن پر کھنگر یعنی جھانوے برسائے (جھانوہ اس اینٹ کو کہتے ہیں جو پزاوہ کی آگ سے پک کر سیاہ پتھر کی مانند ہو جائے) اور ایسے پتھر برسائے جو ایک کے بعد ایک متواتر گرتے تھے۔ یعنی پے در پے برس رہے تھے وہ پتھر ایسے تھے کہ خُدا کے یہاں سے نشان لگے ہوئے تھے۔ ہر پتھر پر مہر یا نشان اور علامت تھی کہ اس پتھر کے لگنے سے فلاں کافر ہلاک ہو گا۔ یا ہر پتھر پر من جانب اللہ اس کافر کا نام لکھا ہوا تھا جس پر یہ پتھر گرے گا۔ وہ پتھر دنیا کے پتھروں سے بالکل جُدا اور ممتاز تھے (دیکھو تفسیر قرطبی ص۸۳ ج ۹ وتفسیر ابن کثیر ص۴۵۵ ج ۲ وتفسیر زاد المسیر ص۱۴۶)

اور اہل مکہ کو چاہیئے کہ اس قصہ سے عبرت پکڑیں کیونکہ قوم لوط کی یہ بستیاں مکہ کے ان ظالموں سے کچھ دور نہیں ملک شام کو جاتے ہوئے ان بستیوں پر گزرتے ہیں اور ہلاکت اور بربادی کے آثار کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں انکو چاہیئے کہ عبرت پکڑیں۔

[1] دیکھو زاد المسیر لابن الجوزی ص۱۴۰ ج ۴ وتفسیر قرطبی ص۷۹ ج ۹

تنبیہ | یہ قصہ سورۂ اعراف میں بھی گزر چکا ہے وہاں بھی دیکھ لیا جائے ۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ

اور مدین کی طرف بھیجا ان کا بھائی شعیب بولا اے قوم !

اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ وَ

بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا حاکم اس کے سوا - اور

لَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ ۚ إِنِّي أَرَاكُمْ بِخَيْرٍ وَ

نہ گھٹاؤ ماپ اور تول میں دیکھتا ہوں تم کو آسودہ اور

إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُحِيطٍ ﴿۸۴﴾ وَيَا قَوْمِ

ڈرتا ہوں تم پر آفت سے ایک گھیر لانے والے دن کی۔ اور اے

أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا تَبْخَسُوا

قوم ! پورا کرو ماپ اور تول انصاف سے اور نہ گھٹا دو

النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۸۵﴾

لوگوں کو انکی چیزیں اور نہ مچاؤ زمین میں خرابی ۔

بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۚ وَمَا

جو بچ رہے اللہ کا دیا وہ بہتر ہے تم کو اگر ہو تم یقین رکھتے اور میں

أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ﴿۸۶﴾ قَالُوا يَا شُعَيْبُ أَصَلَاتُكَ

نہیں ہوں تم پر نگہبان ۔ بولے اے شعیب ! تیرے نماز پڑھنے

تَأْمُرُكَ أَنْ نَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَنْ نَفْعَلَ

نے تجھ کو یہ سکھایا کہ ہم چھوڑ دیں جنکو پوجتے رہے ہمارے باپ دادے یا چھوڑ دیں

فِىٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾

کرنا اپنے مالوں میں جو چاہیں۔ تو ہے بڑا باوقار نیک چال والا۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ

بولا اے قوم! دیکھو تو، اگر مجھ کو سوجھ ہوئی اپنے رب کی

وَرَزَقَنِىْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ

طرف سے اور اس نے روزی دی مجھ کو نیک روزی اور میں نہیں چاہتا کہ پیچھے

اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا

آپ کروں، جو کام تم سے چھڑاؤں میں تو چاہتا ہوں یہی سنوارنا، جہاں تک ہو

اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِىْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ

سکے۔ اور بن آتا ہے اللہ سے۔ اسی پر میں نے بھروسا

وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِىْٓ اَنْ

کیا ہے اور اسی کی طرف رجوع ہوں۔ اور اے قوم! نہ کمائیو میری ضد کر کر، یہ کہ پڑے

يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ

تم پر جیسا کچھ پڑا قوم نوح پر۔ یا قوم ہود پر

اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾ وَ

یا قوم صالح پر اور قوم لوط تم سے دور نہیں۔ اور

اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّىْ رَحِيْمٌ

گناہ بخشواؤ اپنے رب سے اور اس کی طرف رجوع آؤ۔ البتہ میرا رب مہربان

وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ

ہے محبت والا۔ بولے اے شعیب! ہم نہیں بوجھتے بہت باتیں جو تو کہتا ہے

وَإِنَّا لَنَرٰىكَ فِينَا ضَعِيفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ

اور ہم دیکھتے ہیں تو ہم میں کمزور ہے۔ اور اگر نہ ہوتے تیرے بھائی بند تو تجھکو

وَمَا أَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰقَوْمِ أَرَهْطِي أَعَزُّ

ہم پتھراؤ کرتے اور تو ہم پر کچھ سردار نہیں۔ بولا اے قوم! کیا میرے بھائی بندوں کا دباؤ

عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۖ وَاتَّخَذْتُمُوهُ وَرَاءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۖ إِنَّ

تم پر زیادہ ہے اللہ سے۔ اور اسکو ڈال رکھا ہے تم نے پیٹھ پیچھے فراموش۔ تحقیق میرے

رَبِّي بِمَا تَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿۹۲﴾ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ

رب کے قابو میں ہے جو کرتے ہو۔ اور اے قوم! کام کیے جاؤ اپنی جگہ،

إِنِّي عَامِلٌ ۖ سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۙ مَنْ يَّأْتِيهِ عَذَابٌ

میں بھی کام کرتا ہوں آگے معلوم کرلو گے کس پر آتا ہے عذاب

يُّخْزِيهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۖ وَارْتَقِبُوا إِنِّي مَعَكُمْ

کہ اسکو رسوا کرے اور کون ہے جھوٹا اور تاکتے رہو، میں بھی تمہارے ساتھ

رَقِيبٌ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِينَ آمَنُوا

ہوں تاکتا۔ اور جب پہنچا ہمارا حکم بچا دیا ہم نے شعیب کو اور جو یقین لائے

مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ

تھے اس کے ساتھ اپنی مہر سے اور پکڑا ان ظالموں کو چنگھاڑ نے پھر

فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جٰثِمِينَ ﴿۹۴﴾ كَأَنْ لَّمْ يَغْنَوْا

صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے۔ جیسے کبھی نہ بسے تھے



فِيهَا ۗ أَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُودُ ﴿۹۵﴾ ع

ان میں۔ سن لو! پھٹکار ہے مدین پر جیسے پھٹکار پائی ثمود نے۔

قصۂ شعیب علیہ السلام

قال اللہ تعالیٰ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا.. الیٰ.. اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ

(ربط) یہ چھٹا قصہ شعیب علیہ السلام کا ہے جو خطیب الانبیاءؑ کے لقب سے معروف ہیں اور اہل مدین کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ یہ لوگ بڑے سرمایہ دار تھے انکا مذہب یہ تھا کہ ہم اپنے مالوں کے تصرف میں آزاد اور مختار ہیں (جیسا کہ آج کل کے سرمایہ دار کہتے ہیں) جس طرح چاہیں ان میں تصرف کریں حضرت شعیب علیہ السلام یہ فرماتے تھے کہ یہ اموال اگرچہ تمہارے مملوک ہیں مگر تمہاری ملکیت مالک حقیقی کی ملکیت اور اس کے حکم کے ماتحت ہے۔ امانت اور دیانت کے ساتھ اور صحیح کیل اور وزن کے ساتھ تم اس میں تصرف کر سکتے ہو یہ قوم بت پرستی اور بدکاری کے علاوہ معاملات دنیاوی میں خیانت اور کم تولنے میں مبتلا تھی۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اصحاب مدین کو توحید کی دعوت دی اور شرک اور کم تولنے کی عادت سے توبہ اور استغفار کی نصیحت کی اور کہا کہ مجھ کو ڈر ہے کہ اگر تم نے میرا کہنا نہ مانا تو تم پر اللہ کا عذاب آئیگا اور قوم نوح اور قوم عاد اور قوم ثمود کی طرح ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔

جب ان لوگوں نے حضرت شعیبؑ کا کہنا نہ مانا تو آخری درجہ میں یہ فرمایا اِعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ الخ کر خیر جو تمہارا جی چاہے کرو۔ عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ تم کو کیا رسوائی پہنچنے والی ہے آخر وہی ہوا کہ تھوڑے دنوں میں عذاب آیا آگ برسی اور سب ہلاک ہو گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ہم نے مدین والوں کی طرف انکے بھائی شعیب علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا تاکہ یہ اندھے اور بہرے شاید اپنے بھائی کی کچھ سنیں اور دیکھیں۔ مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام تھا پھر اسکی اولاد کا بھی یہی نام ہو گیا اور ان لوگوں نے ایک شہر آباد کیا اسکا نام بھی مدین رکھا۔ یہ شہر بحر قلزم کے کنارے پر تبوک کے محاذی اس سے چھ مرحلہ دور واقع ہے اور تبوک سے بڑا ہے اور مدین وہی شہر ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اوّل مرتبہ مصر سے تنہا نکلے تو اس شہر کے کنوئیں پر ٹھہر کر شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پانی پلایا تھا اب آگے شعیب علیہ السلام کی تعلیم و تلقین کا حال بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے قوم کو وہ بات بتائی جو سب سے اوّل اور مقدم فرض ہے۔ شعیب علیہ السلام نے ان سے یہ کہا اے میری قوم! تم صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اسکے سوا کوئی معبود نہیں۔ توحید اور عبادت یہ تو اللہ تعالیٰ کا حق ہوا۔ اب آگے مخلوق کا حق بتایا جو باہمی معاملات سے متعلق تھا اور نہ کمی کرو تم پیمانے سے ناپنے کی چیزوں میں اور ترازو سے تولنے کی چیزوں میں۔ تحقیق میں تم کو اچھی حالت یعنی نعمت اور تونگری میں دیکھتا ہوں یعنی تم مفلس اور محتاج نہیں کہ اس کی وجہ سے خیانت کرو بلکہ مالدار اور نعمت والے ہو اسکا حق تو یہ ہے کہ لوگ تم سے بہرہ مند ہوں نہ یہ کہ تم دوسروں کے حق میں سے کمی

کرو۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر کرو۔ اگر زیادہ نہیں تولتے تو کم بھی نہ تولو اور تحقیق میں اس خیانت کی وجہ سے تمہاری نسبت ایسے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں جو تم سب کو گھیرے میں لیے ہوئے ہو گا۔ اس سے قیامت کا عذاب مراد ہے یا دنیوی عذاب ہلاکت مراد ہے۔ یہ تو ناپ تول میں کمی کی ممانعت ہوئی اب آئندہ آیت میں ناپ تول کو پورا کرنے کا حکم اور اس میں تاکید اور مبالغہ ہے اور اے میری قوم انصاف کے ساتھ ناپ اور تول کو پورا کیا کرو۔ ناپ میں پیمانہ کو اچھا نہ بھرو اور تولنے میں ڈنڈی نہ مارو اور لوگوں کی چیزوں میں ذرہ برابر کمی نہ کرو۔ یعنی کیل اور وزن کی خصوصیت نہیں تمام چیزوں میں عدل وانصاف کو ملحوظ رکھو خواہ کسی قسم کی کوئی چیز ہو اس میں کمی نہ کرو۔ مطلب یہ ہے کہ کسی کے حق میں خیانت نہ کرو۔ ایک ہی بات کو تین مرتبہ دُھرانے سے مقصود تاکید ہے مگر ہر مرتبہ نئی عبارت سے ادا کیا گیا ہے جس میں خاص بلاغت ہے اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو یعنی رہزنی نہ کرو۔ یہ لوگ رہزنی بھی کیا کرتے تھے۔ ناپ تول میں ہر حقدار کا حق ادا کرنے کے بعد اللہ کا دیا ہوا حلال مال جو تمہارے پاس باقی رہ جائے اس زیادہ مال سے کہیں زیادہ بہتر ہے جو خیانت کر کے تم حاصل کرو۔ کیونکہ حلال مال میں گو وہ قلیل ہو اس میں خیر و برکت ہے۔ اگر ہو تم یقین رکھنے والے تو سمجھ لو کہ برکت حلال میں ہے۔ حرام میں نہیں۔ میں تمہارا نگہبان نہیں کہ زبردستی تم کو منوا دوں اور نیک راہ پر چلا دوں ؎

من آنچہ شرط بلاغت با تومی گویم ٭ تو خواہ از سخنم پند گیر وخواہ ملال

حکایت کیا جاتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام دو قسم پر تھے ایک وہ کہ جن کو جہاد کا حکم ہوا جیسے حضرت موسیٰؑ اور حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمان علیہ السلام اور بعضے وہ ہیں جن کو جہاد کا حکم نہیں ہوا۔ صرف تبلیغ رسالت ان کے ذمہ تھا۔ شعیب علیہ السلام ان ہی میں تھے جن کو جہاد کا حکم نہیں تھا وہ دن بھر قوم کو نصیحت فرماتے اور رات بھر نماز پڑھتے (روح البیان ص ۱۷۲ ج ۴)

قوم مردود کا جواب

قوم کے سردار بولے اے شعیبؑ ہم نے تمہارا وعظ سُن لیا۔ کیا تیری نماز اور عبادت تجھ کو یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان بتوں کو چھوڑ دیں جن کو ہمارے بڑے پوجتے تھے اور سب بتوں کو چھوڑ کر تیرے کہنے سے خالی ایک معبود کے ہو رہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام چونکہ کثیر الصلوٰۃ تھے۔ انکی قوم انکو نماز پڑھتا دیکھتی تو بطور تمسخر ان سے یہ کہتی۔ یا ہم اپنے مالوں میں سے حسب منشاء تصرف کرنا چھوڑ دیں۔ ہم اپنے مالوں کے مالک اور مختار ہیں جس طرح چاہیں ان میں تصرف کریں۔ تحقیق تو تو بڑا بردبار اور راہ یاب ہے تو ایسی باتیں کیوں کہتا ہے۔ یہ کہنا انکا بطور استہزاء اور تمسخر تھا۔ جیساکہ آج کل کے سرمایہ دارانہ نظام والے بھی یہی کہتے ہیں کہ ہم اپنے سرمایہ کے مالک اور مختار ہیں اور اس کے کمانے اور خرچ کرنے میں آزاد ہیں۔ یہ حلال وحرام

اور جائز و ناجائز کی تقسیم کیسی۔ مطلب یہ تھا کہ اب ہمکو ہمارے حال پر چھوڑ دیجئے اور دغا بازی سے بچنے کا وعظ نہ کیجئے۔ شریعت یہ کہتی ہے کہ بے شک تم اپنے مالوں کے مالک ہو مگر ہم تمہارے وجود کے اور تمہارے مالوں کے مالک مطلق اور مالک حقیقی ہیں تم سب ہمارے بندے اور غلام ہو تم اپنی تجارت اور زراعت میں ہمارے نازل کردہ قانون کے پابند ہو جس طرح تمہارا وجود ہمارا عطیہ ہے اسی طرح تمہارے اموال ہمارے عطا کردہ ہیں ہمارے عطا کردہ اعضاء اور جوارح سے اور ہمارے عطا کردہ قدرت اور اختیار سے تم نے یہ دولت کمائی ہے تم ہمارے بندے اور غلام ہو تمہیں ہمارے حکم کے سامنے دم مارنے کی مجال نہیں ہم نے اپنی رحمت اور مہربانی سے یہ کہہ دیا ہے کہ تم ان اموال کے مالک ہو مگر ہماری اس عنایت اور مرحمت کا یہ مطلب نہیں کہ تم ہمارے نازل کردہ قانون شریعت کی حدود و قیود اور اوامر و نواہی سے آزاد ہو کہ خلاف قانون جو چاہو تصرف کرو شریعت شخصی اور انفرادی ملکیت کو برقرار رکھتی ہے۔ اشتراکیت کی طرح شریعت شخصی اور انفرادی ملکیت کی منکر نہیں البتہ اسکی آزادی اور مطلق العنانی کی منکر ہے جس طرح ایک مجازی غلام اور خادم کا تصرف اور تجارتی کاروبار مجازی آقا کے ماتحت ہے۔ اسی طرح سمجھو کہ بندوں کے تمام مالی تصرفات مالک حقیقی اور خدا و ند احکم الحاکمین کے حکم اور قانون کے ماتحت ہیں۔ ملک کی رعایا، حکومت اور صدر مملکت اور وزرائے سلطنت کی مخلوق نہیں اور اپنی ذاتی قدرت اور اختیار میں اور تجارتی کاروبار میں حکومت کے محتاج نہیں مگر باایں ہمہ ملک کی رعایا۔ قانون حکومت کے ماتحت تصرف کر سکتی ہے۔ اس کے خلاف تصرف نہیں کر سکتی۔ پس جبکہ مجازی اور قانونی حکومت میں رعایا کا تصرف قانون حکومت کے ماتحت ہونا تہذیب اور تمدن کے خلاف نہیں۔ تو خدا کی مخلوق کے تصرف کو خدا کے نازل کردہ قانون شریعت کے ماتحت قرار دینا کیسے خلاف تمدن ہو سکتا ہے۔ آج کل کے سرمایہ داروں کی طرح قوم شعیبؑ بھی یہی کہتی تھی کہ کیا آپ کی نماز ہمکو یہ حکم دیتی ہے۔ کہ ناپ تول میں کمی کرنا چھوڑ دیں اور اپنے مالوں میں حسب منشا تصرف کرنا چھوڑ دیں۔ ان مغرورین اور متکبرین کا جواب یہ ہے کہ ہاں نماز ایسی ہی باتوں کا حکم دیتی ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ۔ (تحقیق نماز فحشاء اور منکرات سے روکتی ہے) اس لیے شعیب علیہ السلام کی نماز انکو آمادہ کرتی تھی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں۔

شعیب علیہ السلام کا قوم کو جواب باصواب

شعیب علیہ السلام نے جواب دیا اے میری قوم! مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے بصیرت اور روشن دلیل اور حجت پر ہوں۔ یعنی علم اور ہدایت پر ہوں جن کی بنا پر تم کو نیکی کا حکم دیتا ہوں اور برائی سے منع کرتا ہوں اور مزید برآں اللہ تعالے نے مجھے اپنے پاس سے اچھا رزق یعنی حلال و طیب اور فراخ دیا ہو تو کیا ایسی صورت میں تمہاری جاہلانہ اور احمقانہ باتوں کی وجہ سے حق کی دعوت اور تبلیغ اور

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دوں اور تم کو بت پرستی اور کیل اور وزن میں کمی کرنے سے منع نہ کروں جبکہ خدا تعالیٰ نے نبوت و رسالت اور حجت واضحہ اور علم و حکمت کی دولت عطا کی جس سے مجھ کو بصیرت اور نور یقین حاصل ہے اور مال حلال وطیب بھی مجھ کو اتنا دیا کہ جس کے بعد مجھ کو مخلوق کی ضرورت نہیں۔ تو مجھ پر تم بے وقوفوں کی طعن آمیز باتوں کا کیا اثر ہو سکتا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ رزق حسن سے نبوت کی نعمت مراد ہے اور میرا یہ ارادہ نہیں کہ جس بات سے تم کو منع کروں اسکے خلاف میں خود کروں۔ مطلب یہ کہ میں ایسا نہیں کہ جن باتوں اور خواہشوں سے تم کو منع کروں خود اس میں داخل ہو جاؤں۔ بلکہ تمہارے لیے وہی بات پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں۔ جہاں تک مجھ سے ممکن ہے میں سوائے تمہاری اصلاح کے کچھ نہیں چاہتا۔ صرف یہ چاہتا ہوں کہ تمہارے عقائد اور معاملات درست ہو جائیں اور تمہارے اعتقادات اور معاملات سے فسادات دور ہو جائیں۔ اور یہی کمال رشد اور کمال حلم ہے اور نہیں ہے میری توفیق مگر اللہ کی قوت اور طاقت سے یعنی میں اپنی طاقت کے مطابق اصلاح کرنا چاہتا ہوں مگر میری طاقت اللہ کی قوت اور اعانت سے ہے۔ اور اس کی مدد سے ہے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میں رجوع ہوتا ہوں۔ حتیٰ کہ توکل اور اصلاح میں بھی اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ ہر کام میں نیت اسی کی کرتا ہوں۔

ترہیب قوم از مخالفت و معاندت

اس موعظت سراپا حکمت کے بعد شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو اپنی مخالفت پر عذاب سے ڈراتے ہیں اور اے میری قوم! تم کو میری دشمنی اور عداوت اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم میری نافرمانی کرو۔ اور پھر تم کو ویسا ہی عذاب پہنچے جیسا کہ قوم نوح کو طوفان پہنچا۔ یا قوم ہود کو ہوا کا طوفان پہنچا جس سے وہ پارہ پارہ ہوتے یا قوم صالح کو زلزلے نے تباہ اور برباد کیا تم ان قوموں کے تاریخی حالات سے بخوبی واقف ہو اگرچہ ان کو کچھ زمانہ گزر گیا ہے۔ تم کو چاہیے کہ ان سے عبرت پکڑو! اور قوم لوط تو تم سے دور نہیں۔ انکو تباہ ہوئے کچھ زیادہ زمانہ نہیں گزرا۔ دیکھ لو کہ پیغمبر کی مخالفت سے تمہارے روبرو کیسے ہلاک ہوئے مطلب یہ ہے کہ اگر گزشتہ امتوں کے حال سے عبرت نہیں پکڑتے تو قوم لوط سے عبرت پکڑو اس قوم کی بستیاں تم سے دور نہیں اور اپنے پروردگار سے اپنے گزشتہ گناہوں کی معافی مانگو اور آئندہ کے لیے اس کی طرف رجوع کرو یعنی اسکے حکم پر چلو اور کفر و شرک سے توبہ کرو اور ناپ تول میں کمی کو چھوڑو بے شک میرا پروردگار بڑا مہربان ہے۔ استغفار کرنے والوں پر۔ اور بڑا محبت کرنے والا ہے۔ توبہ کرنے والوں سے استغفار سے اللہ کی رحمت اور عنایت نازل ہوتی ہے اور توبہ سے اللہ کی محبت اس پر نازل ہوتی ہے جس کا ثمرہ یہ ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں خدا کا محبوب بن جاتا ہے۔ کما قال تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ

وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۔

قوم کا جواب

قوم کے لوگ جب شعیب علیہ السلام کی اس موعظت سراپا حکمت اور تقریر دلپذیر کے جواب سے لاجواب ہوئے تو از راہِ جہالت و عداوت یہ کہنے لگے اے شعیب تیری بہت سی باتیں جو تو کہتا ہے ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ یعنی تو جو کہتا ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اور شرک اور بت پرستی کو چھوڑ دو۔ اور ناپ تول میں کمی کرنا چھوڑ دو۔ تیری یہ باتیں سب تیرے خیالات فاسدہ ہیں قابل توجہ نہیں اور ہم تجھے اپنے درمیان کمزور اور ناتواں دیکھتے ہیں تجھ میں کوئی قوت نہیں اور ہم اگر تجھ کو کوئی بُرائی پہنچانا چاہیں تو کوئی روک نہیں یا یہ مطلب ہے کہ تو ہم میں ایک ذلیل آدمی ہے تیری کچھ عزت نہیں اور اگر تیرا کنبہ نہ ہوتا تو ہم تجھ کو سنگسار کر دیتے ہم کو تیرے خاندان اور قبیلہ کی عزت اور حرمت کا پاس ہے جو تجھ کو چھوڑ دیا اور تو ہماری نظروں میں کوئی عزت والا نہیں کہ تیری عزت سنگساری سے مانع بنے۔

شعیب علیہ السلام کی طرف سے قوم کی دھمکیوں کا جواب

یہ تو قوم کی دھمکیوں کا ذکر ہوا اور بے وقوفوں کا یہی دستور ہے کہ آیات بینات اور روشن دلائل کے مقابلہ میں دھمکیاں دیا کرتے ہیں۔ اب آگے ان دھمکیوں کے مقابلہ میں شعیب علیہ السلام کا جواب ذکر کرتے ہیں۔ جو ان نادانوں کی شفقت سے لبریز ہے۔ اور شعیب علیہ السلام کے قلبی سکون اور اطمینان کا آئینہ دار ہے کہ وہ قوم کی دھمکیوں سے ذرّہ برابر مرعوب نہ تھے بلکہ وعدۂ خداوندی پر مطمئن تھے۔ چنانچہ شعیب علیہ السلام نے انکی دھمکیوں کے جواب میں کہا اے میری قوم افسوس اور تعجب ہے کہ میری نبوت و رسالت تو میرے رجم سے مانع نہ ہوئی۔ بلکہ میرے قبیلہ اور خاندان کی قوت و شوکت میرے رجم سے تمہارے لیے مانع بنی کیا میری برادری اور میرا کنبہ تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ سے زیادہ عزت والا ہے کہ خاندان کا تو پاس کیا اور جس خدا نے مجھ کو رسول بنا کر بھیجا اور سچائی کے نشان مجھے دیئے اس کا پاس نہیں کیا اور اللہ کو یعنی اسکے حکم کو تم نے پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا۔ مگر یاد رکھو کہ عنقریب تمکو اسکا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ کیونکہ تحقیق میرا پروردگار تمہارے اعمال کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ تمہارا کوئی عمل اس سے پوشیدہ نہیں تمہارے اعمال کے موافق تمکو جزا دے گا۔ بعد ازاں جب شعیب علیہ السلام قوم کی ہدایت سے ناامید ہوئے اور سمجھ گئے کہ ان لوگوں کو عذاب سے ڈرانا بیکار ہے۔ کوئی نصیحت ان پر کارگر نہ ہوئی کیونکہ ان لوگوں کو یقین ہے کہ عذاب کا وعدہ محض دھمکی ہی دھمکی ہے تو اخیر میں یہ فرمایا کہ اچھا اگر تم کو عذاب کا یقین

نہیں تو اچھا تم جانو عنقریب پتہ چل جائیگا اور بالآخر ناامید ہو کر یہ کہا اے میری قوم تم اپنی جگہ میں اپنے کام کیے جاؤ میں بھی اپنا کام کرتا ہوں۔ عنقریب تم جان لو گے کہ وہ کون ہے جس پر ایسا عذاب آئے گا۔ جو اس کو ذلیل وخوار کرے گا اور معلوم ہو جائے گا کہ کون ہے جو جھوٹا ہے اس وقت طرفین کی عزت اور ذلت کا فیصلہ ہو جائیگا اور معلوم ہو جائیگا کہ تم جھوٹے ہو یا میں جھوٹا ہوں اور آسمانی فیصلہ کا انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ جس عذاب سے میں تم کو ڈرا رہا ہوں وہ محض دھمکی نہیں بلکہ وہ اتنا قریب آ گیا کہ اس کی طرف ٹکٹکی لگا کر انتظار میں بیٹھ جاؤ۔ پس حسب وعدہ چند روز کے بعد عذاب کا سامان شروع ہوا اور جب ہمارا حکم عذاب کے لیے آ پہنچا تو ہم نے فریقین میں سے شعیب علیہ السلام کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی طرف سے ایک خاص رحمت کے ساتھ عذاب آسمانی سے نجات دی اور ان ظالموں کو جنہوں نے شرک اور معصیت سے اپنی جانوں پر ظلم کر رکھا تھا یکدم ایک سخت آواز نے آپکڑا جس سے یک لخت سب کے دل پھٹ گئے اور ایک دم سب مر گئے۔ جبرئیل امینؑ نے ایک چیخ ماری جس کی دہشت سے سب کا فر مر گئے۔ پس یہ لوگ صبح کے وقت اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل مرے رہ گئے گویا کہ وہ کبھی ان گھروں میں بسے نہ تھے۔ آگاہ ہو جاؤ اور خوب سن لو کہ قوم مدین کو ہلاکت اور پھٹکار ایسی ہوئی جیسا کہ قوم ثمود کو ہوئی تھی۔ چونکہ قوم شعیب اور قوم صالح (یعنی قوم ثمود) ایک ہی عذاب سے ہلاک ہوئے اس لیے فرمایا کہ مدین کی ہلاکت ویسی ہی ہے جیسی ثمود کی ہلاکت ہے۔ تشبیہ اس بات میں ہے کہ دونوں قومیں عذاب صیحہ سے ہلاک ہوئیں۔ فرق صرف اس قدر تھا کہ قوم ثمود نے نیچے کی جانب سے صیحہ (چنگھاڑ) سنی اور ہلاک ہوئی۔ اور قوم مدین نے اوپر کی جانب سے صیحہ (چیخ) سنی اور ہلاک ہوئی۔ نیز مدین کو ثمود کے ساتھ اس لیے بھی ذکر کیا کہ دونوں قوموں کی بستیاں قریب تھیں اور کفر اور رہزنی میں ایک دوسرے کے مشابہ تھیں اور عذاب میں بھی ایک دوسرے کے مشابہ تھیں اور دونوں عرب میں تھے اس اعتبار سے تشبیہ معنوی ہوگی۔

فائدہ یہاں قوم شعیب کا صیحہ (چیخ) سے ہلاک ہونا مذکور ہوا اور سورۂ اعراف میں رجفہ کا لفظ آیا ہے یعنی زلزلہ سے ہلاک ہوئے عجب نہیں کہ ابتداء میں زلزلہ آیا ہو اور پھر چیخ آئی ہو۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾ اِلٰى

اور بھیج چکے ہیں موسیٰ کو اپنی نشانیوں سے اور واضح سند سے۔ فرعون

فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ

اور اسکے سرداروں پاس پھر چلے کہے ہیں فرعون کے اور نہیں بات

فِرۡعَوۡنَ بِرَشِيۡدٍ ﴿۹۷﴾ يَقۡدُمُ قَوۡمَهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ

فرعون کی کچھ نیک چال رکھتی۔ آگے ہو گا اپنی قوم کے قیامت کے دن

فَاَوۡرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئۡسَ الۡوِرۡدُ الۡمَوۡرُوۡدُ ﴿۹۸﴾ وَاُتۡبِعُوۡا

پھر پہنچا دیگا انکو آگ پر اور بُرا گھاٹ ہے جس پر پہنچے اور پیچھے سے ملی

فِىۡ هٰذِهٖ لَعۡنَةً وَّيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ بِئۡسَ الرِّفۡدُ الۡمَرۡفُوۡدُ ﴿۹۹﴾

اس جہان میں لعنت اور دن قیامت کے۔ بُرا انعام ہے جو ملا۔

قصۂ موسیٰ علیہ السلام با فرعون

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰى بِاٰيٰتِنَا .. الیٰ .. بِئۡسَ الرِّفۡدُ الۡمَرۡفُوۡدُ ۝

(ربط) اب یہ ساتواں قصۂ موسیٰ علیہ السلام کا ہے اور یہ قصہ اس سورت کا آخری قصہ ہے۔ جس میں یہ بتلایا کہ خدا اور رسول کے مقابلہ میں سلطنت اور مال و دولت اور قوت وشوکت کچھ کام نہیں آتی۔ عزت، حق کے اتباع میں ہے اور تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں اور کھلا غلبہ دیکر بھیجا یعنی معجزات قاہرہ و باہرہ مثل معجزۂ عصا۔ اور معجزۂ ید بیضا دیکر فرعون اور اس کے ملک کے سرداروں کی طرف بھیجا۔ پس باوجود ان معجزات قاہرہ اور براہین باہرہ اور دلائل ظاہرہ کے ان سرکشوں نے پیغمبر خدا کا اتباع نہ کیا بلکہ حکم فرعون کے تابع اور پیرو ہوگئے اور فرعون کا کام درست نہ تھا اور جس طرح فرعون دنیا میں ان گمراہوں کا پیشوا و بنا اسی طرح وہ قیامت کے دن اپنی قوم کا پیشوا ہو گا۔ اور اپنی قوم کے آگے آگے ہو گا سو ان کو آگ میں لے جا کر اتارے گا جیسا کہ وہ دنیا میں اسکے آگے تھا۔ اور بحر قلزم میں لے جا کر انکو غرق کیا اسی طرح قیامت کے دن بھی ان کے آگے آگے ہوگا اور بُرا گھاٹ ہے جس پر وہ اتارے گئے یعنی آتش دوزخ جس پر ان کو لایا گیا وہ بہت بُرا گھاٹ ہے اس لیے کہ آدمی گھاٹ پر اس امید پر اترتا ہے کہ وہاں پیاس اور دھوپ کی گرمی دور ہوگی اور آرام و آسائش ملے گی۔ مگر یہاں معاملہ برعکس ہوگا کہ وہاں پانی سے کلیجہ اور جل جائے گا اور پیاس زیادہ ہو جائے گی اور زبان چھاتی پر لٹک پڑے گی اور اس دنیا میں اس قوم کے پیچھے لعنت لگا دی گئی ایسے مغرورین اور متکبرین پر ہر شخص دنیا میں لعنت کرتا ہے اور قیامت کے دن بھی لعنت ان کے پیچھے لگی ہوگی تمام اہل محشر ان پر لعنت کریں گے۔ یہ کتنا بُرا عطیہ ہے جو انکو عطا کیا گیا کہ دنیا اور آخرت دونوں میں لعنت ان کے گلے کا ہار بنا دی گئی۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ

یہ تھوڑے احوال ہیں بستیوں کے کہ ہم سناتے ہیں تجھ کو، کوئی ان

وَّحَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

میں قائم ہے اور کوئی کٹ گیا۔ اور ہم نے ان پر ظلم نہ کیا، لیکن ظلم کر گئے اپنی جان پر پھر

فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ

کچھ کام نہ آئے ان کو ٹھاکر، جن کو پکارتے تھے اللہ کے سوا کسی

اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ

چیز میں، جب پہنچا حکم تیرے رب کا۔ اور کچھ نہ بڑھایا

غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ

انکے حق میں سوا ہلاک کرنا۔ اور ایسی ہے پکڑ تیرے رب کی، جب پکڑتا

الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾

ہے بستیوں کو، اور وہ ظلم کر رہتے ہیں۔ بیشک اسکی پکڑ دکھ دیتی ہے۔

تذکیر عواقب دنیویۂ اُمم ظالمہ برائے عبرت

قال اللہ تعالیٰ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى ... الیٰ ... اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۔

(ربط) یہاں تک اُمم ظالمہ کے عبرتناک قصص کا بیان ہوا جن میں کفار کے شبہات اور انبیاء کرامؑ کے جوابات کا ذکر تھا اب ان واقعات کے ذکر کرنے کی حکمت بیان کرتے ہیں کہ دیکھ لو کہ کفر و تکذیب کا انجام باعتبار دنیا کے بھی بُرا ہے اور باعتبار آخرت کے بھی بُرا ہے جن لوگوں نے انبیاءؑ کا مقابلہ کیا۔ وہ دنیا میں ذلیل وخوار ہوئے اور انکی بستیاں تباہ و برباد ہوئیں ان آیات میں کفر و تکذیب کے دنیوی انجام کو بیان کرتے ہیں تاکہ عبرت پکڑیں اور آئندہ آیت یعنی اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ میں کفر و تکذیب کے عذاب اُخروی کو بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ نصیحت پکڑیں اور سمجھیں کہ حق اور صداقت

کا انجام کیسا ہوتا ہے۔ اور اس قسم کے عجیب و غریب واقعات کا بلا تعلیم و تعلم بیان کرنا یہ آپؐ کی نبوت کی دلیل ہے کیونکہ اس قسم کا علم بدون وحی الٰہی ناممکن اور محال ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں یہ سات ہولناک اور عبرتناک قصے جو ہم نے اس سورت میں بیان کیے ہیں۔ امم سابقہ اور قرون ماضیہ کے بستیوں میں کے چند قصے ہیں جن کو ہم تمہارے سامنے بیان کرتے ہیں تاکہ آپؐ لوگوں کو سناویں اور لوگ سن کر عبرت پکڑیں۔ سو بعض بستیاں تو اب بھی ان میں کی باقی اور آباد ہیں۔ اور بعض اجڑ گئیں اور ان بستیوں کو جو ہم نے جو عذاب نازل کر کے برباد کیا۔ سو ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ ولیکن انہوں نے کفر کر کے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کہ کفر و شرک کر کے مستوجب عذاب ہوئے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا کہ انکو بلا قصور ہلاک کر دیا ہو بلکہ اول انکو نصیحت کی۔ اور نافرمانی کے بعد بھی اُنکو فوراً نہیں پکڑا بلکہ انکو مہلت دی۔ جب ان لوگوں نے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا اور پیغمبروں کے مقابلہ پر اتر آئے۔ اور کسی طرح اپنے کفر اور عناد سے باز نہ آئے تب اللہ تعالیٰ نے انکو ہلاک کیا۔ سو جب تیرے پروردگار کا حکم آپہنچا تو ان کے معبودوں نے جنکو وہ اللہ کے سوا پکارتے تھے انکو کچھ نفع نہیں پہنچایا۔ یعنی انکے معبود اُن سے ہمارے عذاب کو نہ ہٹا سکے۔ اور انکے معبودوں نے ان کے لیے سوائے ہلاکت کے اور کسی بات میں اضافہ نہ کیا۔ یعنی یہ معبود ہی ان کی ہلاکت اور تباہی کا باعث بنے۔ اور تیرے پروردگار کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے۔ جب وہ ظالم بستیوں کو ظلم اور معصیت کے جرم میں پکڑتا ہے۔ بے شک تیرے پروردگار کی پکڑ نہایت دردناک اور سخت ہے صحیحین میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے پھر جب اسکو پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔ پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی۔ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ۔

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ

اس بات میں نشانی ہے اس کو، جو ڈرتا ہے آخرت کے عذاب سے

ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ يَوْمٌ

وہ دن یہی، جس دن میں جمع ہونگے سب لوگ اور وہ دن ہے

مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾ ؕ

دیکھنے کا اور اس کو ہم دیر جو کرتے ہیں سو ایک وعدہ کی گنتی تک۔

يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ

جس دن وہ آوے گا، نہ بولے گا کوئی جاندار مگر اسکے حکم سے۔ سو ان میں

شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِى النَّارِ لَهُمْ

کوئی بدبخت ہے اور کوئی نیک بخت۔ سو وہ لوگ جو بدبخت ہیں، سو آگ میں ہیں ان کو

فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ

وہاں چلانا ہے اور دھاڑنا۔ رہا کریں اس میں جب تک رہے

السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ

آسمان اور زمین، مگر جو چاہے تیرا رب بیشک

رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا

تیرا رب کر ڈالتا ہے جو چاہے۔ اور وہ جو نیک بخت ہیں

فَفِى الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ

سو جنت میں ہیں رہا کریں اس میں جب تک رہے آسمان و زمین

اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾ فَلَا تَكُ

مگر جو چاہے تیرا رب بخشش ہے بے انتہا۔ سو تو نہ رہ دھوکے

فِىْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا

میں ان چیزوں سے جنکو پوجتے ہیں۔ یہ لوگ کچھ نہیں پوجتے مگر ویسا ہی

يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَاِنَّا

جیسے پوجتے تھے انکے باپ دادے اس سے پہلے اور ہم

لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ

دینے والے ہیں اُنکو اُنکا حصّہ



غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ ع

بن گھٹایا۔

تذکیر عواقب اخرویہ کفر و تکذیب برائے موعظت و نصیحت

قال اللہ تعالیٰ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَۃِ ۔۔۔الی۔۔ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْھُمْ نَصِیْبَھُمْ غَیْرَ مَنْقُوْصٍ

(ربط) گزشتہ آیت میں کفر و تکذیب کے دنیوی انجام اور دنیاوی ذلت اور رسوائی کی یاد دہانی تھی۔ اب اس آیت میں کفر و تکذیب کے اُخروی انجام کا بیان ہے دنیوی ذلت و ہلاکت کے ذکر سے موعظت اور نصیحت مقصود ہے عقلمند کو چاہیئے کہ پہلے سے اپنے انجام کو سوچ لے قیامت کا دن اللہ کی عدالت کا دن ہے جس میں سعداء اور اشقیاء کی جزاء و فیصلہ کا بیان ہے کہ اس دن سعداء فائز المرام ہونگے اور اشقیاء خائب و خاسر ہونگے۔

جاننا چاہیئے کہ ان آیات میں حق جل شانہٗ نے اہل محشر کی دو قسمیں ذکر فرمائیں ایک سعداء اور ایک اشقیاء اور چونکہ مقام تحذیر ہے۔ اس لیے اشقیاء کے ذکر کو سعداء کے ذکر پر مقدم فرمایا۔ اور یہاں ایک تیسری قسم اور بھی ہے جن کے ذکر سے حق جل شانہٗ نے سکوت فرمایا وہ وہ لوگ ہیں جن کی حسنات اور سیئات برابر ہوں گی یا وہ لوگ ہیں کہ جن کے پاس نہ حسنات ہوں گی اور نہ سیئات ہونگی جیسے مجانین اور اطفال و صبیان سو یہ تیسری قسم اللہ تعالیٰ کے زیر مشیت ہے۔ قیامت کے دن اللہ جو چاہے گا وہ ان کے درمیان حکم کریگا۔ چونکہ اس قسم کا حکم زیر مشیت خداوندی مستور ہے اس لیے آیت میں اس قسم کا ذکر نہیں فرمایا۔ دو قسم کے ذکر کرنے سے تیسری قسم کی نفی لازم نہیں آتی۔ دو قسموں کا حکم بتلا دیا۔ تیسری قسم کا حکم مخفی رکھا۔ تحقیق اللہ کی اس دردناک گرفت اور پکڑ میں یا ان قصص اور واقعات میں جو ہم نے بیان کیے ہیں۔ عظیم عبرت ہے اس شخص کے لیے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو کیونکہ جب وہ یہ دیکھے گا کہ دارا بتلاء میں حق تعالیٰ کی پکڑ اس قدر الیم اور شدید ہے تو دار جزاء میں اس کی پکڑ اور بھی زیادہ سخت ہوگی کیونکہ یہ آخرت کا دن وہ دن ہو گا جس میں اول دنیا سے لیکر آخر دنیا تک تمام لوگوں کو حساب و کتاب کے لیے جمع کیا جائے گا اور یہ وہ دن ہوگا جس میں سب حاضر ہونگے۔ اس دن یہ ممکن نہیں کہ کوئی غائب ہو جائے اور حاضر نہ ہو۔ اس دن سب حاضر ہوں گے اور اس کی ہول کا مشاہدہ کریں گے۔ اور اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ آخر وہ دن کب آئے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ہم نہیں تاخیر کرتے۔ اس دن میں مگر ایک شمار کی ہوئی مدت کے گزر جانے کے لیے جس کا علم سوائے ہمارے کسی کو نہیں۔ جب وہ مدت پوری ہو جائے گی تو اچانک قیامت قائم ہو جائے گی۔ دنیا کی مدت بظاہر اگرچہ طویل ہے مگر آخرت کی مدت کے مقابلہ میں قلیل ہے اس لیے کہ دنیا کی مدت محدود اور متناہی ہے اور آخرت کی مدت غیر محدود اور غیر متناہی ہے اور محدود اور متناہی غیر محدود اور غیر متناہی کے مقابلہ میں بلاشبہ قلیل ہے جب وہ قیامت کا دن آپہنچے گا تو بغیر اجازت

خداوندی کسی کو بولنے کی مجال نہ ہوگی۔ چہ جائیکہ کوئی سفارش کر سکے پس ان تمام جمع شدہ نفوس میں سے بعض تو شقی یعنی بدبخت ہوں گے اور بعض سعید یعنی نیک بخت ہوں گے۔ کما قال تعالیٰ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَ فَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ۔ پس ان میں جو لوگ بدبخت ہو چکے ہیں وہ دوزخ میں جائیں گے اور دوزخ میں انکی حالت یہ ہوگی کہ ان کے لیے گدھے کی اول آواز اور آخر آواز کی طرح چلانا اور دھاڑنا ہے۔ لغت میں "زفیر" گدھے کی شروع آواز کو کہتے ہیں جو سخت ہوتی ہے اور "شہیق" گدھے کی پچھلی آواز کو کہتے ہیں جو آہستہ اور کم ہوتی ہے مگر اس میں سانس بہت لمبا ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ شدت کرب وغم اور شدت رنج والم سے اشقیاء کی جہنم میں یہ حالت ہوگی کہ گدھوں کے مشابہ ہوں گے اور گدھوں کی طرح چیخیں گے اور چنگاڑیں گے انکی آواز کبھی زفیر ہوگی اور کبھی شہیق ہوگی۔ ہمیشہ اس حال میں رہیں گے جب تک رہیں آسمان اور زمین یہ کلام عرب کے محاورہ کے مطابق ہے کہ عرب جب کسی چیز کا دوام بیان کرنا چاہتے ہیں تو یہ کہتے ہیں۔ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ یہ ہمیشہ رہے گا جب تک کہ آسمان اور زمین رہیں اور کہتے ہیں تو زندہ رہے ما اختلف اللیل والنہار جبتک دن رات ایک دوسرے کے پیچھے آتے رہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہاں سموات والارض سے جنت کے آسمان اور زمین مراد ہیں۔ کما قال تعالیٰ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ اور آخرت کے آسمان وزمین کے لیے کبھی فنا نہیں۔ جنت کی طرح جنت کے آسمان وزمین بھی ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے بہرحال مطلب یہ ہے کہ کافروں کا جہنم میں رہنا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے کبھی وہاں سے نکالے نہیں جائیں گے اور نہ انکو وہاں موت اور فنا ہے اور یہی تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ مگر جو چاہے تیرا پروردگار سو وہ اسکے ارادہ اور مشیت پر موقوف ہے۔ بے شک تیرا پروردگار کر ڈالتا ہے جو چاہتا ہے اسکے ارادہ اور مشیت کو کوئی روک نہیں سکتا۔ تمام سلف اور خلف کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ کفار ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ اور جنت کی طرح دوزخ بھی کبھی فنا نہ ہوگی۔ بعض نام نہاد مفسر اور مصنف یہ کہتے ہیں کہ چند روز کے بعد دوزخ فنا ہو جائے گی۔ اور کافروں کے حق میں دوزخ کا عذاب باقی نہ رہے گا اور غلط فہمی یا کوتاہ نظری یا کج طبعی کی بنا پر اس آیت میں جو لفظ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ۔ آیا ہے اس کو استدلال میں پیش کرتے ہیں کہ کفار کا عذاب دائمی نہیں۔

یہ خیال سراسر غلط اور باطل ہے اور آیاتِ صریحہ اور احادیث متواترہ اور اجماع سلف وخلف کے خلاف ہے جیساکہ پارۂ ہشتم کے شروع میں اَلنَّارُ مَثْوٰكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اس پر مفصل گزر چکا ہے تحقیق مسئلہ کا فرض تو ادا ہو چکا ہے اب بطور نفل اور تطوع کچھ عرض کرتے ہیں اس جگہ حق جل شانہٗ کا یہ ارشاد اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ۔ بعینہٖ حق تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے جو سورۃ انعام میں گزر چکا ہے۔ اَلنَّارُ مَثْوٰكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ۔ جن لوگوں کو اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ

کے استثنار سے شبہ لگتا ہے کہ کافر ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے علماء کرام نے اس کے مختلف جوابات دیتے ہیں۔

جواب اول

یہ ہے کہ مَا بمعنی مَنْ ہے جیسے فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ۔ اس جگہ لفظ مَا بمعنی مَنْ ہے اور یہ استثنار باعتبار عُصَاۃ موحدین یعنی گنہگار مسلمانوں کے اعتبار سے ہے یعنی دوزخ میں رہیں گے مگر جن کو خُدا چاہے یعنی گنہگار مسلمانوں کو چند روز کے بعد ملائکہ یا انبیار کی شفاعت سے یا ارحم الرّاحمین کی رحمت سے دوزخ سے نکال لیا جائیگا۔ اور پھر انکو جنت میں داخل کر دیا جائیگا جیسا کہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور یہ جواب عبداللہ بن عباس رض اور ضحاک رح وغیرہ سے منقول ہے (دیکھو زاد المسیر صفحہ ۱۶۰ ج ۴) اور امام ابن جریر رح اور حافظ ابن کثیر رح[1] کے نزدیک بھی یہی مختار ہے کہ یہ استثنار گنہگار مسلمانوں کی طرف راجع ہے کیونکہ احادیث متواترہ سے قطعًا یہ ثابت ہے کہ اہل توحید ہمیشہ دوزخ میں نہ رہیں گے۔ اگرچہ عاصی ہوں۔

یا یوں کہو کہ اشقیار کی دو قسمیں ہیں ایک کافر اور دوسرے گنہگار مسلمان فی الجملہ دونوں قسمیں شقی ہیں اور ابتدائً دونوں ہی کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا مگر چند روز کے بعد گنہگار مسلمانوں کو جو من وجہٍ سعید اور من وجہٍ شقی ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے یا کسی کی شفاعت سے جہنم سے نکالے جائیں گے اور پہلے قسم کے شقی یعنی کافر وہ جہنم ہی میں رہیں گے۔ وہ جہنم سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۴۶۰ ج ۲)

---

[1] اصل عبارت یہ ہے۔ قد اختلف المفسرون فی المراد من هذا الاستثناء علی اقوال كثيرة حكاها الشيخ ابوالفرج ابن الجوزی فی كتابه زاد المسير وغيره من علماء التفسير ونقل كثيرا منها الامام ابوجعفر بن جرير رحمه الله فی كتابه واختار هو ما نقله عن خالد بن معد ان والضحاك وقتادة وابن سنان ورواه ابن ابی حاتم عن ابن عباس والحسن ايضا ان الاستثناء عائد علی العصاة من اهل التوحيد ممن يخرجهم الله من النار بشفاعة الشافعين من الملائكة والنبيين والمؤمنين حتی يشفعون فی اصحاب الكبائر ثم تاتی رحمة ارحم الراحمين فتخرج من النار من لم يعمل خيرا قط وقال يومًا من ايام الدهر لا اله الا الله كما وردت بذالك الاخبار الصحيحة المستفيضة عن رسول الله صلی الله عليه وسلم بمضمون ذالك من حديث انس وجابر وابی سعيد وابی هريرة وغيرهم من الصحابة رضی الله عنهم ولا يبقیٰ بعد ذالك فی النار الا من وجب عليه الخلود فيها ولا محيد له عنها وهٰذا عليه كثير من العلماء قديما وحديثا فی تفسير هٰذه الآية الكريمة ۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۴۶۰ جلد ۲)

اور شروع آیت میں وَ اَمَّا الَّذِیۡنَ شَقُوۡا - کا لفظ آیا ہے اس سے مطلق اشقیاء مراد ہیں خواہ وہ شقی کامل ہوں جیسے کافر اور مشرک یا من وجہٍ شقی اور من وجہٍ سعید ہوں جیسے گنہگار مسلمان کہ وہ باعتبار ایمان اور اسلام کے سعید ہے مگر معاصی اور گناہوں کی وجہ سے اس میں شقاوت کی آمیزش آگئی ہے غرض یہ کہ شروع آیت میں اشقیاء سے عام معنی مراد ہیں جو دونوں قسموں کو شامل ہیں اور آخر آیت میں یعنی اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ میں اشقیاء کی دوسری قسم کا استثناء مراد ہے یعنی عصاۃ موحدین کا استثناء مراد ہے کہ اشقیاء کی یہ قسم ہمیشہ جہنم میں نہ رہے گی بلکہ چند روز بعد اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی رحمت سے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دی جائے گی یہ لوگ اگرچہ معصیت کی وجہ سے من وجہٍ شقی ہیں لیکن ایمان اور اسلام کی وجہ سے سعید ہیں اس قسم کے لوگ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہیں گے بلکہ بعد چندے نکال لیے جائیں گے بخلاف قسم اوّل کے یعنی اشقیاء کاملین کے ان سے کافر اور مشرک مراد ہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے وہ کبھی بھی جہنم سے باہر نہ نکلیں گے۔ گنہگار مسلمان اگرچہ معصیت کی وجہ سے من وجہٍ شقی ہیں لیکن ایمان اور اسلام کی وجہ سے سعید ہیں اس قسم کے لوگ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہیں گے بلکہ بعد چندے وہاں سے نکال لیے جائیں گے۔ (دیکھو تفسیر[1] امام قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ صفحہ ۹۹ ج ۹)

جواب دوم

دوسرا جواب وہ ہے جو حضرت شاہ عبد القادرؒ کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے اور وہ بہت عجیب ہے اسکا حاصل یہ ہے کہ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ سے یہ بتلانا ہے کہ اہل جنت اور اہل جہنم کا خلود اور دوام مستقل نہیں بلکہ اللہ کی مشیت کے تابع ہے اور یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ ابدیت کسی وقت منقطع ہو جائے گی کیونکہ دوسری نصوص صریحہ وقطعیہ سے یہ امر معلوم ہے کہ حق تعالیٰ کی مشیت جو اہل جنت اور اہل جہنم کے خلود کے متعلق ہے وہ کبھی منقطع نہ ہوگی۔ اور اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ سے فقط اپنی قدرت کا ظاہر کرنا مقصود ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ یہ خلود لازم نہیں بلکہ ہماری مشیت پر موقوف ہے ہم جب چاہیں اور جس کو چاہیں جہنم سے باہر نکال سکتے ہیں اور آیت کا خاتمہ اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیۡدُ بھی اسی طرف مشیر ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ اپنے ایک وعظ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک صحیح اور لطیف جواب وہ ہے جو شاہ عبد القادر صاحبؒ نے دیا ہے جو انکے اردو ترجمے

---

[1] قال الامام القرطبیؒ قد اختلف فی قوله تعالیٰ اِلا ماشاء ربّك علی عشرة اقوال ان الاستثناء انما هو للعصاة من المؤمنین فی اخراجهم بعد مدة من النار وعلی هذا یکون قوله فاما الذین شقوا عاما فی الکفرة والعصاة و یکون الاستثناء من خالدین قاله قتادة والضحاك وابو سنان وغیرهم اھ۔
(تفسیر قرطبی ص ۹۹ ج ۹) [2] ماخوذ از وعظ الملقب بلاجر الصیام من غیر الصیام حصہ دوم تئیسواں وعظ از سلسلہ تبلیغ ص ۱۸

سے معلوم ہوتا ہے اسکا حاصل یہ ہے کہ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ۔ میں ما مصدریہ ہے اور یہ مع اپنے مدخول کے ظرف ہے۔ ای الّا وقت مشیئۃ کما فی قولہ اٰتیک خفوق النجم ای وقت خفوقہ وَالمعنی یخلدون فیھا الا ان یشاء ربک عدم خلودھم فینقطع خلودھم اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ وہ مخلد فی النار ہونگے مگر جس وقت خدا ان کے عدم خلود کو چاہے تو اُن کا خلود اور دوام منقطع ہوجائیگا رہی یہ بات کہ اس قید کی کیا ضرورت تھی سو اس کا جواب شاہ صاحبؒ نے دیا ہے کہ اس میں توحید کی حفاظت کی گئی ہے کہ خلود واجب اور خلود ممکن کا فرق ظاہر کردیا گیا تاکہ کوئی خلود کی خبر سُنکر بقاءِ دائم میں واجب الوجود کے شریک ہونے کا گمان نہ کر بیٹھے کہ گو ہم جہنم میں جائیں گے مگر یہ فخر تو ہمارے لیے ثابت ہوگیا کہ ہم مثل واجب الوجود کے خلود اور بقاء کے ساتھ متصف ہوجائیں گے۔ اس لیے یہ قید لگا کر یہ بتلادیا کہ واجب الوجود کا خلود کسی کے مشیت کے تابع نہیں۔ خلود واجب تو ذات واجب کا مقتضائے ذاتی ہے اور ہمارا اور تمہارا سب کا خلود اس کی مشیت کے تابع ہے جب چاہیں اسکو ختم کر سکتے ہیں اور سب کو نکال سکتے ہیں اور جب چاہیں اسکو فنا کرسکتے ہیں اس قید سے اللہ تعالےٰ نے اپنی قدرت کو ظاہر فرمایا۔ دیکھو اجر الصیام من غیر الصیام۔ حصہ دوم وعظ نمبر ۶۳ صفحہ ۱۸ غرض یہ کہ کلمہ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ۔ محض اظہار قدرت و مشیت کے لیے ہے خلود عذاب اور دوامِ عذاب کے انقطاع اور اختتام کے خبر دینے کے لیے نہیں جیسا کہ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ۔ سے کمال قدرت و اختیار کا ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اگر وہ چاہے تو بلا وجہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عذاب میں رکھ سکتا ہے۔ اور اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ کا مطلب یہ ہے کہ وہ جس کو چاہے دوزخ سے نکال سکتا ہے اسکو پورا اختیار ہے اسے کوئی نہیں روک سکتا ہر چیز اسکی مشیت اور ارادہ کے تابع ہے نیز اگلی آیت جو سعداء کے متعلق ہے اس میں بھی یہی اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ کا استثناء ذکر کیا گیا ہے اور وہاں بالاجماع یہ مراد نہیں کہ اہل جنت کا خلود کسی وقت منقطع ہوجائیگا اور پھر اسکے متصل غیر مجذوذ کا لفظ اضافہ فرمایا ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ یہ ایسی عطاء ہے کہ جس کا کبھی انقطاع نہیں پس اگر اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ کا لفظ انقطاع اور اختتام کے بیان کرنے کیلئے ہوتا تو دوسری آیت میں اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ کے فوراً بعد عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ کہنا صریح اسکے مخالف اور مناقض ہوتا اور اللہ کا کلام اختلاف اور تناقض سے پاک اور منزہ ہے

خلاصۂ کلام یہ کہ جنتیوں اور دوزخیوں کا خلود اس کی مشیت اور اختیار سے ہے۔ لیکن اللہ چاہ چکا کہ کفار و مشرکین کا عذاب تو کبھی موقوف اور منقطع نہ ہوگا اور اہل جنت کا ثواب بھی کبھی موقوف نہ ہوگا البتہ جو گناہ گار مسلمان ہیں وہ چند روز کے بعد دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے۔

تتمہ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ۔ کے معنی یہ ہیں۔ مگر یہ کہ تیرا رب انکو گرم دوزخ سے نکال کر زمہریر یعنی جہنم کے سرد طبقہ میں ڈال دے مطلب یہ ہے کہ عذاب بدل تو جائے گا مگر دوزخ سے رہائی کبھی نہ ہوگی [1]

---

[1] اس مسئلہ پر مفصل کلام پارۂ ہشتم کے شروع میں آیت اَلنَّارُ مَثْوٰكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا

بقیہ اگلے صہ پر

اور رہ گئے وہ لوگ کہ جو سعید اور نیک بخت ہیں۔ سو وہ جنت میں ہونگے اور ہمیشہ جنت میں رہیں گے جب تک آسمان و زمین قائم رہیں ہاں مگر جو تیرا پروردگار چاہے سو اسکی مشیت کا علم اسی کو ہے مگر اہل جنت کو یہ بتلائے دیتے ہیں کہ یہ جنتیوں کا جنت میں رہنا عطاءِ خداوندی ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگی معلوم ہوا کہ جنتیوں کا خلود کبھی منقطع نہ ہوگا یہ آیت سُعداء اور اہل جنت کے متعلق ہے پہلی آیت میں اللہ تعالےٰ نے اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ۔ سے اپنی مشیت کو بیان کیا اور اس آیت یعنی عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ میں یہ بتلایا کہ جنتیوں کا جنت میں رہنا اللہ کی عطاء ہے جو کبھی بند نہ ہوگی ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گی گزشتہ آیت اشقیاء کے متعلق تھی۔ اور یہ آیت سُعداء کے متعلق ہے اور دونوں جگہ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ کا استثناء مذکور ہے اور اہل جنت کے بارے میں جو استثناء مذکور ہے وہاں بالاجماع یہ مراد نہیں کہ اہل جنت کا خلود کسی وقت منقطع ہو جائیگا۔ کیونکہ اس استثناء کے بعد خود اللہ تعالےٰ نے اہل جنت کے لیے بقاء اور دوام کی تصریح فرما دی ہے چنانچہ صراحتہً فرما دیا عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ یعنی اس نعمت کا کبھی انقطاع نہ ہوگا معلوم ہوا کہ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ۔ کے استثناء کا یہ مطلب نہیں کہ سعداء اور اشقیاء کا ثواب اور عقاب ابدی نہیں بلکہ یہ استثناء محض اظہارِ قدرت کے لیے ہے اور مطلب یہ ہے، مگر اللہ تعالےٰ جو چاہے کرے جنت اور جہنم میں کسی کا قیام اور خلود اور دوام بذاتِ خود کوئی امر واجب نہیں بلکہ مشیت الٰہی کے سپرد ہے اشقیاء کے بارے میں استثناء کو ذکر کرکے صرف اپنی مشیت کو بتلا دیا کہ معاملہ اللہ کی مشیت کے سپرد ہے مگر صراحتہً اپنی مشیت کو بیان نہیں فرمایا کہ وہ کیا ہے اور ہم کو اپنی مشیت سے آگاہ نہیں فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کا کیا ارادہ ہے اور وہ انکے حق میں کیا چاہتا ہے مگر سُعداء کے حق میں اوّل اظہار قوت کے لیے اللہ نے اپنی مشیت کا ذکر فرمایا یعنی۔ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ فرمایا بعد ازاں اسکے متصل عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ کا لفظ ذکر کرکے اپنی مشیت کو بیان کر دیا کہ اہلِ جنت کے بارہ میں اللہ کی مشیت کیا ہے وہ یہ کہ جو خلود اور دوام کی اُنکو بشارت دی گئی ہے وہ عطاءِ خداوندی ہے جو اُن سے واپس نہیں لی جائے گی اور گزشتہ آیت میں اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ۔ سے اوّل تو یہ بتلایا کہ دوزخیوں کا خلود اور دوام اس کی مشیت پر ہے اور پھر اسی کی تاکید کے لیے اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ۔ فرمایا غرض یہ کہ

شَآءَ اللّٰهُ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی فرمائش پر اس ناچیز نے ایک رسالہ الدین القیم فی الرد علی ابن القیم کے نام سے عربی میں لکھا ہے جس میں ابن تیمیہ اور ابن قیم کے تمام باتوں کا جواب دیا ہے اور قرآن اور حدیث اور اجماع امت سے اہل سنت کے مسلک کو واضح کیا ہے اور علیٰ ہذا اس ناچیز نے التعلیق الصبیح علیٰ مشکوٰۃ المصابیح جلد ششم صفحہ ۴۰۹ باب صفۃ النار میں نار کی ابدیت اور اہل نار کے خلود پر مفصل کلام کیا ہے۔ اور علی ہذا اپنے حاشیۂ بخاری مسمیٰ بہ تحفۃ القاری میں کتاب الرقاق میں بھی اس مسئلہ پر مفصل کلام کیا ہے اور ہر جگہ نیازمند ہے اہل علم سے امید ہے کہ دیکھ کر اس ناچیز کو دعا دیں گے۔ ۱۲

إِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ - کا استثنار اہل جنت اور اہل جہنم دونوں کے ساتھ ذکر فرمایا مگر پہلی آیت میں استثنا کے بعد اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ - ذکر فرمایا اور دوسری آیت میں استثنار کے بعد عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ فرمایا تا کہ معلوم ہو جائے کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد خروج نہیں البتہ جہنم میں داخل ہونے کے بعد کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جو ارحم الراحمین کی رحمت سے اور انبیار و مرسلین کی شفاعت سے جہنم سے نکال لیے جائیں گے اور وہ عُصاۃ مؤمنین یعنی گناہ گار مسلمان ہونگے اور اُن کے علاوہ کفار و مشرکین کا عذاب دائمی اور ابدی ہے جو کبھی منقطع نہیں ہو گا جیسا کہ بے شمار آیات اور بے شمار اخبار اور آثار سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ کافروں کا عذاب دائمی اور ابدی ہے - اور اسی پر صحابہؓ و تابعینؒ اور تمام سلفؒ اور خلفؒ کا اجماع ہے جس میں تاویل کی بھی گنجائش نہیں ابن تیمیہ اور ابن قیم نے دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی تفرد اور شذوذ کی راہ اختیار کی ہے اور آیات صریحہ اور احادیث صحیحہ متواترہ سے ہٹ کر ایک موضوع یا غایت درجہ ضعیف روایت کی آڑ لیکر یہ دعویٰ کیا ہے کہ دوزخ چند روز کے بعد فنا ہو جائے گی اور کافروں کا عذاب ختم ہو جائے گا - سبحان اللہ سبحان اللہ اگر کافر اور مشرک کی بھی نجات ہو سکتی ہے تو پھر ایمان اور اسلام ہی کی کیا ضرورت رہی خوب مزہ سے کفر اور شرک کرو یہودی بنو یا نصرانی بنو یا دھری بنو اور دل کھول کر جو چاہے فسق و فجور کرو توبہ کی بھی ضرورت نہیں امید لگائے رکھو کہ دوزخ پر ایک دن ایسا آئیگا کہ دوزخ خالی ہو جائے گی اور اس میں کوئی باقی نہ رہے گا اور اسکے دروازے کھڑکھڑ کریں گے - کہتے ہیں کہ یہ مضمون عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث میں آیا ہے - ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے میں کہتا ہوں کہ اگر بالفرض موضوع بھی نہ ہو تو اسکے ضعیف ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں اور پارۂ ہشتم کے شروع میں ہم ان آیات اور احادیث کو بیان کر چکے ہیں جن سے صراحۃً یہ ثابت ہے کہ کافروں کا عذاب دائمی اور ابدی ہے تو ایک ضعیف و موضوع روایت کو آیات صریحہ اور احادیث صحیحہ متواترہ کے مقابلہ میں پیش کرنا علمی امانت و دیانت کے سراسر خلاف ہے اور علیٰ ہذا ابن قیم نے جن صحابہ اور تابعین کے چند نام جو نقل کیے ہیں انکی روایت بھی صحیح نہیں اور صریح بھی نہیں اور اگر تھوڑی دیر کے لیے ہم اس حدیث کو اور ان آثار کو بھی تسلیم کر لیں تو اسکا مطلب وہ ہے جو علمار کرام اور محدثین عظام نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث میں جہنم کا وہ طبقہ مراد ہے کہ جس میں گناہ گار مسلمان رکھے جائیں گے اور جب انبیارؑ اور ملائکہؑ کی شفاعت سے یا ارحم الراحمین کی رحمت سے دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے تو جہنم کا یہ طبقہ خالی رہ جائے گا اور جہنم کے جو طبقے کافروں کے لیے ہیں وہ بدستور بھرے رہیں گے اور اُن میں سے کوئی کافر نہیں نکل سکے گا - (تفسیر مظہری[۱] صفحہ ۵۵ ج ۵)

---

[۱] قال الامام البغویؒ معنی قول ابن مسعودؓ و ابی هُرَيْرَةَؓ لياتين على جهنم ليس فيها احد عند اهل السنة ان ثبت ان لا يبقى فيها احد من اهل ايمان

بقیہ اگلے صفحہ پر

اور معاذ اللہ معاذ اللہ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دوزخ کسی وقت کافروں اور مشرکوں سے خالی ہو جائے گی ذرا غور تو کرو کہ اگر بغیر ایمان اور اسلام کے اور باوجود کفر اور تکذیب کے عذاب دوزخ سے نجات ہو سکتی ہے تو پھر انبیاء کرام کی بعثت اور کفار کی ہلاکت سے کیا فائدہ ہوا بالآخر جب کافر بھی عذاب دوزخ سے نجات پا سکتا ہے تو پھر اس ہنگامہ کی کیا ضرورت تھی کہ انبیاء کو کافروں کے مقابلہ میں مبعوث فرمایا اور جن لوگوں نے کفر کیا ان میں سے کسی کو طوفان سے ہلاک کیا اور کسی کو دریا میں غرق کیا اور کسی کو زمین میں دھنسا دیا اور کسی کو بندر اور سور بنایا وغیرہ وغیرہ یہ سب بے کار اور بے فائدہ تھا نجاتِ کافر کے عقیدے سے تو تمام شرائع و ملل کا باطل ہونا لازم آتا ہے۔ اے اللہ تو ہم کو ایمان پر رکھ آمین۔ اور اس زمانے کے آزاد اور بے لگام مصنفین کے پُرفریب فتنہ سے مسلمانوں کو محفوظ رکھ آمین۔

پس اے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جب سعادا اور اشقیار کا فرق واضح ہو گیا تو آپ ان معبودوں کے باطل ہونے میں شک نہ کیجئے جنکو یہ لوگ پوجتے ہیں۔ بظاہر خطاب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر درحقیقت مخاطب امت ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان بت پرستوں کی گمراہی میں شک نہ کرو نہیں عبادت کرتے یہ لوگ مگر جیسے انکے آباؤ اجداد پہلے سے بے دلیل بلکہ خلاف دلیل بتوں کی پرستش کرتے آئے اسی طرح یہ لوگ بھی بلا دلیل باطل کے پیچھے جا رہے ہیں۔ یہ بت پرستی اور گمراہی انکو باپ دادا سے بطور میراث ملی ہے اور بیشک ہم ان کو عذاب سے انکا پورا حصہ دینے والے ہیں جس میں کمی نہیں کی جائے گی بلا کم و کاست اُن کے جرم کے مطابق اُنکو عذاب ملے گا۔

موعظت حسنہ

امام بلخی رح سے منقول ہے کہ سعادت کی پانچ نشانیاں ہیں اوّل دل کی نرمی دوم اللہ کے خوف سے بہت رونا۔ سوم آرزو کا تھوڑا ہونا۔ چہارم دنیا سے نفرت۔ پنجم اللہ کے سامنے شرمندہ رہنا۔ اور علی ہذا شقاوت کی بھی پانچ نشانیاں ہیں۔

اوّل دل کی سختی۔ دوم آنکھوں کی خشکی۔ سوم دنیا کی رغبت۔ چہارم آرزو کا زیادہ ہونا۔ پنجم بے حیائی۔

(بقیہ صفحہ ۷۸) و اما مواضع الکفار فممتلئۃ ابدا و قد ذکرتہ فی التفسیر فی قولہ تعالٰی لَا بِثِیْنَ فِیْهَآ اَحْقَابًا انها فی حق اهل الاهواء من اهل القبلۃ و عند اکثر المفسرین المراد بالاحقاب احقاب غیر متناهیۃ (تفسیر مظہری ص۵۵ ج ۵۔) و کذا فی التفسیر البغوی و تفسیر الخازن و فتح الباری ص۳۶۳ جلد ۱۱۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَ

اور ہم نے دی تھی موسیٰ کو کتاب پھر اس میں پھوٹ پڑگئی اور

لَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ

اگر نہ ہوتا ایک لفظ کہ آگے نکل چکا تیرے رب سے تو فیصلہ ہو جاتا

وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا

ان میں اور انکو اس میں شبہ ہے کہ جی نہیں ٹھہرتا۔ اور جتنے لوگ ہیں جب

لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾

وقت آیا پورا دیگا تیرا رب انکو انکے کیے۔ اس کو سب خبر ہے جو وہ کر رہے ہیں۔

فَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ؕ

سو تو سیدھا چلا جا جیسا تجھ کو حکم ہوا۔ اور جس نے توبہ کی تیرے ساتھ اور حد سے نہ بڑھو

اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِيْنَ

وہ دیکھتا ہے جو تم کر رہے ہو۔ اور مت جھکو انکی طرف جو ظالم

ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ

ہیں پھر تم کو لگے گی آگ اور کوئی نہیں تمہارا اللہ کے سوا مددگار

اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ

پھر کہیں مدد نہ پاؤ گے اور کھڑی کر نماز دونوں سرے

النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ

دن کے اور کچھ ٹکڑوں رات کے، البتہ نیکیاں دور کرتی ہیں

السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ ج وَاصْبِرْ فَاِنَّ

برائیوں کو۔ یہ یادگاری ہے یاد رکھنے والوں کو۔ اور ٹھہرا رہ البتہ

اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿١١٥﴾

اللہ ضائع نہیں کرتا ثواب نیکی والوں کا۔

تحذیر از اختلاف و افتراق و حکم استقامت بر احکام شریعت

قَالَ اللهُ تعالیٰ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيهِ .. الی .فَإِنَّ اللهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا اب ان آیات میں یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ عنایت کی مگر لوگوں نے اس میں اختلاف کیا کسی نے مانا اور کسی نے نہ مانا اور مورد عتاب الٰہی بنے۔ لہٰذا اے مسلمانو! تم کو چاہیئے کہ ان سے عبرت پکڑو اور جو کتاب مبین ہم نے تم کو دی ہے سب مل کر اسکو مضبوطی کے ساتھ پکڑو اور تفرق و اختلاف سے پرہیز رکھو اور جادۂ شریعت پر ایسے مستقیم ہو جاؤ کہ پائے استقامت میں تزلزل نہ آنے پائے اور كَمَا أُمِرْتَ کے لفظ میں اشارہ اس طرف ہے کہ سرمو حکم سے عدولی نہ ہو حکم کے مطابق اطاعت ہو اور وَلَا تَطْغَوْا کے لفظ میں اشارہ اس طرف ہے کہ حدود شریعت سے باہر نہ جاؤ اور وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا۔ میں اشارہ اس طرف ہے کہ بے دینوں کی شان و شوکت دیکھ کر ان کی طرف مائل نہ ہو جانا اور ان کی رسوم اور ان کے طور و طریق اور معاشرۃ کو اختیار نہ کرنا اور پھر استقامت کے حکم کے ساتھ بعض مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کا حکم دیا جو استقامت میں معین اور مددگار ہیں خاص کر تواضع اور اہل دنیا سے کنارہ کشی استقامت میں بڑی معین اور مددگار ہے کس لیے کہ لَا تَطْغَوْا میں تواضع کی طرف اشارہ ہے۔ اور لَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا میں اہل دنیا اور فساق و فجار سے علیحدہ رہنا مراد ہے اور نماز جو اُمّ العبادات ہے وہ تو مؤمن کی معراج ہے جسکا وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ۔ میں حکم دیا گیا اور طرفین نہار کے نماز سے صبح اور عصر کی نماز مراد ہے جس میں ملائکۃ اللیل والنہار جمع ہوتے ہیں۔ صبح کی نماز شروع دن میں ہوتی ہے اور عصر کی نماز اخیر دن میں ہوتی ہے اسی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ صبح کی نماز اندھیرے میں نہ پڑھے بلکہ جب خوب روشنی ہو جائے اور عصر کی نماز اخیر دن میں غروب سے پہلے پڑھے جبکہ سایۂ اصلی کے سوا ہر چیز کا سایہ دوچند ہو جائے اور زُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ سے تہجد کی نماز مراد ہے۔ یہ مجموعہ مل کر پانچ امور ہوئے (۱) استقامت (۲) لَا تَطْغَوْا (۳) لَا تَرْكَنُوا (۴) مداومت بر نماز فجر و عصر (۵) نماز تہجد جس کے فضائل و برکات کی کوئی حد نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ حکم خداوندی کا اتباع موجب نجات ہے اور حکم خداوندی سے اختلاف اور انحراف موجب ہلاکت ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب توریت عطا کی تھی سو اس میں اختلاف کیا گیا۔ کسی نے مانا اور کسی نے نہ مانا بعینہٖ یہی معاملہ آپؐ کی کتاب یعنی قرآن کے ساتھ پیش آیا۔ پس آپؐ مغموم نہ ہوں اور

کافروں کے اختلاف اور تکذیب سے گھبرائیں نہیں یہ کوئی نئی بات نہیں آپؐ سے اختلاف کرنیوالے فرعونیوں کے حکم میں ہیں اور اگر حکم ازلی تیرے پروردگار کی طرف سے صادر نہ ہوچکا ہوتا کہ کافروں کو پوری سزا آخرت میں دی جائے گی۔ ابھی دنیا ہی میں انکا فیصلہ ہوچکا ہوتا اور بلا کسی تاخیر اور مہلت کے عذاب نازل کر کے انکا فیصلہ کر دیا جاتا مگر اللہ نے اپنی حکمت سے ان کے عذاب کے لیے ایک میعاد مقرر کر دی ہے اور تحقیق یہ معاندین اللہ کے فیصلہ سے شک میں پڑے ہوئے ہیں جس نے انکو قلق اور اضطراب میں ڈال رکھا ہے شکوک اور اوہام کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں اور پراگندہ دل ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ منہ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے کہ قرآن کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں کبھی کہتے ہیں جادو ہے اور کبھی کچھ اور کبھی کچھ۔ کسی ایک بات پر ان کو قرار نہیں اور تحقیق تیرا پروردگار ان سب کو انکے اعمال کی پوری پوری جزا دیگا نیکوکار کو ثواب اور بدکار کو عذاب بے شک اللہ تعالیٰ انکے اعمال سے پورا باخبر ہے اس پر انکا کوئی عمل مخفی نہیں پس آپؐ ان نابکاروں کی جزا و سزا کا معاملہ تو اس علیم و قدیر پر چھوڑ دیئے۔

بہمہ کار بندہ دانا اوست ❊ بمکافات ہم توانا اوست

لوگ حق کو قبول کریں یا نہ کریں۔ آپ اپنی ذات سے صراط مستقیم اور دین حق پر سیدھے قائم رہیئے جیسا کہ آپؐ کو حکم دیا گیا ہے اور جن لوگوں نے آپؐ کے ہمراہ توبہ کی ہے وہ بھی آپؐ کی طرح صراط مستقیم پر قائم ہو جائیں تاکہ منزل مقصود تک پہنچ جائیں استقامت کے معنی کسی چیز پر ٹھیک جم جانے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جادۂ اطاعت و محبت پر قدم کو ایسا جماؤ کہ اس میں کسی قسم کا تزلزل اور تذبذب باقی نہ رہے اور یہ حکم عقائد اور اعمال دونوں کو شامل ہے۔ عقائد میں استقامت یہ ہے کہ نہ تو مجسمہ کی طرح تشبیہ کا اعتقاد رکھے کہ جس سے خالق کی مخلوق کے ساتھ مشابہت لازم آئے اور نہ فلاسفہ کی طرح تعطیل کا قائل ہو کہ خدا تعالیٰ کو صفات کمالیہ سے عاری اور معطل جانے اور اعمال میں اعتدال کو ملحوظ رکھے افراط و تفریط نہ کرے اور ٹھیک درمیان میں چلنا اور کسی جانب ملتفت نہ ہونا اور حق اطاعت کو پورا پورا بجالانا بہت دشوار ہے اور اسی بنا پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۂ ہود نے مجھ کو بوڑھا بنا دیا اس لیے کہ استقامت نہایت سخت اور دشوار ہے اور جو حد تمہارے لیے مقرر کر دی گئی ہے اس سے تجاوز نہ کرو۔ مطلب یہ ہے کہ دین کے دائرہ سے باہر قدم نہ نکالو تحقیق اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ تمہاری اطاعت اور استقامت اور تمہارا عصیان اور طغیان اسکی نظروں کے سامنے ہے اور ظالموں یعنی حد سے نکلنے والوں کی طرف جھکو بھی مت تو عصیان اور طغیان تو بڑی چیز ہے۔ ظالموں اور فاسقوں کی طرف تو تھوڑا سا میلان اور جھکاؤ بھی بہت بُرا ہے۔ اور خطرناک ہے کیوں کہ اندیشہ ہے کہ ظالموں اور نافرمانوں کی طرف میلان اور رغبت کی بنا پر تم کو دوزخ کی آگ نہ لگ جائے اور ان کے ساتھ تم بھی آگ کی لپیٹ میں نہ آجاؤ ظالموں کی طرف میلان کے معنی یہ ہیں کہ انکے طور و طریق اور ان کے حال اور وضع کو پسند کرنے لگے جیسے کوئی انگریزی یا ہندوانی وضع قطع اختیار کرلے تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس کو کافروں کی وضع پسند ہے اور جب ظالموں کی طرف جھکنے

والوں کا یہ حال ہے تو سمجھ لو کہ خود ظالم کا کیا حال ہوگا پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے استقامت کا حکم دیا دوسری آیت میں طغیان کی ممانعت فرمائی اور تیسری آیت میں اہل طغیان اور اہل عصیان کی طرف میلان کی ممانعت فرمائی اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت پر ظاہراً و باطناً ٹھیک قائم رہو اور حدود شریعت سے باہر قدم نہ نکالو اور کسی ظالم اور نافرمان کی طرف جھکو بھی نہیں اندیشہ ہے کہ وہ تم کو کھینچتے کھینچتے دین کے دائرہ سے باہر نہ نکال دیں اور خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی تمہارا مددگار نہیں پھر اگر تم ان ظالموں کی طرف مائل ہوئے تو سمجھ لو کہ تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ خدا ان لوگوں کی مدد نہیں کرتا جو اسکے دشمنوں اور نافرمانوں کی طرف مائل اور راغب ہوں اور اے بندے! تو ان ظالموں کو چھوڑ اور اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہوجا اور دن کے دونوں سروں میں فجر اور عصر کی نماز اور کچھ رات گئے تہجد کی نماز پابندی سے پڑھا کر اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت اور میلان کا بہترین ذریعہ نماز ہے۔ خاص کر فجر اور عصر اور تہجد کی نمازیں یہ اوقات خدا تعالیٰ کے خاص انوار و تجلیات کے اوقات ہیں بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ کیونکہ نیکی نور ہے اور برائی ظلمت ہے اور ظاہر ہے کہ جب نور آئے گا تو ظلمت اور تاریکی دور ہوگی جس درجہ کا نور ہوگا اسی قدر تاریکی دور ہوگی اور خوب سمجھ لو کہ یہ بات کہ نیکیوں سے گناہ معاف ہوتے ہیں" ایک جامع نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لیے کیں کہ اس میں قاعدہ کلیہ بتلا دیا گیا کہ نیکیاں گناہوں کا کفارہ ہوتی ہیں اور نیکیوں میں نمبر اول نماز کا ہے۔ اور چوں کہ استقامت نہایت سخت اور دشوار ہے۔ اور طغیان اور ظالموں کی طرف میلان سے اپنے کو محفوظ رکھنا یہ بھی نفس پر شاق اور گراں ہے اور نماز بھی نفس پر شاق اور گراں ہے اس لیے ان سب احکام کے بعد صبر کا حکم دیتے ہیں کیونکہ الصبر مفتاح الفرج صبر کامیابی کی کنجی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے بندے! تمام اوامر اور نواہی میں عموماً اور استقامت میں اور طغیان اور میلان سے بچنے میں خصوصاً صبر سے کام لے کیونکہ صبر تمام نیکیوں کی جڑ ہے پس تحقیق اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا ظاہر کلام کا مقتضیٰ یہ تھا کہ اس طرح فرماتے فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الصَّابِرِينَ۔ مگر بجائے اس کے فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ۔ فرمایا اشارہ اس طرف ہے کہ صبر بھی حسنات میں سے ہے یا یوں کہو کہ نماز کے بعد صبر کا ذکر اس لیے کیا کہ اللہ کی مدد حاصل کرنے میں دو چیزوں کو خاص دخل ہے ایک نماز اور ایک صبر کما قال تعالیٰ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ۔

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةٍ

سو کیوں نہ ہوتے ان سنگتوں میں، تم سے پہلے کوئی لوگ جن

يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّنْ

میں اثر ہو رہا ہو کہ منع کرتے بگاڑ کرنے سے ملک میں مگر تھوڑے

أَنجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا

سے جو ہم نے بچا لیے ان میں - اور چلے وہ لوگ جو ظالم تھے اسی راہ جس میں

فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿١١٦﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ

عیش پایا اور تھے گناہ گار - اور تیرا رب ایسا نہیں کہ ہلاک کرے

الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ ﴿١١٧﴾ وَلَوْ شَاءَ

بستیوں کو زبردستی سے اور لوگ وہاں کے نیک ہوں - اور اگر چاہتا

رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً ۖ وَلَا يَزَالُونَ

تیرا رب کر ڈالتا لوگوں کو ایک راہ پر اور ہمیشہ رہتے ہیں

مُخْتَلِفِينَ ﴿١١٨﴾ إِلَّا مَن رَّحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذَٰلِكَ

اختلاف میں - مگر جن پر رحم کیا تیرے رب نے اور اسی

خَلَقَهُمْ ۗ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ

واسطے انکو پیدا کیا ہے اور پورا ہوا لفظ تیرے رب کا کہ البتہ بھروں گا دوزخ

الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١١٩﴾

جنوں سے اور آدمیوں سے اکٹھے -

اُمم سابقہ کی ہلاکت کے سببِ قریب اور سببِ بعید کا بیان

قال اللہ تعالیٰ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ .. الیٰ .. مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ

(ربط) پچھلی امتوں کا حال سنا کر یہ بتلاتے ہیں کہ انکی ہلاکت کے دو سبب ہیں ایک سبب قریب اور ایک سبب بعید اور بالفاظ دیگر ایک سبب ظاہری اور ایک سبب باطنی - سبب ظاہری تو یہ تھا کہ شہوات نفسانی اور حظوظ شہوانی کے پیرو بن گئے - اور خدا کی معصیت میں غرق ہو گئے اور علماء اور

واعظین قلیل اور مغلوب تھے انکا وعظ اور انکی نصیحت کارگر نہ ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے جو معدودے چند تھے وہ تو عذاب سے محفوظ رہے اور باقی قوم جو غرق معصیت تھی وہ سب تباہ ہوگئی۔ شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں " کہ اگر نیک لوگ غالب ہوتے تو قوم ہلاک نہ ہوتی تھوڑے تھے سو آپ بچ گئے اور سبب باطنی یہ تھا کہ اللہ کا ارادہ اور اس کی مشیت اور اسکی حکمت بھی تھی کہ سب لوگ ایک راہ پر نہ چلیں بلکہ مختلف رہیں کچھ ایمان لائیں جن پر اللہ کی رحمت ہو اور کچھ کفر کریں جن پر اللہ کا قہر نازل ہو "۔ امم سابقہ کی معصیت اور انکا فسق و فجور ، انکی ہلاکت کا سبب ظاہری تھا۔ اور قضاء و قدر اور مشیت خداوندی اسکا سبب باطنی تھا جو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ پس کیوں نہ ہوئے پہلی امتوں میں سے جنکو ہم نے نافرمانی اور سرکشی کے باعث ہلاک کیا۔ ایسے ذی رائے اور صاحب عقل لوگ جو لوگوں کو زمین میں فساد کرنے سے یعنی کفر و معصیت کرنے سے منع کرتے تاکہ ان پر عذاب نہ آئے لیکن تھوڑے لوگ ایسے تھے جو لوگوں کو کفر اور شرک اور بداعمالی سے منع کرتے تھے مگر وہ مغلوب تھے قوم کے لوگ انکا کہنا نہیں مانتے تھے قوم میں سے ہم نے انکو عذاب سے بچا لیا کیونکہ یہ قلیل افراد لوگوں کو کفر اور شرک اور معصیت کے فتنہ اور فساد سے منع کرتے تھے۔ یہ تو عذاب سے بچ گئے اور باقی قوم تباہ ہوگئی اور جو لوگ ظالم تھے وہ اس راہ کو لگ لیے جس میں عیش و عشرت کا سامان تھا یعنی وہ لذات و شہوات کے پیچھے دوڑ پڑے اور عذاب الٰہی سے تباہ ہوئے اور تھے یہ لوگ بڑے ہی مجرم۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں جسکا حاصل یہ ہے کہ " گزشتہ قرون میں ایسے بقایا اہل خیر کیوں نہ ہوئے کہ جو لوگوں کو شرور اور منکرات سے نہی کرتے۔ ہاں ایسے لوگ قلیل ہوتے ہیں۔ انہی کو اللہ نے اپنے عذاب سے بچا لیا لہٰذا اللہ نے اس امت کو حکم دیا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریئے۔ کما قال تعالےٰ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ الاٰیۃ۔ پھر فرمایا کہ ظالم معاصی پر مستمر رہے اور انہوں نے کچھ التفات نہ کیا یہاں تک کہ ناگہاں ان پر عذاب آگیا " آہ آگے فرماتے ہیں اور نہیں ہے۔ تیرا پروردگار کہ بستیوں کو ظلم کے ساتھ ہلاک کرے۔ یعنی بلاوجہ اور بلا جرم انکو ہلاک کرے اور درآنحالیکہ وہاں کے باشندے نیکوکار ہوں۔ یعنی اللہ تعالےٰ کسی کو زبردستی پکڑ کر ہلاک نہیں کرتا۔ درآنحالیکہ وہاں کے باشندے اپنی حالت کے درست کرنے کی طرف متوجہ ہوں نیکی کو رواج دیتے ہوں اور ظلم اور فساد کو روکتے ہوں یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہوں تو خداوند قدوس ایسی حالت میں کسی بستی کو ہلاک نہیں کرتا اللہ تعالےٰ کا عذاب قریۂ ظالمہ پر آتا ہے۔ قریۂ مصلحہ پر نہیں آتا۔ کما قال تعالیٰ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ الاٰیۃ آیت کی یہ تفسیر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ (دیکھو زاد المسیر صـ ۱۷۱ ج ۴) اور ابن جریرؒ یہ کہتے ہیں کہ آیت میں ظلم سے شرک مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ محض شرک کی وجہ سے کسی بستی کو ہلاک نہیں کرتا درآنحالیکہ وہاں کے باشندوں کے باہمی معاملات درست ہوں محض شرک کی وجہ سے بستی پر ایسا عذاب نہیں آتا کہ جس سے بستی بالکل

تباہ ہو جائے۔ بلکہ ایسا عذاب اس وقت آتا ہے کہ جب لوگ باہم ایک دوسرے پر ظلم اور زیادتی کرنے لگیں۔ پس جن قوموں پر عذاب نازل ہوا وہ محض شرک کی وجہ سے نازل نہیں ہوا بلکہ انبیاء کرام کی تکذیب اور تمسخر اور قتل ناحق اور ایذا رسانی اور اہل ایمان پر ظلم و ستم کی وجہ سے آیا اللہ تعالیٰ اپنے حق میں چشم پوشی کرتا ہے اور حقوق العباد میں سختی کرتا ہے اور کفر اور شرک پر جو عذاب شدید والیم ہوگا وہ آخرت میں ہوگا۔ اور حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں آیت کا وہی مطلب اختیار کیا جس کو ہم نے ابن عباسؓ سے نقل کیا اور جلال الدین سیوطیؒ نے جلالین میں اور قاضی ثناء اللہؒ نے بھی تفسیر مظہری ص ۶۶ ج ۵ میں اسی تفسیر کو اختیار کیا اور شاہ عبدالقادرؒ نے بھی اسی تفسیر کو اختیار کیا اور ابن عطیہؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا اسی لیے میرے نزدیک بھی راجح قول اول ہے اس لیے کہ کفر اور شرک سے بڑھ کر کوئی جرم اور ظلم نہیں اور ایمان سے بڑھ کر کوئی صلاح اور خیر نہیں۔ عذاب کی اصل علت کفر اور شرک ہے اور نجات کا سبب اصل ایمان اور اتباع شریعت ہے اور اے نبیؐ! اگر تیرا پروردگار چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی دین پر کر دیتا۔ لیکن اللہ کی حکمت تکوینی اس کی مقتضی نہیں۔ کہ سب کو ایک ہی راہ پر ڈال دے۔ تکوین عالم سے اسکا مقصود یہ ہے کہ اس کی صفات جمالیہ اور صفات جلالیہ دونوں ہی کا ظہور ہو۔ اس لیے مظاہر کا مختلف ہونا ضروری ہوا پس جنت اور اہل ایمان کو اپنے لطف و جمال اور جود و نوال کا مظہر بنایا اور دوزخ کو اور اہل کفر کو صفت جلال اور شان قہر کا مظہر بنایا۔ ؎

در کار خانۂ عشق از کفر ناگزیر است ❊ دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نباشد

اور لوگ ہمیشہ — مختلف رہیں گے۔ کوئی دین حق کو قبول کرے گا اور کوئی نہیں۔ مگر جس پر تیرا پروردگار رحم کرے اسکو اختلاف سے محفوظ رکھیگا اور دین حق اور صراط مستقیم پر لگا دیگا اور اسی اختلاف اور رحمت کے لیے لوگوں کو پیدا کیا یعنی بعض کو دوزخ کے لیے اور بعض کو جنت کے لیے اور اسی اختلاف کے لیے پیدا کرنے کی وجہ سے تیرے پروردگار کی یہ بات پوری ہوئی کہ میں بلاشبہ جہنم کو جنوں اور آدمیوں سے بھر دوں گا۔ تاکہ مغضوبین پر اس کی صفت غضب ظاہر ہو۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا

اور سب بیان کرتے ہیں ہم تیرے پاس رسولوں کے احوال سے

نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَ

جس سے ثابت کریں تیرا دل اور آئی تجھ کو اس سورت میں تحقیق بات اور

مَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿١٢٠﴾

نصیحت اور سمجھوتی ایمان والوں کو۔

تنبیہ بر بعض حکمتہائے حکایت قصص مذکورہ

قال اللہ تعالیٰ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ ... الی ... وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ٥

(ربط) اوپر کی آیت میں واقعاتِ ہلاکت کے وقوع کی علت اور حکمت بیان کی کہ یہ واقعاتِ ہلاکت کیوں پیش آئے۔ اب اس آیت میں ان قصص اور واقعات کے حکایت اور ذکر کی بعض حکمتوں پر تنبیہ فرماتے ہیں اور بالفاظ دیگر گزشتہ آیت میں محکی عنہ کے وقوع کی علت اور حکمت کا بیان تھا اور اس آیت میں نفس حکایت کی علت اور حکمت کا بیان ہے جسکا حاصل ۱ تقویت قلب اور موعظت و نصیحت اور عبرت ۲ ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی ہم رسولوں کی خبروں میں سے تم پر ہر قسم کی خبر بیان کرتے ہیں۔ یعنی انبیاء کرام کے وہ حالات جو انکو ادائے رسالت اور قوم کی سرکشی اور ایذاء رسانی اور بالآخر انکی ہلاکت کے گزرے ہیں ہم تجھ کو ان واقعات میں سے کچھ سناتے ہیں دو فائدوں کے لیے (اوّل) یہ کہ تیرے دل کو تقویت پہنچائے کہ انکو سن کر آپ کو سکون اور اطمینان ہو جائے کہ دعوت و تبلیغ میں انبیاء کرام کو یہ یہ حالات پیش آئے اور انبیاء نے ان جاہلوں کی ہلاکت اور اذیت پر کس طرح صبر کیا۔ بالآخر انبیاء اور ان کے متبعین نے نجات پائی اور انکے دشمن عذاب الٰہی سے تباہ و برباد ہوئے اور (دوسرا) فائدہ یہ ہے کہ ان واقعات کے ضمن میں حق آپکے سامنے آگیا کہ حق ایسا ہوتا ہے کہ ابتداءً ضعیف اور ناتواں ہوتا ہے اور آخر میں ایسا قوی اور جوان ہوتا ہے کہ بڑے بڑے متکبروں اور سرکشوں کو زمین پر پچھاڑتا ہے اور دنیا کو باطل کی ذلت کا تماشا دکھاتا ہے اور ان واقعات میں اہل ایمان کے لیے نصیحت اور عبرت ہے۔ نصیحت تو یہ ہے کہ آئندہ میں ایسا نہ کریں۔ اور عبرت یہ ہے کہ ان واقعات کو سن کر اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور پناہ مانگیں کہ اے اللہ تو ہم کو ان تباہ کاروں کے راستہ سے دور رکھنا۔

وَقُل لِّلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اعْمَلُوا عَلَىٰ

اور کہہ دے انکو جو یقین نہیں کرتے کام کیے

مَكَانَتِكُمْ إِنَّا عَامِلُونَ ﴿١٢١﴾ وَانتَظِرُوا إِنَّا

جاؤ اپنی جگہ ہم بھی کام کرتے ہیں۔ اور راہ دیکھو ہم بھی

مُنتَظِرُونَ ﴿١٢٢﴾ وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

راہ دیکھتے ہیں۔ اور اللہ کے پاس ہے چھپی بات آسمانوں کی اور زمین کی

وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ

اور اسی کی طرف رجوع ہے کام سارا ، سو اس کی بندگی کر اور اس پر بھروسہ رکھ

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۲۳﴾

اور تیرا رب بے خبر نہیں جو کام کرتے ہو۔

ع ۱۴ ۱۰

خاتمہ سورت مشتمل بر تہدید عدم قبول ذکری و موعظت

قال اللہ تعالیٰ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ .. الیٰ .. وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ

(ربط) گزشتہ آیت میں یہ بتلایا کہ اس سورت میں حق کی حقیقت خوب واضح ہوگئی اور اہل ایمان کے لیے نصیحت آگئی اب اس آیت میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ جب حق آگیا اور حجت پوری ہوگئی اس پر بھی اگر کوئی نہ مانے تو آپؐ کہدیجئے کہ اچھا تم اپنی اسی حالت پر رہو اور نتیجہ کا انتظار کرو۔ عنقریب تمکو اپنے خبط کا پتہ چل جائیگا اور لے نبی آپؐ انکے عناد سے دلگیر نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگے رہیئے اور اللہ پر بھروسہ رکھیئے پھر سورت کو اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم اور کمالِ قدرت کے بیان پر ختم کیا جس سے سورت کا آغاز ہوا تھا چنانچہ فرماتے ہیں اور جو لوگ باوجود ان براہین قاطعہ کے ایمان نہیں لاتے اور گزشتہ قوموں پر جو عذاب نازل ہوا اسکی پرواہ نہیں کرتے آپؐ ان سے کہدیجئے تم اپنی جگہ پر کام کیے جاؤ ہم اپنی جگہ پر کام کر رہے ہیں۔ جیسا ہم کو ہمارے پروردگار نے حکم دیا اور نتیجہ کا انتظار کرو اور تحقیق ہم بھی نتیجہ کے منتظر ہیں۔ عنقریب حق اور باطل سامنے آجائیگا۔ مگر وہ نتیجہ فی الحال پوشیدہ ہے چند روز کے بعد پردۂ غیب سے نمودار ہوگا اور اللہ ہی کے لیے ہیں چھپی باتیں آسمانوں کی اور زمین کی یعنی اللہ کو ذرہ ذرہ کا علم ہے آسمان اور زمین کی کوئی بات اس سے چھپی ہوئی نہیں۔ خفی اور جلی، معدوم اور موجود اسکے نزدیک سب برابر ہیں۔ اور اسی کی طرف سب کام کا رجوع ہے یعنی دنیا اور آخرت کے تمام امور کی باگ اسکے ہاتھ میں ہے اس لیے اس کے نتیجہ اور فیصلہ کا انتظار ضروری ہے۔

پس جب یہ معلوم ہوگیا کہ وہی غیب کا جاننے والا ہے اور تمام امور کا مرجع اور منتہیٰ ہے تو آپؐ ہمہ تن اللہ کی عبادت میں لگ جایئے اور اسی پر بھروسہ رکھیئے اور ہمہ تن اللہ کی طرف متوجہ ہو جانا۔ اور اسی پر تکیہ اور بھروسہ کرنا ہی وہ استقامت ہے جسکا آپؐ کو حکم دیا گیا ہے۔ پس ان کافروں اور مشرکوں اور منافقوں کا معاملہ اللہ کے سپرد کیجیئے اور تیرا پروردگار تم سب لوگوں کے اعمال سے غافل نہیں تمہارا اخلاص اور انکا کفر و نفاق سب اسکے علم میں ہے مطلب یہ ہے کہ آپؐ ان کفار اور منافقین

کی عداوت سے دلگیر نہ ہوں انکا معاملہ اللہ کے سپرد کیجئے اور نتیجہ کا انتظار کیجئے۔

کعب احبارؓ سے منقول ہے کہ توریت کا شروع وہ ہے جو سورۂ انعام کا شروع ہے اور توریت کا خاتمہ وہ ہے جو سورۂ ہود کا خاتمہ ہے یعنی وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ... الی آخر السورۃ اخرجہ ابن جریر وغیرہ (تفسیر قرطبی ص۱۱۶ ج۹ وتفسیر ابن کثیر ص۴۶۶ ج۲)

والحمد لله اولاً و آخراً و باطناً و ظاهراً ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب و صلى الله تعالى على خير خلقه سيدنا محمد و على آله و اصحابه و ذرياته اجمعين وسلم كثيراً كثيراً و علينا معهم يا ارحم الراحمين و يا اكرم الاكرمين و يا اجود الاجودين آمين آمين يا رب العالمين

الحمد للہ کہ آج بروز شنبہ ۲ جمادی الاولی ۱۳۸۸ھ کو بوقت ۱/۲ ۷ بجے دن کے سورۂ ہود کی تفسیر سے فراغت ہوئی اور اسے اللہ تواپنی رحمت سے باقی تفسیر کی بھی توفیق عطا فرما۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم و يا رب ارزقنا الاستقامة على دينك وسنة نبيك محمد صلى الله عليه وسلم۔ آمين يا رب العالمين۔



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر سورۂ یوسف علیہ السلام

سورۂ یوسف علیہ السلام مکی ہے اس میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں چونکہ اس سورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصّہ بیان ہوا ہے اس لیے یہ سورت اس نام سے موسوم ہوئی۔ گزشتہ سورت میں مختلف پیغمبروں کے قصّے بیان کیے گئے اور اس سورت میں صرف ایک نبی کے قصّہ کا بیان ہے۔ حق جل شانہٗ نے قرآن کریم میں پیغمبروں کے قصّے مختلف وجوہ کے ساتھ مکرّر سہ کرّر بیان کیے ہیں مگر یوسف علیہ السلام کا قصہ مکرر نہیں بیان کیا گیا۔ کیونکہ یہ قصّہ لوگوں کی فرمائش کی بنا پر نازل ہوا۔ اس لیے یکجا بیان ہوا اور مکرر نہیں لایا گیا اور اسی طرح اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا قصّہ بھی لوگوں کی فرمائش کی بنا پر نازل ہوا اس لیے یہ دو قصّے بھی یکجا بیان ہوئے اور مکرر نہیں لائے گئے۔

(ربط) گزشتہ سورت یعنی سورۂ ہود میں بھی اثبات نبوت اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تسلّی کے لیے انبیاء سابقین کے قصے ذکر کیے اسی طرح سورۂ یوسف میں بھی یوسف صدّیق علیہ السلام کا قصّہ تفصیل سے بیان کیا گیا کیونکہ یہ قصہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حال سے بہت مشابہت رکھتا ہے یوسف علیہ السلام کی طرح آپؐ کی نبوت کا آغاز بھی رؤیائے صالحہ سے ہوا۔ جیساکہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے اوّل مابدئ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرؤیا الصالحۃ فکان لایری رؤیا الا جاءت مثل فلق الصبح۔

پس جیساکہ یوسف علیہ السلام کی نبوت کا آغاز رؤیائے صالحہ سے ہوا۔ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا آغاز رؤیائے صالحہ سے ہوا۔

اور پھر جیساکہ یوسف علیہ السلام پر ان کے بھائیوں نے حسد کیا اور طرح طرح کی انکو تکلیفیں پہنچائیں۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو صبر اور استقامت کی برکت سے عزت اور غلبہ نصیب فرمایا اور جب کامیابی دیکھی تو بھائیوں سے کوئی انتقام نہ لیا بلکہ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَکُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔ کہہ کر درگزر فرمایا اور کبھی بھی کوئی حرف شکوہ اور شکایت کا زبان پر نہیں آیا اور مزید برآں ان کو انعام واکرام سے سرفراز فرمایا اور وعدۂ خداوندی وَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ کا ظہور اس طرح ہوا۔

اسی طرح سمجھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش سے بہت سی تکلیفیں پہنچیں اور آپؐ نے حسب ارشاد خداوندی استقامت اور صبر سے کام لیا بالآخر جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو اس وقت آپؐ نے قریش پر کوئی ملامت نہیں کی

اور نہ گزشتہ کا کوئی شکوہ کیا بلکہ یوسف علیہ السلام کی طرح یہ فرمایا۔ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ اذهبوا انتم الطلقاء اور یوسف علیہ السلام کی طرح آپ نے بھی طلقاء قریش کو غنائم حنین میں سے بطور تالیف قلب سو سو اونٹ عطا کیے تاکہ اسلام کی کراہت ونفرت مبدل بہ الفت ومؤانست ہوجائے الاحسان یستعبد الانسان۔ احسان انسان کو غلام بنا دیتا ہے اور یوسف علیہ السلام کی سنت کا اتباع ہوجائے کہ جس طرح یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ساتھ سلوک اور احسان کیا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ سلوک اور احسان فرمائیں۔

نیز اس قصہ سے یوسف علیہ السلام کی عصمت اور عفت اور طہارت اور نزاہت کو بیان کرنا ہے کہ باوجود قوت شباب کے کس درجہ عورتوں کے کید سے محفوظ رہے، تاکہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ انبیاء کرامؑ کی عصمت اور عفت اور طہارت ایسی ہوتی ہے کہ کسی حال میں نفس اور شیطان کا ان پر بس نہیں چلتا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ جب ابلیس لعین بارگاہ خداوندی سے مردود ہوا تو یہ کہا فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ۔ یعنی قسم ہے تیری عزت کی کہ میں بنی آدم کے اغوا میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھوں گا مگر ان میں سے جو تیرے مخلص اور برگزیدہ بندے ہیں انکو نہیں بہکا سکوں گا اور اللہ تعالٰی نے بھی اس امر کی تصدیق فرمادی۔ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ۔ بے شک میرے خالص بندوں پر تیرا کوئی زور نہ چل سکے گا۔ معلوم ہوا کہ عباد مخلصین پر نفس اور شیطان کا کوئی بس نہیں چلتا اور نفس اور شیطان کے اثر سے محفوظ اور مامون رہنے کا نام ہی عصمت ہے۔

جس سے ثابت ہوا کہ کل انبیاء معصوم ہیں اس لیے کہ کل انبیاء بنص قرآن۔ عباد مخلصین ہیں جو شیطان کے اغوا سے بالکلیہ محفوظ اور مامون ہیں۔

اور یوسف علیہ السلام بھی خدا تعالٰی کے عباد مخلصین میں سے ہیں جیسا کہ حق تعالٰی کا ارشاد ہے۔ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ۔ نیز جس طرح حضرت نوح اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کے واقعات کا ذکر کرنا آپؐ کی نبوت کی دلیل ہے۔ کما قال تعالٰی تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا اسی طرح یوسف علیہ السلام کا قصہ بھی انباء الغیب سے ہے اللہ کی وحی سے اسکا بیان کرنا بھی قرآن کے کتاب اللہ ہونے کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے۔

اور علاوہ ازیں اس قصہ میں آپؐ کی تسلی بھی ہے کہ یوسف علیہ السلام کی طرح بھائیوں کی ایذا رسانیوں پر صبر کیجئے اور جادۂ حق پر قائم اور مستقیم رہیئے اور نتیجہ کا انتظار کیجئے۔

شانِ نزول ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپؐ ہم کو کوئی قصہ سنائیں اس پر یہ قصہّ نازل ہوا اور بعض کہتے ہیں کہ یہود نے مشرکین کے ذریعے امتحاناً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بنی اسرائیل کے ملک مصر میں آباد ہونے کی وجہ دریافت کی تھی کہ بنی اسرائیل تو شام میں رہتے تھے وہ مصر میں کیسے پہنچے اسکے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی کہ عجیب وغریب بصائر وعبر پر مشتمل ہے اور اس بات کا جواب ہے کہ بنی اسرائیل شام سے چل کر کس طرح مصر میں آباد ہوئے۔

اٰیَاتُھَا ۱۱۱ | ۱۲ : سُوْرَةُ یُوْسُفَ مَكِّیَّةٌ : ۵۳ | رُكُوْعَاتُھَا ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۟ۚ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا

یہ آیتیں واضح کتاب کی۔ ہم نے اسکو اتارا ہے قرآن

عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۟ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ

عربی زبان کا، شاید تم بوجھو۔ ہم بیان کرتے ہیں تیرے پاس

اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖۗ

بہتر بیان، اس واسطے کہ بھیجا ہم نے تیری طرف یہ قرآن۔

وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ ۟

اور تو تھا اس سے پہلے البتہ بے خبروں میں۔

حقانیت قرآن حکیم وتمہید قصہّ

قال اللہ تعالیٰ الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ... الیٰ... لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ ۝
(ربط) اس سورت کا آغاز سورۂ یونس کے آغاز سے مشابہ ہے قرآن کریم کے ذکر سے اس

قصہ کو شروع فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں۔

الٓرٰ یہ متشابہات میں سے ہے۔ سوائے حق تعالیٰ کے کسی کو اس کی مراد معلوم نہیں۔ جمہور کے نزدیک راجح اور مختار قول یہی ہے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ متشابہات۔ اللہ اور اسکے رسولؐ کے درمیان راز ہیں۔ سوائے رسول کے کسی کا مرتبہ نہیں کہ وہ ان اسرار کو سمجھ سکے مفصل کلام سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے یہ آیتیں ایسی کتاب کی ہیں جو واضح اور روشن ہے۔ حق اور باطل کے فرق کو خوب واضح کرتی ہے ہم نے اس کتاب کو قرآن عربی بنا کر بھیجا ہے تاکہ اے اہل عرب تم اس کے مطالب اور معانی کو خوب اچھی طرح سمجھ سکو اور تم پر حجت تام ہو جائے ہم آپ کے سامنے بہترین قصہ بیان کرتے ہیں بذریعہ اس قرآن کے جو ہم نے آپ کے پاس بذریعہ وحی بھیجا ہے یعنی یہ قرآن جو ہم نے بذریعہ وحی تجھ پر نازل کیا ہے اسکے ذریعے تجھ کو بہترین قصہ سناتے ہیں۔ اور تحقیق آپؐ اس سورت کے نازل ہونے سے پہلے بےخبروں میں سے تھے۔ آپؐ کو اس قصہ کی خبر نہ تھی اور اس قصہ کو احسن القصص یعنی بہترین قصہ اس لیے فرمایا کہ اس قصہ میں عبرتیں اور حکمتیں ہیں اور نکات ہیں اور اس میں بادشاہوں سے غلاموں تک برتاؤ اور عورتوں کے مکر و فریب کا اور دشمنوں کے ایذاء پر صبر کا اور قدرت کے وقت عفو اور جود و کرم کا بیان ہے اور حاسد اور محسود کے انجام کا بیان ہے حسد کا انجام نقصان اور خذلان ہے اور صبر مفتاح الفرج ہے اور عفت و پاکدامنی موجب عزت و رفعت ہے سورۂ ہود کے ختم پر صبر اور استقامت کا ذکر تھا اس قصہ کو ذکر کر کے بتلا دیا کہ صبر اور استقامت ایسا ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے غیابت الجب اور امرأۃ العزیز کی تہمت اور جیلخانہ کی مصیبت اور باپ کی مفارقت وغیرہ وغیرہ پر کس طرح صبر کیا۔

نیز یہ واقعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی دلیل ہے کہ آپؐ وحی الٰہی سے صحیح صحیح واقعات بیان فرماتے ہیں جو آپؐ نے نہ دیکھے اور نہ کسی سے سنے اور نہ کہیں پڑھے اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس قصہ کو احسن القصص اس لیے فرمایا کہ یہ قصہ جن آدمیوں کا ہے وہ سب آدمیوں میں احسن اور اجمل تھے اور بعض نے کہا ہے کہ احسن القصص کے معانی اعجب القصص کے ہیں یعنی یہ قصہ بہت ہی عجیب ہے۔

إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ

جس وقت کہا یوسف نے اپنے باپ کو اے باپ! میں نے دیکھے

أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي

گیارہ تارے اور سورج اور چاند، دیکھے میرے تئیں

سَاجِدِينَ ④ قَالَ يَا بُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ

سجدہ کرتے۔ کہا اے بیٹے مت بیان کر خواب اپنا

عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ

اپنے بھائیوں پاس پھر وہ بنا دیں گے تیرے واسطے کچھ فریب البتہ شیطان ہے

لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۞۵ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ

انسان کا صریح دشمن - اور اسی طرح نوازے گا تجھ کو تیرا رب

وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ

اور سکھا دے گا کل بٹھانی باتوں کی اور پورا کرے گا

نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا

اپنا انعام تجھ پر اور یعقوب کے گھر پر جیسا پورا کیا ہے

عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ

تیرے دو باپ دادوں پر پہلے سے ابراہیم اور اسحٰق پر البتہ

رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۞۶

تیرا رب خبردار ہے حکمتوں والا -

آغاز قصہ رؤیائے صالحہ وصادقہ

قال تعالیٰ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ... الی... اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۞

(ربط) اب یہاں سے احسن القصص کا بیان شروع ہوتا ہے جس کی ابتداء ایک رؤیائے صالحہ سے ہوئی چنانچہ فرماتے ہیں یاد کرو اس وقت کو کہ جب یوسف ؑ نے اپنے باپ یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ اے میرے پیارے باپ میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے تحقیق میں نے خواب میں دیکھا گیارہ ستاروں کو اور سورج اور چاند کو وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں گیارہ ستاروں سے یوسف علیہ السلام کے بھائی مراد ہیں اور سورج اور چاند سے انکے باپ اور خالہ مراد ہیں اور سجدہ سے یہ مراد ہے کہ سب ایک دن انکے آگے جھکیں گے بالجملہ یہ خواب یوسف علیہ السلام کے رفعت شان اور علو مرتبہ پر دال ہے - یعقوب علیہ السلام سنتے ہی

خواب کی تعبیر سمجھ گئے اور ڈرے کہ یوسفؑ کے بھائی سنیں گے تو در پئے حسد ہونگے اس لیے یعقوب علیہ السلام نے از راہِ شفقت فرمایا اے میرے چھوٹے بیٹے تو اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں سے نہ بیان کرنا۔ کیونکہ وہ سنتے ہی اس کی تعبیر سمجھ جائیں گے کہ یہ خواب یوسفؑ کی منزلت عالی کی اور بھائیوں کے خضوع کی نشانی ہے پس یہ خواب سن کر تجھ سے حسد کریں گے اور تیری ایذا رسانی کے لیے کوئی حیلہ اور فریب کریں گے تحقیق شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے ذرا موقع ملے تو رشک اور حسد کا وسوسہ دل میں ڈال دیتا ہے۔ اور طرح طرح کے مکر و فریب پر آمادہ کرتا ہے اور حسد کی آگ دل میں بھڑکاتا ہے اور جس طرح خدا نے تجھے خواب کے ذریعہ عزت اور رفعت اور برگزیدگی کی بشارت دی ہے اسی طرح تیرا پروردگار تجھ کو برگزیدہ بنائے گا یعنی عزتیں اور درجات عالیہ تجھ کو عطا کرے گا۔ جن میں تیری سعی اور کوشش کو دخل نہ ہوگا اور تجھ کو خوابوں کی تعبیر سکھلائے گا تاکہ تو خوابوں کے ذریعے اشارات غیبیہ اور پیش آنے والے واقعات کو سمجھ سکے اور اس کے علاوہ اور نعمتیں دیکر بھی تم پر اور خاندانِ یعقوب پر اپنے انعام کو کامل کرے یعنی دنیا و آخرت کی ایسی بھلائیاں تم کو عطا کرے جو تام اور کامل ہوں اور ان میں کوئی نقصان نہ ہو۔ جیساکہ اسکے قبل تمہارے دونوں باپ یعنی ابراہیم اور اسحاق علیہما السلام پر انعام کامل کرچکا ہے اس مقام پر یعقوب علیہ السلام نے ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ کا ذکر کیا اور تواضعاً اپنا ذکر نہیں کیا۔ البتہ تیرا پروردگار خوب دانا اور حکمت والا ہے یعنی جو جس لائق ہے وہی اسکو دیتا ہے مطلب یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کا ارادہ یہ ہے کہ آباء و اجداد کی طرح تجھ کو اپنی نعمتوں سے نوازے اور جسے خدا نوازنا چاہتا ہے اسکا کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔

فائدہ پہلی شریعتوں میں بطور تحیت و سلام سجدہ تعظیمی جائز تھا ہماری شریعت میں حرام ہوگیا۔

خواب کی حقیقت

رؤیا کے معنی خواب کے ہیں اس کی تین قسمیں ہیں۔

(اوّل حدیثِ نفس) جسکا لفظی ترجمہ "دل کی باتیں" ہیں۔ انسان دن میں جس کام میں مشغول اور منہمک ہو رات کو بھی خواب میں اسکو وہی چیزیں نظر آتی ہیں جیساکہ عاشق کو خواب میں طرح طرح سے اپنا معشوق ہی دکھلائی دیتا ہے اور بلّی کو خواب میں گوشت کے چھیچھڑے نظر آتے ہیں جیسے الیکشن کی دھن ہوتی ہے اسے خواب میں اسمبلی ہال ہی کی چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔

(دوّم اضغاثِ احلام) جسکا لفظی ترجمہ "خواب پریشان" ہے نفس اور شیطان کے القاء سے جو چیزیں خواب میں دکھائی دیں وہ اضغاثِ احلام ہیں اور احتلام بھی اسی قبیل سے ہے خواب کی یہ دو قسمیں فاسد ہیں انکی کوئی تاویل اور تعبیر نہیں۔

(خواب کی تیسری قسم) رؤیائے صالحہ ہے یعنی درست خواب کہ جو وساوسِ شیطانی اور ہواجس نفسانی سے پاک ہو ایسا ہی خواب حقیقتاً خواب ہوتا ہے اور محتاج تعبیر ہوتا ہے اور ایسے ہی خواب کو حدیث

میں رؤیائے صالحہ اور جزو نبوت بتلایا گیا ہے اس قسم کا خواب القاء ربانی ہوتا ہے اور مؤید بنور الٰہی ہوتا ہے جمہور متکلمین اور مفسرین اور اولیاء اور محدثین اور عارفین فرماتے ہیں کہ رؤیائے صالحہ ایک قسم کا روحانی مشاہدہ ہے کہ جب انسان سو جاتا ہے اور اس کے حواس ظاہرہ معطل ہو جاتے ہیں تو اس حالت میں روح عالم غیب کی چیزوں کو دیکھتی ہے اور سنتی ہے روح کبھی اللہ کا کلام سنتی ہے اور کبھی فرشتوں کا کلام سنتی ہے اور اس عالم کی چیزوں کو دیکھتی ہے اور یہ روحانی مشاہدہ کبھی اصل حقیقت کا ہوتا ہے اور کبھی صُورِ مثالیہ کے ذریعے ہوتا ہے جس سے آئندہ واقعات کی طرف برنگ تمثیل و تشبیہ اشارہ اور تنبیہ مقصود ہوتی ہے جیسے یوسف علیہ السلام کو گیارہ ستارے سجدہ کرتے ہوئے دکھلائے گئے برنگِ تمثیل آئندہ پیش آنے والے واقعہ سے آگاہ کر دیا گیا۔

اور چونکہ حضرات انبیاءؑ کے نفوس قدسیہ نفس اور شیطان اور وہم اور خیال کی مداخلت سے پاک اور منزہ ہوتے ہیں اس لیے ان کا خواب وحیِ قطعی اور معصوم عن الخطاء ہوتا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام کا خواب يٰبُنَيَّ اِنِّىْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّىْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى۔ اور اولیاء چونکہ معصوم نہیں ہوتے اس لیے ان کا خواب وحی تو نہیں ہوتا لیکن وحی نبوت کا ایک عکس اور پرتو ہوتا ہے جس درجہ کی ولایت ہوگی اسی درجہ کے مطابق رؤیا کا صلاح اور صدق ہوگا اور عوام المسلمین چونکہ کدورات نفسانیہ اور ظلمات باطنیہ میں مبتلا رہتے ہیں ان کا خواب کبھی صادق ہوتا ہے اور کبھی کاذب۔

خلاصہ کلام یہ کہ خواب کی تین قسمیں ہیں ایک[1] حدیث نفسانی اور دوم[2] حدیثِ شیطانی، سوم[3] القائے ربانی اور رؤیائے حقانی اوّل کی دو قسمیں فاسد اور کاسد ہیں تیسری قسم وحی رؤیائے حقانی ہے جس کو حدیث میں رؤیائے صالحہ اور رؤیائے صادقہ کہا گیا ہے۔ (دیکھو اشارات المرام عن عبارات الامام ص ۱۵۸)

تعبیر خواب

اور تعبیر خواب کبھی تو الہام یزدانی اور القاء ربانی سے ہوتی ہے جیسا کہ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ میں تعبیر سے وہ تعبیر مراد ہے جو تعلیم ربانی اور القاء رحمانی سے ہو ایسی تعبیر قطعی اور یقینی ہوتی ہے۔

اور کبھی خواب کی تعبیر عقل سلیم اور خداداد فہم و فراست سے ہوتی ہے اس میں کبھی خطاء اور لغزش بھی ہو جاتی ہے۔

بعض فلاسفر کہتے ہیں کہ رؤیا (خواب) محض ایک خیال باطل ہے جس کی کوئی حقیقت واقعیہ نہیں اس لیے کہ نوم ادراک کی ضد ہے حالت نوم میں ادراک عقلاً ناممکن اور محال ہے۔

حضرات متکلمین فرماتے ہیں کہ حق جل شانہٗ جس طرح بحالت بیداری دل میں علوم اور ادراکات کا القاء فرماتے ہیں اسی طرح وہ اپنی قدرت کاملہ سے بحالتِ خواب سونے والے کے دل میں علوم اور ادراکات کا القاء فرماتے ہیں حواس ظاہری ادراک اور احساس کی علت تامہ نہیں اصل علت حق جل شانہٗ کی قدرت، اور اس کا ارادہ اور اسکی مشیّت اور اسکی تخلیق ہے اور اسکی قدرت و مشیت کے اعتبار سے حالت نوم اور یقظہ سب

برابر ہیں یہ حواسِ ظاہرہ جو اسی کی مخلوق ہیں ادراک ظاہری کی علامتیں ہیں جو محض علامت کے درجہ میں ہیں علت کے درجہ میں نہیں۔

یونان کے نادانوں نے ایک ظاہری علامت کو جو اسی کی پیدا کردہ تھی اس کو ادراک کی علت تامہ سمجھ لیا اور خواب کی حالت میں جب انکو ادراک کی کوئی ظاہری علامت نظر نہ آئی تو خواب کی حقیقت ہی کا انکار کر بیٹھے اور کہہ دیا کہ خواب کی کوئی حقیقت واقعیہ نہیں بلکہ ایک وہمی اور خیالی چیز ہے خوب سمجھ لو کہ خواب تو بلاشبہ ایک حقیقت واقعیہ ہے مگر اسکا انکار وہ وہم فاسد اور خیال کاسد ہے۔

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِّلسَّائِلِينَ ۝٧

البتہ ہیں یوسف کے مذکور میں۔ اور بھائیوں کے، نشانیاں پوچھنے والوں کو۔

إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰ أَبِينَا مِنَّا

جب کہنے لگے البتہ یوسف اور اس کا بھائی زیادہ پیارا ہے ہمارے باپ کو ہم

وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ۚ إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝٨

سے اور ہم قوت کے لوگ ہیں۔ البتہ ہمارا باپ خطا میں ہے صریح۔

اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ

مار ڈالو یوسف کو یا پھینک دو کسی ملک میں کہ اکیلی رہے تم پر توجہ

أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِن بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ۝٩ قَالَ

تمہارے باپ کی اور ہو رہو اس کے پیچھے نیک لوگ۔ بولا ایک

قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ

بولنے والا ان میں، مت مار ڈالو یوسف کو، اور پھینک دو اس کو گمنام

الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ ۝١٠

کنوئیں میں کہ اٹھا لے جاوے اس کو کوئی مسافر اگر تم کو کرنا ہے۔

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا
بولے اے باپ! کیا ہے کہ تو اعتبار نہیں کرتا ہمارا یوسف پر اور ہم تو
لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ
اسکے خیر خواہ ہیں۔ بھیج اسکو ہمارے ساتھ کل کہ کچھ چرے اور کھیلے
وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا
اور ہم اس کے نگہبان ہیں۔ بولا مجھ کو غم پکڑتا ہے اس سے کہ لے جاؤ
بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ
اس کو اور ڈرتا ہوں کہ کھا جاوے اسکو بھیڑیا، اور تم اس سے
غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ
بے خبر رہو۔ بولے اگر کھا گیا اس کو بھیڑیا اور ہم یہ جماعت ہیں قوت ور
اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا
تو توہم نے سب کچھ گنوایا۔ پھر جب لیکر چلے اسکو اور متفق ہوئے
اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ
کہ ڈالیں اس کو گمنام کنوئیں میں اور ہم نے اشارت کی اسکو
لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَجَآءُوْٓ
کہ تو جتاوے گا اُنکو اُنکا یہ کام اور وہ نہ جانیں گے۔ اور آئے
اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿۱۶﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا
اپنے باپ پاس اندھیرا پڑے، روتے۔ کہنے لگے اے باپ! ہم لگے دوڑنے
نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ
آگے نکلنے کو اور چھوڑا یوسف کو اپنے اسباب پاس پھر اسکو کھا گیا

الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ۝۱۷

بھیڑیا۔ اور تو باور نہ کرے گا ہمارا کہنا اگرچہ ہم سچے ہوں۔

وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۭ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ

اور لائے اسکے کرتے پر لہو لگا جھوٹ۔ بولا! کوئی نہیں! بلکہ بنادی ہے

لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ

تم کو تمہارے جیوں نے ایک بات۔ اب صبر ہی بن آوے۔ اور اللہ ہی سے مدد مانگتا

عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۝۱۸ وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا

ہوں اس بات پر جو بناتے ہو۔ اور آیا ایک قافلہ پھر بھیجا اپنا پنہارا

وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ۭ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ۭ

اس نے لٹکایا اپنا ڈول بولا کیا خوشی کی بات ہے! یہ ہے ایک لڑکا

وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۹ وَ

اور چھپا لیا اس کو پونجی سمجھ کر۔ اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ اور

شَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ

بیچ آئے اس کو ناقص مول کو گنتی کی کئی پاؤلیاں اور ہو رہے تھے

مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ۝۲۰ ع

اس سے بیزار۔

ع ۱۴ ۲ ۱۲

معاملہ برادرانِ یوسف علیہ السلام

قال اللہ تعالیٰ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ ..الیٰ.. وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ۝

بے شک یوسف اور اسکے بھائیوں کے قصہ میں نشانیاں اور عبرتیں اور نصیحتیں ہیں ان لوگوں کے لیے جو

اس قصہ کو دریافت کرتے ہیں کیونکہ یہ عجیب قصہ اس لائق ہے کہ اسکی خبر دریافت کی جائے کہ حق تعالےٰ نے یوسف علیہ السلام کو بے کسی اور بے بسی سے نکال کر مقام سلطنت تک کس طرح پہنچایا یہ اسکی قدرت کا کرشمہ ہے۔ جو پوچھنے ہیں ان کے لیے اس قصہ میں بہت سی عبرتیں اور نصیحتیں ہیں اور جو نہیں پوچھتے ان کے لیے بھی بہت سی نشانیاں ہیں۔

جبکہ یوسف کے علاتی بھائی آپس میں یہ کہنے لگے کہ البتہ یوسف اور انکا حقیقی بھائی بنیامین ہمارے باپ کو بہ نسبت ہمارے زیادہ محبوب ہے حالانکہ وہ دونوں کم عمر ہیں کار خدمت پدری بخوبی انجام نہیں دے سکتے اور ہم ایک قوی جماعت ہیں ہر طرح کا آرام ہم سے متصوّر ہے لہذا ہم زیادہ عزیز اور محبوب ہونے چاہئیں بے شک ہمارا باپ صریح غلطی میں ہے اپنے نفع نقصان کا انکو صحیح اندازہ نہیں یعنی ہماری محبت کے بارہ میں باپ کو چوک ہوئی کہ ہمارے مقابلہ میں یوسفؑ کو ترجیح دی اگر دلیل سے دیکھا جائے تو ہم سب فرزند ہونے میں یکساں ہیں اس لیے محبت میں برابری ہونی چاہیئے تھی لیکن ہم کو ان دونوں پر اس لیے ترجیح ہے کہ ہم ایک قوی اور زبردست جماعت ہیں باپ کو ہر طرح سے آرام اور راحت پہنچا سکتے ہیں اور جو تکلیف پیش آئے اسکو دور کر سکتے ہیں اور ہر کام کے لیے کافی ہیں اور ان دونوں بھائیوں سے نوعمری کی وجہ سے یہ بات ممکن نہیں لہذا قاعدہ کے مطابق محبت ہم سے زیادہ ہونی چاہیئے پھر اگر زیادہ نہ ہوتی تو خیر برابر ہوتی اس بارہ میں ہمارے باپ صریح غلطی میں ہیں۔

فائدہ یعقوب علیہ السلام کا یوسف علیہ السلام سے زیادہ محبت کرنا معاذ اللہ محض حسن ظاہری کی وجہ سے نہ تھا بلکہ حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت اور جمال نبوت وصدیقیت اور نور فہم و فراست اور نور عفت بھی اسکے ساتھ شامل تھا۔ اور ان محاسن و شمائل اور کمالات و فضائل میں کوئی بھائی وغیرہ شریک نہ تھا۔ یوسف علیہ السلام ان فضائل و شمائل میں سب پر فوقیت رکھتے ہیں اور یعقوب علیہ السلام نور نبوت اور چشم بصیرت سے ان باطنی محاسن کو بھی دیکھتے تھے اس لیے وہ انکی نظر میں زیادہ محبوب تھے۔

نیز یوسف علیہ السلام کا حسن وجمال بشری حسن وجمال کے جنس سے نہ تھا اسلیئے زنان مصر کی زبان سے بے اختیار یہ لفظ نکلا مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ بلکہ یوسف علیہ السلام کا حسن وجمال اہل جنت کے حسن وجمال کی جنس سے تھا اور حور وغلمان کے حسن وجمال کی قسم سے تھا غرض کہ یوسف علیہ السلام کا حسن وجمال اخروی حسن وجمال کا نمونہ تھا اور از قسم جمال اُخروی تھا اس لیئے یعقوب علیہ السلام انکی طرف زیادہ مائل تھے۔ کیونکہ یوسف علیہ السلام کا باطنی حسن وجمال یعنی علم وحکمت اور ان کی بے مثال عصمت وعفت اور نور نبوت وصدیقیت یہ باطنی محاسن یعقوب علیہ السلام کے پیش نظر تھے اور دوسرے بھائی انکی طرح انکے محاسن سے متصف نہ تھے اور حسن سیرت اور حسن صورت دونوں سے آراستہ تھے نیز یوسف علیہ السلام کا حسن وجمال ملائکہ کے حسن وجمال کا ایک نمونہ تھا اس لیے وہ باپ کی نظر میں زیادہ محبوب تھے۔ علاوہ ازیں رشد ونجابت کے جو آثار یوسفؑ اور بنیامین میں نمایاں تھے وہ دوسرے بھائیوں میں نمایاں نہ تھے اور خاص کر یوسف علیہ السلام میں نبوت اور صدیقیت کے آثار نمایاں تھے اس اعتبار سے وہ جنس

انبیاء و صدیقین سے ہے پس حسب قاعدہ الجنس یمیل الی الجنس یعقوب علیہ السلام انکی طرف زیادہ مائل تھے کیونکہ یہ جانتے تھے کہ یہ خدا کا برگزیدہ اور پیغمبر ہونے والا ہے پس نبوت ورسالت کے ساتھ علاقہ بنوت یعنی فرزندیت بھی مل جائے تو دلی محبت اور تعلق میں اضافہ ہو جاتا ہے اور خدا کے برگزیدہ اور محبوب بندہ سے محبت رکھنا یہ عبادت ہے اور محبوب خدا کی محبت دراصل خدا کی محبت ہے اور پھر یہ کہ یوسفؑ اور بنیامین اگرچہ باطنی فضائل وشمائل کی وجہ سے یعقوب علیہ السلام کی نظر میں زیادہ محبوب تھے مگر عملی طور پر حقوق فرزندیت کے اعتبار سے معاملہ سب کے ساتھ یکساں تھا اور پورے پورے عدل اور انصاف کے ساتھ تھا قرآن سے کہیں یہ ثابت نہیں کہ یعقوبؑ نے یوسف علیہ السلام اور بنیامین کو دوسرے بھائیوں پر حقوق واجبہ میں یا کسی ایسے امر میں ترجیح دی ہو جو انکے اختیار میں ہو اور محبت جس کی حقیقت میلان طبعی ہے وہ امر اختیاری نہیں اس میں عمل اور مساوات ناممکن ہے اگر کوئی باپ اپنے کسی عالم اور متقی بیٹے کو بہ نسبت غیر عالم بیٹے کے زیادہ محبوب رکھے تو اس سے یہ کہنا کہ آپ اس سے زیادتی محبت میں غلطی اور خطار پر ہیں۔ یہی صریح غلطی اور ضلال مبین ہے خوب سمجھ لو اور اولاد میں اور بیبیوں میں طبعی میلان اور محبت کے اعتبار سے مساوات عادتاً ناممکن نظر آتی ہے، الغرض جب بھائیوں نے یہ دیکھا کہ باپ کی نظر عنایت یوسفؑ کی طرف زیادہ ہے تو بولے۔ اِنَّ اَبَانَا لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنِ۔ کہ واقعی ہمارا باپ اس بارہ میں صریح گمراہی میں مبتلا ہے اس لفظ سے انکی دین خداوندی میں گمراہی مراد نہ تھی۔ بلکہ دین محبت اور آئین شفقت میں گمراہی مراد تھی کہ جب ہم اخوت میں برابر ہیں تو محبت میں بھی برابر ہونے چاہئیں اور ضلال کے معنی لغت میں غلطی اور خطاء کے ہیں اور مطلب یہ تھا کہ ہمارے باپ نظر محبت وشفقت کے خرچ کرنے میں غلطی پر ہیں۔ مساوات کیوں نہیں برتتے اس گفتگو سے بھائیوں کا مقصود یہ نہ تھا کہ باپ کی غلطی ثابت کریں بلکہ مقصود یہ تھا کہ اس شخص کا وجود تمہارے لیے محبت پدری میں مزاحم ہے اگر یہ باپ کی نظروں سے دور ہو جائے تو پھر ہمارا معاملہ درست ہو سکتا ہے اور اسی درمیان میں انکو یوسف علیہ السلام کے خواب کی بھی خبر ہو گئی اس لیے مشورہ کیا کہ کوئی تدبیر ایسی کرنی چاہیئے کہ باپ کے سامنے نہ رہے خواہ قتل کر کے، خواہ اس طرح کہ اس کو کسی دور دراز کنوئیں میں پھینک دیا جائے اور اس بارہ میں باہم مشورہ ہوا اور رائے ٹھہری کہ یوسف کو مار ڈالو کہ محبت اور شکایت کا محل ہی ختم ہو جائے یا اس کو کسی ایسی دور دراز غیر معلوم زمین میں لے جا کر پھینک دو کہ یوسفؑ وہاں سے واپس نہ آ سکیں اور باپ وہاں تک نہ پہنچ سکیں۔ دونوں صورتوں میں باپ سے جدا ہو جائیں گے۔ تو پھر تمہارے ہی لیے خالی ہو جائے گا۔ تمہارے باپ کا چہرہ اور تم باپ کے منظور نظر بن جاؤ گے۔ کیونکہ اس وقت باپ کو تم ہی تم نظر آؤ گے اور اس کے بعد تم توبہ کر کے اللہ کے نزدیک نیک بختوں میں ہو جاؤ گے۔

ع امروز گنہ کنید و فردا توبہ

یا یہ معنی ہیں کہ یوسفؑ کے بعد تمہارے سب کام درست ہو جائیں گے اس معنی کر صلاح سے اُخروی صلاح اور نیک بختی مراد نہ ہو گی بلکہ دنیوی امور کی صلاح اور درستی اور فارغ البالی مراد ہو گی۔ بھائیوں نے

صرف یوسف علیہ السلام کا ذکر کیا۔ بنیامین کے معاملہ کو کچھ اہمیت نہ دی بظاہر یہ وجہ ہوگی کہ وہ بنیامین کی محبت کو یوسف علیہ السلام کی محبت کا تتمہ سمجھتے ہونگے بھائیوں کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا مقصود باپ کو تکلیف پہنچانا نہ تھا بلکہ مقصود یہ تھا کہ باپ کی توجہ اور نظر عنایت کو اپنی طرف پھیر لیں۔ یہ خیال ان پر اس قدر غالب آیا کہ ان کو حسد پر آمادہ کیا اور ان سے یہ کام کروایا۔ مگر آخر میں نادم ہوئے اور خدائے تعالےٰ اور یعقوب علیہ السلام نے انکی خطا معاف کی اصل مقصود یہ تھا کہ باپ کی توجہ خالص انکی طرف ہو جائے۔ یَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ ۔ اور یہ مقصود فی حد ذاتہ محمود تھا مگر اسکے حصول کیلئے جو طریقہ اختیار کیا گیا وہ غلط تھا ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو قتل تو نہ کرو، بے گناہ کا قتل بہت بڑا گناہ ہے مطلب یہ تھا کہ حسد اور عداوت کو اتنی ترقی نہ دو کہ قتل کر کے جان لے لو یہ کہنے والا بڑا بھائی روبیل تھا یا یہودا تھا اور بجائے قتل کے یہ صورت کر لو کہ اسکو کسی گہرے اور تاریک اور اندھے کنوئیں میں لے جا کر پھینک دو تا کہ کسی کو پتہ ہی نہ چلے کہ کہاں گئے اس لیے بہتر یہ ہے کہ بجائے قتل کے اسکو کسی اندھے کنوئیں میں ڈال دو تا کہ وہاں سے کوئی راہ چلتا مسافر جو وہاں پہنچے اسکو اٹھالے جاوے اور اس کو کسی اور زمین پر لے جاوے اور تم اس سے چھوٹ جاؤ اور جو تمہاری غرض ہے کہ باپ سے دور ہو جائے اور وہ بلا قتل کے حاصل ہو جائے اگر تم کرنے ہی والے ہو۔ یعنی اگر تم کو یہ کام کرنا ہی ہے تو میری رائے یہ ہے کہ بجائے قتل کے انکو غیابت الجب میں ڈال دو اور اس طرح سے بھی تمہارا مقصود حاصل ہو جائے گا۔ "غیابت الجب" اس کنوئیں کو کہتے ہیں کہ جو چیز اس میں گرے وہ نظروں سے ایسی غائب اور پوشیدہ ہو جائے کہ کسی کو پتہ بھی نہ چلے کہ وہ کہاں گئی۔ مشورہ میں سب کا اسی پر اتفاق رائے ہو گیا اور مشورہ کے بعد باپ سے جدا کرنے کی یہ تدبیر سوچی کہ سب مل کر باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ کہا کہ اے ہمارے باپ آپکو کیا ہوا کہ آپ یوسف کے بارے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے اور کبھی انکو ہمارے ساتھ نہیں بھیجتے آخر ہم ان کے بھائی ہیں اور تحقیق ہم انکے خیر خواہ اور بھلائی چاہنے والے ہیں۔ نہ کہ دشمن اور اس پر مہربان ہیں۔ لہذا آپ بلا تامل کل کے روز اسکو ہمارے ساتھ جنگل کی طرف بھیج دیجیے کہ آسودہ ہو کر جنگل کے میوے کھائے اور کھیلے کودے اور تیر چلائے اور اونٹ دوڑائے اور اس قسم کے کھیل شرعاً جائز ہیں۔ یوسفؑ بھی خوش ہو جائیں گے اور بے شک ہم ہر حال میں یوسف کے خوب محافظ اور نگہبان رہیں گے۔ یعنی آپ کسی طرح اندیشہ نہ فرمائیں ہم یوسفؑ کو کھلا کودا کر خوش و خرم آپکے پاس واپس لے آئیں گے اور شاید اس سے پہلے یوسف علیہ السلام کو بھی سیر و تفریح کی ترغیب دیکر ساتھ چلنے پر آمادہ کر لیا ہوگا اس کے بعد باپ سے اجازت چاہی اور یوسفؑ کو ساتھ لے جانے کی درخواست کی۔ یعقوب علیہ السلام نے جواب میں یہ کہا کہ تحقیق غم میں ڈالتی ہے مجھ کو یہ بات کہ تم یوسفؑ کو اپنے ساتھ لے جاؤ تمہارے ساتھ جانے پر قلب مطمئن نہیں انبیاء کا قلب مبارک چونکہ سلیم ہوتا ہے۔ اس لیے سنتے ہی انکو بات میں سے صدق اور کذب کی بو آنے لگتی ہے۔

یعقوب علیہ السلام نے جب بیٹوں کی یہ پُر فریب درخواست سُنی تو سنتے ہی اس میں سے مکر اور فریب

اور حسد کی بو محسوس فرمالی جیسا کہ حدیث میں ہے الصدق طمانینۃ والکذب ریبۃ اور حسد و منافست کے آثار پہلے ہی سے نمایاں تھے اس لیے یعقوب علیہ السلام ان کے ساتھ بھیجنے سے خائف تھے اور بعد میں جب ایک بات بنائی تو یعقوب علیہ السلام کا دل مطمئن نہ ہوا تو فرمایا کہ مجھے اسکی جدائی دم بھر بھی ناگوار ہے اور اسکے دیکھے بغیر صبر کرنا میرے لیے بہت دشوار ہے اور اگر بالفرض تم پر اطمینان بھی کر لوں تو میں ڈرتا ہوں کہ اسکو بھیڑیا کھا جائے اور تم اس سے غافل رہو تم کھیل تماشہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس کی حفاظت سے غافل ہو جاؤ۔

ازاں ترسم کزو غافل نشیند ؛ زغفلت صورت حالش نہ بیند

دریں دیرینہ دشت محنت انگیز ؛ کہن گرگے برو دنداں کند تیز

بیان کیا جاتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک بھیڑیئے نے یوسف علیہ السلام پر حملہ کیا۔ (تفسیر قرطبی ص ۱۴۰ ج ۹)

اس لیے یعقوب علیہ السلام کو خوف ہوا اور اس علاقے میں بھیڑیئے بھی کثرت سے تھے اس خیال سے انہوں نے یہ بات فرمائی بیٹوں نے اسی بات کو بہانہ پکڑ لیا اور اسی کو واقعہ بنا کر پیش کر دیا۔ پہلی بات کا تو کوئی جواب نہ تھا اس سے تو انجان بن گئے بلکہ اسی دوسری بات کا جواب دیا۔ چنانچہ یعقوب علیہ السلام کے بیٹے دوسری بات کے جواب میں بولے خدا کی قسم اگر اس کو ایسی حالت میں بھیڑیا کھا جائے کہ ہم جیسی قوی جماعت وہاں موجود ہو جو شیروں سے مقابلہ کر سکتی ہے تو ایسی صورت میں ہم یقیناً زیاں کار اور نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔ کہ اپنے بھائی سے بھی بھیڑیئے کو دفع نہ کر سکے۔ القصہ جب یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کا مبالغہ اور اصرار سنا اور کسی درجہ میں یوسف علیہ السلام کا دل بھی جانے کی طرف مائل پایا تو اپنے دل کو مضبوط کر کے اور قضائے الٰہی پر راضی ہو کر جانے کی اجازت دے دی اور محافظت کی تاکید اکید کی، پھر جب انکو لیکر چلے تو راستہ ہی میں ان کے ساتھ بدسلوکی شروع کر دی جو لائق بیان نہیں اور اس بات پر سب متفق ہو گئے کہ اس کو اندھے کنوئیں میں ڈال دیں۔ چنانچہ رسی میں باندھ کر کنوئیں میں لٹکایا اور جب درمیان میں پہنچے تو رسی کاٹ دی جا کر پانی پر گرے کنوئیں میں ایک پتھر تھا اس پر کھڑے ہو گئے۔ (زاد المسیر ص ۱۹۰ جلد ۴)

اور اس وقت ہم نے انکی تسلی کے لیے ان کے پاس وحی بھیجی کہ تم گھبراؤ نہیں عنقریب اس کنوئیں سے نکلوگے اور خدا تعالیٰ تمکو بلند رتبہ عطا کرے گا اور ایک دن وہ ہوگا کہ تم ان لوگوں کو یہ بات جتلاؤ گے اور وہ سمجھتے نہ ہونگے کہ تو یوسف ہے مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت آئی کہ تم کسی ہلاکت وغیرہ کا خوف نہ کرو ہم تمہیں کسی ایسے رتبہ پر پہنچائیں گے کہ یہ لوگ تیرے سامنے شرمسار کھڑے ہونگے اور تو ان کو اس فعل سے آگاہ کرے گا اور یہ تیرے بلند رتبہ کی وجہ سے یہ گمان بھی نہ کریں گے کہ تو یوسف ہے بلکہ انکو یہ خیال ہو گا کہ یوسف تو کہیں ہلاک ہو چکا ہے اس وحی نے یوسف علیہ السلام کی مشکل کو آسان کر دیا۔ ظاہر اسباب میں آکر شفقت پدری منقطع ہوئی تو رحمت غیبیہ دستگیر بنی اور اس تائید غیبی نے پائے استقامت کو اور محکم اور مضبوط کر دیا۔ غرض یہ کہ یہ قصہ تو یوسف علیہ السلام کا ہوا اور ادھر وہ لوگ عشاء کے وقت اپنے باپ کے پاس روتے

ہوئے آئے۔ باپ نے رونے کا سبب دریافت کیا تو بولے اے ہمارے باپ ہم دوڑ میں آگے نکلنا چاہتے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ دوڑ میں لگے ہوئے تھے اور یوسفؑ کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے پس اتفاقاً بھیڑیا آکر اس کو کھا گیا اور آپ تو ہماری بات کا یقین نہیں کریں گے اگرچہ ہم سچے ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ آپکو ہماری طرف سے پہلے ہی شبہ تھا اور آپ نے پہلے ہی کہدیا تھا کہ شاید تم غافل ہو جاؤ اور اس کو بھیڑیا کھا جائے اور اتفاق سے ایسا ہی ہوگیا اور اسکی دلیل ہمارے پاس یوسفؑ کا پیراہن ہے اور اس کے کرتے پر جھوٹا لہو بھی لگا لائے تھے۔ ایک بکری کو ذبح کرکے یوسفؑ کے کرتہ کو اس سے تر کیا کہ یہ یوسفؑ کا کرتہ ہے جو ہم نے چھڑایا ہے اور اس قمیض کو اپنے قول کی سند میں پیش کیا۔ یعقوب علیہ السلام نے اس کرتہ کو دیکھکر فرمایا وہ بھیڑیا بڑا ہی حکیم اور دانا تھا کہ یوسف کو تو کھا گیا اور پیراہن سے کوئی تعرض نہ کیا پھر ازراہ عتبہ فرمایا، اے بیٹو یوسفؑ کو بھیڑیئے نے ہرگز نہیں کھایا بلکہ تمہارے نفسوں نے یوسفؑ کی ہلاکت کی ایک بات بنا کر تمہارے لیے آراستہ کر دی ہے۔ نورِ نبوت سے پہچان لیا کہ یہ سب جھوٹ ہے اور انکی بنائی ہوئی ایک بات ہے اور یوسفؑ فی الحقیقت ابھی زندہ ہے پس اب میرا کام صبرِ جمیل ہے عمدہ صبر وہ ہے کہ جس میں نہ جزع ہو نہ فزع ہو اور نہ شکوہ وشکایت ہو اور نہ ارادہ انتقام کا ہو اور جو تم یوسفؑ کی ہلاکت کی داستان بیان کرتے ہو اسکے صبر پر اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں اس لیے کہ بغیر اللہ کی مدد کے صبر ناممکن ہے کما قال تعالیٰ وَاصۡبِرۡ وَمَا صَبۡرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ یعقوب علیہ السلام کو بیٹوں کی بات کا یقین تو نہ آیا مگر یوسفؑ کی جدائی کا صدمہ بے حد ہوا۔ بیٹے اور بھائی اور عزیزوں کی جدائی کا صدمہ ایک امر طبعی ہے اور اولاد تو انسان کا ایک جزو ہے اور جب فرزند دلبند حسن صورت اور حسن سیرت سے آراستہ ہو اور خدا کا برگزیدہ اور پسندیدہ ہو تو اس کی جدائی کے رنج والم کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے حضرت یعقوبؑ میں یہ ساری باتیں جمع تھیں پھر طرفہ یہ کہ عجیب طرح سے مصیبت آئی بیٹا اگر بیماری میں مبتلا ہو کر مر جائے تو صبر آجاتا ہے کیونکہ موت سے دل مایوس ہو جاتا ہے مگر یہاں بجائے موت کے گم ہونے کا واقعہ پیش آیا کہ نہ تو ہلاکت کا یقین ہے کہ مایوس ہو جائیں اور نہ زندگی اور سلامتی کے کوئی آثار معلوم ہوتے ہیں جس سے پھر ملنے کی امید اور آرزو رکھیں۔ عجیب کشمکش میں مبتلا تھے کہ نہ مایوس ہو سکتے تھے اور نہ امید اور آرزو کی کوئی صورت نظر آتی تھی معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کو بذریعہ وحی بتلا دیا گیا کہ یہ ایک امتحان ہے جس میں تم مبتلا کیے جا رہے ہو یہ پورا ہو کر رہے گا اور ایک مدت کے بعد تمکو اس مصیبت سے نجات ملے گی اور سلامتی کے ساتھ یوسفؑ سے دوبارہ ملنا تم کو نصیب ہوگا۔ فی الحال کسی جستجو یا تلاش یا تدبیر سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ تلاش سے یوسفؑ تو ملیں گے نہیں اور بیٹے رسوا ہو جائیں گے۔ لہٰذا صبرِ جمیل سے کام لیجئے کیونکہ قضا وقدر پر صبر ضروری ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر صد ۱۱۴ ج ۵ وصد ۱۱۵ جلد ۵)

خلاصۂ کلام یہ کہ یعقوب علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ من جانب اللہ ایک ابتلاء ہے ظالم کے ظلم پر اور ماکر کے مکر پر تو صبر ضروری نہیں مگر قضا وقدر پر صبر ضروری ہے قضا وقدر کے مقابلہ میں تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اس وقت صبرِ جمیل ہی بہتر ہے اور صبرِ جمیل کے یہ معنی ہیں کہ

جب کوئی مصیبت نازل ہو تو بندوں سے شکایت نہ کرے کہ یہ مصیبت مجھ پر کہاں سے آگئی اس لیے یعقوب علیہ السلام روپیٹ کر بیٹھ گئے اور نہ یوسف علیہ السلام کی جستجو میں پڑے اور نہ بیٹوں سے انتقام کا ارادہ فرمایا۔
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس باپ اور بیٹے کے قصے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ دیکھ لو صبر جمیل ایسا ہوتا ہے اور عفت و پاکدامنی ایسی ہوتی ہے اور یوسف علیہ السلام کا قصہ یہ ہوا کہ اتفاق سے ادھر ایک قافلہ آ نکلا یہ قافلہ مدین سے مصر کو جا رہا تھا۔ پس قافلہ والوں نے اپنا ایک آدمی پانی لینے کے لیے اس کنوئیں کی طرف بھیجا پس اس پانی لینے والے آدمی نے اپنا ڈول کنوئیں کے اندر لٹکایا، اللہ کی طرف سے وحی آئی کہ یوسفؑ تم اس ڈول میں بیٹھ جاؤ۔ یوسف علیہ السلام اس ڈول میں بیٹھ گئے جب ڈول باہر آیا تو ڈول کھینچنے والا ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر حیران رہ گیا اور بولا اسے بشارت تو حاضر ہو جا یہ تیرے حاضر ہونے کا وقت ہے۔ اے قافلے والو بڑی خوش خبری یہ ہے کہ ایک عجیب و غریب لڑکا ہے جس کا حسن و جمال بے مثال ہے۔

چو آں ماہِ جہاں آرار بر آمد ؛ زجانش بانگ یا بُشریٰ بر آمد
بشارت کز چنیں تاریک چاہے ؛ بر آمد بس جہاں افروز ماہے

اور قافلہ والوں نے اس کو سرمایۂ تجارت بنا کر پوشیدہ رکھا کہ کوئی اس غلام کا دعویدار نہ نکل آئے مصر جا رہے ہیں وہاں جا کر کسی بڑے دولت مند کے ہاتھ فروخت کریں گے اور خوب نفع کمائیں گے اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں یعنی اللہ کو معلوم ہے کہ قافلے والے اس کو بیچ کر نفع حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ یہاں سے کسی دوسرے ملک میں چلے جائیں اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ ان کو خزائن مصر کا مالک بنا دے۔ چنانچہ بھائیوں کو خبر لگی کہ قافلے والے نکال لے گئے تو وہاں پہنچے اور قافلہ والوں سے یہ ظاہر کیا کہ یہ ہمارا غلام ہے گھر سے بھاگ آیا ہے چونکہ اسے بھاگنے کی عادت ہے اس لیے ہم اب اس کو رکھنا نہیں چاہتے تم اگر خریدنا چاہو تو ہم تم کو سستے داموں میں دیدیں گے اس طرح خرید و فروخت کا معاملہ طے پا گیا اور اس سے ان کو معمولی قیمت پر یعنی چند گنتی کے دراہم پر فروخت کر دیا کم و بیش بیس درہم میں ان کو بیچ ڈالا اور دو دو درہم آپس میں بانٹ لیے اور وجہ اس کی یہ تھی کہ بھائی اُنکے بارے میں بے رغبت تھے ان کا مقصود فروخت کرنا نہ تھا بلکہ یہاں سے ٹلانا ان کا مقصود تھا کہ یوسفؑ کسی طرح یہاں سے دوسرے ملک چلے جائیں دراہم معدودہ پر قناعت کی۔ بھائیوں کو جب یوسف علیہ السلام کے کنوئیں سے نکل آنے کی خبر ہوئی تو غلبۂ حسد کی وجہ سے یہ چاہا کہ یوسفؑ کو ایسی مصیبت اور بلا میں مبتلا کرو کہ آئندہ چل کر کسی عزت و رفعت کے مقام پر پہنچنے کا امکان ہی ختم ہو جائے۔ اس لیے اس قسم کے مکر و فریب میں لگے ہوئے تھے مگر خداوند ذوالجلال کے یہاں انکی رفعت اور سربلندی مقدر ہو چکی تھی اس لیے اسکی تقدیر کے مقابلہ میں کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔



وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِیْ

اور کہا جس شخص نے خرید کیا اس کو مصر سے اپنی عورت کو، آبرو سے رکھ اسکو

مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ
شاید ہمارے کام آوے یا ہم کر لیں اسکو بیٹا
وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ ۡ وَلِنُعَلِّمَهٗ
اور اس طرح جگہ دی ہم نے یوسف کو اس ملک میں اور اس واسطے
مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى
کہ اسکو سکھاویں کچھ کل بٹھانی باتوں کی اور اللہ جیت رہتا ہے اپنا
اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا
کام اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور جب
بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى
پہنچا قوت کو دیا ہم نے اسکو حکم اور علم اور ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِىْ هُوَ فِىْ بَيْتِهَا عَنْ
ہم نیکی والوں کو۔ اور پھسلایا اسکو عورت نے جسکے گھر میں تھا
نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ
اپنا جی تھامنے سے اور بند کیئے دروازے اور بولی شتابی کر۔ کہا
مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّىْٓ اَحْسَنَ مَثْوَاىَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ
خدا کی پناہ! وہ (عزیز) مالک ہے میرا اچھی طرح رکھا ہے مجھ کو البتہ بھلا نہیں پاتے
الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ
جو لوگ بے انصاف ہیں۔ اور البتہ عورت نے فکر کی اسکی اور اس نے فکر کی عورت کی۔ اگر نہ ہوتا
رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ
یہ کہ دیکھی قدرت اپنے رب کی، یوں ہی ہوا اس واسطے کہ ہٹادیں اس سے برائی اور

الْفَحْشَآءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۝۲۴ وَاسْتَبَقَا

بے حیائی۔ البتہ وہ ہے ہمارے چنے بندوں میں۔ اور دونوں دوڑے

الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا

دروازے کو اور عورت نے چیر ڈالا اسکا کرتہ پیچھے سے اور دونوں مل گئے عورت کے

لَدَا الْبَابِ ۭ قَالَتْ مَا جَزَاۗءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْۗءًا

خاوند سے دروازے پاس، بولی اور کچھ سزا نہیں ایسے شخص کی جو چاہے تیرے گھر میں برائی

اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۲۵ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ

مگر یہی کہ قید پڑے یا دکھ کی مار۔ یوسف بولا اسی نے خواہش کی

عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ

مجھ سے کہ نہ تھاموں اپنا جی، اور گواہی دی ایک گواہ نے عورت کے لوگوں میں سے اگر ہے

قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ

اُسکا کرتہ پھٹا آگے سے تو عورت سچی ہے اور وہ ہے

الْكٰذِبِيْنَ ۝۲۶ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ

جھوٹا۔ اور اگر ہے اس کا کرتہ پھٹا پیچھے سے تو

فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۲۷ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ

یہ جھوٹی اور وہ سچا ہے۔ پھر جب دیکھا (عزیز نے) کرتہ

قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭ اِنَّ كَيْدَكُنَّ

اسکا پھٹا پیچھے سے کہا بے شک یہ ایک فریب ہے عورتوں کا۔ البتہ تمہارا فریب

عَظِيْمٌ ۝۲۸ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۫ سکتۃ وَاسْتَغْفِرِيْ

بڑا ہے۔ یوسف! جانے دے یہ مذکور۔ اور عورت! تو بخشوا اپنا

ع ۹ ۳ ۱۳

لِذَنۡۢبِكِ ۚ اِنَّكِ كُنۡتِ مِنَ الۡخٰطِئِيۡنَ ﴿۲۹﴾ ع

گناہ - یقین ہے کہ تو ہی گناہ گار تھی -

ذکر الطاف وعنایات خداوندی

بایوسف صدیق علیہ السلام وقصہ او بازن عزیز مصر

قال اللہ تعالیٰ وَ قَالَ الَّذِی اشۡتَرٰىهُ مِنۡ مِّصۡرَ ... الیٰ ... اِنَّكِ كُنۡتِ مِنَ الۡخٰطِئِيۡنَ ہ

(ربط) آغاز سورت میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ارادۂ خداوندی یہ ہے کہ یوسف ؑ کو اپنا برگزیدہ بندہ بنائے اور علم تعبیر ان کو سکھائے اور انکے آباؤ اجداد کی طرح ان پر اپنی نعمتیں پوری کرے بعد ازاں بھائیوں کا ماجرا ذکر کیا کہ بھائی کو لے جاکر کنوئیں میں ڈالا اور غلام بنا کر گنتی کے دراہم میں فروخت کر دیا۔ اب ان آیات میں حق جل شانہٗ اپنے الطاف وعنایات کا ذکر کرتے ہیں کہ ہم نے اپنی رحمت سے یوسف ؑ کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ زندان چاہ سے نکال کر قصر شاہی میں پہنچایا تاکہ شہزادوں کی طرح ناز ونعم میں پلیں۔ اَوۡ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا اور وزیر اعظم کے گھر میں رہ کر سلطنت کے رموز اور اشاروں کو سمجھیں۔

(۱) اس دوران میں ایک ابتلا پیش آیا کہ عزیز مصر کی بیوی نے انکے دامن عصمت کو داغدار کرنا چاہا مگر یوسف علیہ السلام اسکی طرف مائل نہ ہوئے اور عفت ونزاہت میں نمونہ ملائکہ ثابت ہوئے۔ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيۡمٌ۔

(۲) اس کے بعد جیل خانہ کا ابتلا پیش آیا جس میں پہنچ کر وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنۡ تَاۡوِيۡلِ الۡاَحَادِيۡثِ۔ کا جلوہ نمودار ہوا۔

(۳) پھر جیلخانہ سے رہائی کے بعد عزیز مصر بنے اس وقت انبیاء اور صدیقین کا سا زہد ظاہر ہوا کہ مصر کے خزائن یوسف صدیق ؑ کے ہاتھ میں ہیں اور زندگی فقیرانہ اور درویشانہ تھی۔

(۴) پھر سلطنت پر قحط سالی کا دور آیا جس کا انتظام پہلے ہی سے رؤیا کے ذریعے بتلا دیا گیا۔

(۵) پھر آخر وہی بھائی جنہوں نے کنوئیں میں ڈالا تھا اور غلام بنا کر دراہم معدودہ میں فروخت کیا تھا یوسف ؑ کی خدمت میں غلہ لینے کے لیے آئے تو ایک نے دوسرے کو پہچان لیا اور یوسف علیہ السلام نے اس وقت بھائیوں کی گذشتہ بیوفائیوں کا کوئی ذکر نہیں کیا بلکہ مدارات اور احسان اور تواضع میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا یہ بھی ایک عظیم ابتلا کا وقت تھا ممکن تھا کہ طبیعت بشریہ اگر انتقام پر آمادہ نہ ہوتی تو شکوہ شکایت سے تو گریز نہ کرتی مگر پیغمبرانہ اور صدیقانہ حلم اور کرم نے اس وقت زبان سے لَا تَثۡرِيۡبَ عَلَيۡكُمُ الۡيَوۡمَ ؕ يَغۡفِرُ اللّٰهُ لَكُمۡ ۫ وَهُوَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِيۡنَ نکلوایا۔ اب اس تمہید کے بعد آیات کی تفسیر پڑھیے۔ اور قافلہ والے یوسف علیہ السلام کو بھائیوں سے خرید کر مصر لے گئے اور فروخت کرنے کیلئے انکو بازار میں کھڑا کر دیا۔ اس بے مثال حسن وجمال کو دیکھ کر دنیا حیران رہ گئی۔ ؎

آراستہ آں یار بہ بازار برآمد ٭ فریاد وفغاں از در ودیوار برآمد

خریدار قیمت بڑھانے لگے نوبت بایںجا رسید کر یوسف علیہ السلام کے برابر تول کر سونا اور چاندی اور مشک دیبا دینے پر تیار ہوئے عزیز مصر نے بیش بہا قیمت دیگران کو خرید لیا یہ عزیز، مصر کے تمام خزانوں کا مالک تھا اور بادشاہ مصر کا بہت مقرب تھا اس کا نام قطفیر تھا اور اس کی بی بی کا نام زلیخا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام راعیل تھا۔ خرید کر یوسف علیہ السلام کو گھر لے گیا اور اہل مصر میں سے جس شخص نے انکو خریدا یعنی عزیز مصر نے۔ اس لیئے انکو اپنے ساتھ لاکر اپنی بیوی کے سپرد کیا اور اپنی بیوی سے کہا کہ اسکا ٹھکانا اچھا کرنا۔ یعنی عزت وحرمت کیساتھ رکھنا غلام کی طرح اس کو نہ رکھنا شاید یہ ہم کو نفع پہنچاوے یا ہم اسکو اپنا بیٹا بنالیں یہ لڑکا بڑا ہونہار معلوم ہوتا ہے۔ جب اولاد نہیں تو اس کو بیٹا بنالیں گے۔ عزیز مصر لاولد تھا اس لیئے یہ خواہش ظاہر کی کہ ہم یوسف علیہ السلام کو اپنا بیٹا بنالیں گے اس لیئے کہ فہم وفراست کے آثار یوسف علیہ السلام کے چہرے سے نمایاں تھے۔ نفع پہنچانے سے مراد یہ ہے کہ امور سلطنت میں ہمارا معین ومددگار بنے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں سب سے زیادہ صاحب فراست تین شخص گزرے ہیں اول عزیز مصر جس نے یوسف علیہ السلام کو دیکھتے ہی تاڑلیا اور انکی فہم وفراست کا اندازہ لگالیا اور اپنی بیوی سے کہا اَكْرِمِىْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا۔ دوئم حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی جس نے موسیٰ علیہ السلام کی قوت وامانت کو دیکھ کر اپنے باپ کو یہ مشورہ دیا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِىُّ الْاَمِيْنُ۔ اے باپ انکو نوکر رکھ لیجیئے۔ بہترین شخص جس کو نوکر رکھا جائے وہ وہ ہے کہ جو صاحب قوت اور صاحب امانت ہو۔ سوئم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جنھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فہم وفراست کا اندازہ لگالیا اور اپنے بعد انکو اپنا جانشین بنایا۔ اور اسی طرح ہم نے رفتہ رفتہ یوسف علیہ السلام کو زمین مصر میں جمایا اور اس ملک میں ان کے قدم جمائے یعنی جس طرح ہم نے ان کو قتل اور کنوئیں سے نجات دی اور عزیز کے دل میں انکی محبت ڈالی اسی طرح ہم نے انکو عزت اور کرامت کی جگہ دی اور عزت کے بلند مقام تک انکو پہنچایا تاکہ ہم ان کو خوابوں کی تعبیر سکھلائیں مطلب یہ ہے کہ نجات دینے سے مقصد یہ تھا کہ ظاہری عزت ورفعت کے ساتھ علم تعبیر کی دولت سے بھی نوازیں کیونکہ رؤیائے صالحہ مبادی نبوت میں سے ہیں جو امور غیبیہ اور اسرار الٰہیہ کے انکشاف کا ذریعہ ہیں جس سے آئندہ واقعات کا علم ہوتا ہے پس علم تعبیر کے ذریعہ سے وہ آئندہ پیش آنے والے واقعات وحوادث کا پیش آنے سے پہلے انتظام سوچ لیں چنانچہ یہی علم تعبیر جیل خانہ سے نکلنے کا ذریعہ بنا۔ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے اپنے کام اور ارادہ میں کوئی اس کے ارادہ کو روک نہیں سکتا ولیکن اکثر لوگ جانتے نہیں کہ اللہ کا ارادہ کیا ہے اور وہ کس طرح پورا ہوگا بھائیوں نے انکی ذلت کا ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے انکی عزت ورفعت کا ارادہ کیا اور انکو خوابوں کی تعبیر سکھائی اور اس علم کا ظہور جیل خانہ میں ہوا جبکہ ساقی نے رہائی کے بعد بادشاہ سے یوسف علیہ السلام کے تعبیر خواب کا حال بیان کیا اور یہی علم تعبیر بادشاہ کے تقرب کا ذریعہ بنا۔

نکتہ کمالات حقیقیہ دو ہیں ایک علم اور ایک قدرت اور وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ سے کمال علم کی طرف اشارہ ہے وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ سے صفت قدرت وتمکنت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو صفت علم اور صفت قدرت سے خاص طور پر نوازا اور جب یوسف علیہ السلام اپنی پوری جوانی کو پہنچے یعنی قوائے جسمانیہ وروحانیہ کے اعتبار سے حد کمال کو پہنچے تو ہم نے بلا کسی استاد اور معلم کے خاص علم وحکمت عطا کیا۔ اور حکمت سے مراد یا تو نبوت ہے یا وہ علم صحیح مراد ہے کہ جو انسان کو جہالت اور خطار سے اور نفس کو شہوات سے محفوظ رکھے۔ (زاد المسیر لابن الجوزی ص۲۰۰ ج۴)

اصطلاح شریعت میں حکمت اس علم صحیح کو کہتے ہیں جس کے ساتھ عمل صالح بھی مقرون ہو ورنہ وہ علم نہیں بلکہ جہالت ہے (روح المعانی ص۱۸۷ جلد ۱۲)

اور بعض کہتے ہیں کہ عالم وہ ہے جو جانتا ہو اور حکیم وہ ہے جو مقتضائے علم پر چلتا ہو اور اسی طرح ہم نیکو کاروں کو انعام اور جزاء دیتے ہیں۔ جو صدق اور اخلاص کے ساتھ اللہ کی اس طرح عبادت کرتے ہوں گویا کہ وہ اللہ کو دیکھ رہے ہیں یعنی جس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو علم اور حکمت اور ظاہری عزت و رفعت سے نوازا اسی طرح ہم دیگر محسنین کو اپنی نعمتوں سے نوازتے ہیں معلوم ہوا کہ یوسف علیہ السلام کو اس وقت مقام احسان یعنی مقام ان تعبد اللہ کانک تراہ حاصل تھا اور اللہ کا یہ احسان انکے اس احسان کی جزاء تھی (بعد ازاں ایک ابتلاء پیش آیا)

اور اس عزت و کرامت اور عطاء علم و حکمت کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک ابتلاء پیش آیا جس سے یوسف علیہ السلام کی کمال عفت و عصمت اور کمال تقویٰ اور نزاہت روز روشن کی طرح واضح ہوگئی ایک طرف تو الطاف ربانیہ سے انکی تربیت ہو رہی تھی اور دوسری طرف عزیز مصر کی بیوی زلیخا نے ان کے سامنے ایک نہایت مزلتہ الاقدام موقع امتحان و آزمائش کھڑا کر دیا۔ یعنی زلیخا حضرت یوسفؑ کے حسن و جمال پر مفتون ہوگئی اور جس عورت کے گھر میں یوسف علیہ السلام رہتے تھے۔ یعنی زلیخا۔ عزیز مصر کی بیوی جو ہر وقت ان کے حسن و جمال کو دیکھتی تھی۔ بالآخر ان پر فریفتہ ہوگئی اس نے اپنا مطلب حاصل کرنے کے لیے یوسف علیہ السلام کو پھسلانا چاہا کہ وہ مقام عفت و نزاہت سے پھسل کر زلیخا کی طرف مائل ہو جائیں۔ بہر حال زلیخا کا مقصد یہ تھا کہ یوسف علیہ السلام کو انکی ذات سے ہٹا دے[۱] اور پھسلا دے اور سب دروازے بند کر دیئے کہ یوسف کہیں نکل کر بھاگ نہ جائیں۔ اور اس کے بعد بولی ادھر آ جا میں تجھ ہی کو کہہ رہی ہوں یوسف علیہ السلام نے جب یہ حال دیکھا کہ بھاگنے کے لیے راستہ ہی نظر نہیں آتا تو گھبرا کر (اول) تو یہ کہا کہ خدا کی پناہ۔ اللہ مجھے اس کام سے پناہ دے جس کی طرف تو مجھے بلاتی ہے جس کی قباحت اور شناعت میں کوئی شبہ نہیں (دوم) یہ کہ بے شک وہ شخص جس نے مجھے خریدا ہے یعنی تیرا شوہر وہ میرا مربّی اور محسن ہے اس نے مجھے اچھی طرح رکھا اس کے احسان کے بدلہ میں میں اس سے بُرائی نہیں کرسکتا۔ ولی نعمت کے حق نعمت کی رعایت عقلاً و شرعاً فرض اور لازم ہے اس لیے میں اس کے حرم میں خیانت کے ساتھ دست درازی نہیں کرسکتا۔ (سوم) یہ کہ ظالم لوگ یعنی جو لوگ حق کو نہ پہچانیں اور نیکی کے بدلہ بدی کریں وہ فلاح نہیں پاتے پس اگر معاذ اللہ میں بھی ایسا کروں تو ظالم ٹھہروں گا اور فلاح نہ پاؤں گا۔ لہذا تجھ کو بھی چاہیئے کہ اس بُرے کام سے بھاگ کر اللہ کی پناہ میں داخل

ع قال اللغویون الحکم عند العرب ما یصرف عن الجھل والخطاء و یمنع منھا و یرد النفس عما یشینھا و یعود علیھا بالضرر و منہ حکمت الدابۃ و اصل الحکمۃ فی اللغۃ المنع وسمی الحاکم حاکما لانہ یمنع عن الظلم والزیغ۔ (زاد المسیر ص۲۰۲ جلد ۴)

[۱] ہٹا دینا یہ ترجمہ عن نفسہ میں کلمہ عن کا ہے کیونکہ لفظ عن کلام عرب میں مجاوزت کے لیے آتا ہے۔

ہو جا اور سمجھ لے کہ زنا اپنے اوپر بھی ظلم ہے اور شوہر پر بھی ظلم ہے۔

ناظرین کرام نے ان آیات سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگا لیا ہو گا کہ اگر زلیخا پر فطرت بشری اور نفس امارہ کا غلبہ تھا تو یوسف علیہ السلام پر خدا داد علم و حکمت اور پیغمبرانہ عصمت و نزاہت کا غلبہ تھا۔ خود بھی اس برائی سے محفوظ ہیں اور اسکو بھی وعظ و نصیحت فرما رہے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ زلیخا نے نو جال ہی بچھا ڈالا ہے تو گھبرا کر معاذ اللہ کہا اور اللہ کی پناہ میں داخل ہو گئے اور جس نے خدا کی پناہ لی اس پر کس کا وار چل سکتا ہے۔ اور پھر یہ فرمایا۔ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ اور پھر یہ فرمایا اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۔

ناظرین غور فرمائیں کہ دلائل یوسفی کی یہ ترتیب بھی یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کا ایک نمونہ ہے دلائل کی یہ ترتیب غایت درجہ مستحسن ہے اب آگے پھر حضرت یوسف علیہ السلام کی کمال عفت کا بیان ہے اور البتہ تحقیق فکر کی اس عورت نے یوسف علیہ السلام کو پھانسنے کی۔ اور یوسف علیہ السلام نے فکر کی اس کے دفع کرنے کی اور اپنے سے ہٹانے کی اور وہاں سے بھاگنے اور اس کے جال سے نکلنے کی۔ اگر یوسفؑ نے اپنے پروردگار کی دلیل اور حجت کو اور اپنے رب کریم کی عظمت اور کبریائی کو نہ دیکھا ہوتا تو ایسے[1] وقت میں ثابت قدم رہنا بہت مشکل تھا کیونکہ اسباب اور دواعی سب موجود تھے اور مانع کوئی موجود نہ تھا مگر جس نے خدا کی حجت اور دلیل کو دیکھ لیا ہو اور زنا اور بدکاری کی قباحت اور شناعت اس پر روز روشن کی طرح واضح ہو اور خدا کی عظمت اور جلال اسکے سامنے ہو وہ نفس اور شیطان کے جال میں کہاں پھنس سکتا ہے جس پر خدا کی دلیل اور برہان سے زنا کی حرمت اور شناعت منکشف ہو جاتی وہ برے کام سے متنفر اور بیزار ہو کر اسی طرح بھاگتا ہے۔ دیکھ لو اسی طرح ہم نے یوسفؑ کو اپنی برہان دکھلائی اور اپنی پناہ میں لے لیا۔ تاکہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی کو پھیر دیں یعنی جو برائی اور بے حیائی یوسفؑ کے پاس آنا چاہتی ہے ہم اس کو یوسفؑ کے قریب بھی نہ آنے دیں تاکہ اس کے دامن عفت و عصمت پر کوئی دھبہ نہ لگ جائے کیونکہ وہ بلاشبہ ہمارے ان معصوم اور مخلص بندوں میں سے ہیں جن پر شیطان کا قابو نہیں چلتا اور دوسری جگہ اس طرح آیا ہے فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ اس آیت میں شیطان کے اقرار کا ذکر کیا گیا ہے کہ اس نے یہ اعتراف کیا کہ اس کے لیے خدا تعالیٰ کے عباد مخلصین کا اغوا ممکن نہ ہو گا اور یوسف علیہ السلام بھی خدا کے مخلصین میں سے ہیں اصطلاح قرآن میں عباد مخلصین خدا کے ان چیدہ اور برگزیدہ بندوں کو کہا جاتا ہے کہ جو خالص اللہ اور آخرت کے ہو گئے ہوں اور نفس اور شیطان کا کوئی شائبہ ان میں باقی نہ رہا ہو کما قال تعالیٰ وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ یہ آیت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے حق میں ہے اور زیر تفسیر آیت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہے جو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ کی اولاد میں سے ہیں انکو بھی اللہ تعالیٰ نے ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب علیہم الصلوٰۃ والسلام

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ کی جزاء محذوف ہے وہ یہ ہے جو ذکر کی گئی ہے، منہ عفا اللہ عنہ

کی طرح عباد مخلصین میں شمار فرمایا ہے۔ پس صاف ظاہر ہوگیا کہ یوسف علیہ السلام نے کسی سُوء اور فحشاء کا قطعاً کوئی ارادہ نہیں فرمایا تھا وہ اللہ کے عباد مخلصین میں سے تھے جس پر نفس اور شیطان کا کوئی حربہ کارگر نہیں ہوتا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یوسفؑ کو عباد مخلصین میں اور اس سے پہلے انکو عباد محسنین میں سے فرمایا۔ اس قسم کے تمام اوصافِ مدح یوسف علیہ السلام کی عصمت کے دلائل ہیں معلوم ہوا کہ یوسف علیہ السلام ہر گناہ سے پاک اور بری رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس واقعہ میں یوسف علیہ السلام سے کوئی کلمہ توبہ اور استغفار کا منقول نہیں یہ ناممکن ہے کہ نبی اور صدیق سے کوئی امر خلاف اولیٰ سرزد ہوا اور وہ توبہ اور استغفار نہ کرے اور لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ۔ کے بعد حق تعالیٰ شانہ کا یہ فرمانا لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ تاکہ ہم یوسفؑ سے سوء اور فحشاء کو دور رکھیں یہ اس امر کی دلیل ہے کہ سوء اور فحشاء یوسفؑ کی طرف آنا چاہتے تھے اللہ نے سوء کو دور رکھا اور یوسفؑ کے پاس نہ آنے دیا۔ معاذ اللہ یوسف علیہ السلام سوء اور فحشاء کی طرف مائل نہ تھے ورنہ اس طرح فرماتے لِنَصْرِفَهٗ عَنِ السُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ۔ کہ ہم نے یوسفؑ کو سوء اور فحشاء سے دور رکھا اور یوسفؑ کو سوء اور فحشاء کے پاس جانے سے باز رکھا۔ پس یہ تعبیر اس امر کی صریح دلیل ہے کہ سوء اور فحشاء چل کر یوسف علیہ السلام کی طرف آنا چاہتے تھے معاذ اللہ یوسف علیہ السلام سوء اور فحشاء کی طرف نہیں جارہے تھے جو کسی کی طرف ناجائز قدم اٹھائے اسکے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس کو آنے سے اور اندر داخل ہونے سے روک دیا گیا ہے پس خوب سمجھ لو کہ سوء اور فحشاء یوسف صدیقؑ کی بارگاہ عفت وعصمت کی طرف قدم اٹھانا چاہتا تھا خداوندِ قدوس نے انکو آنے سے روک دیا معاذ اللہ اگر یوسفؑ صدیق کے ارادہ میں کوئی حرکت ہوتی تو یوں فرماتے کہ ہم نے یوسفؑ کو سوء اور فحشاء کی طرف جانے سے روک دیا پس یہ آیت اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ یوسفؑ نے کسی سوء اور فحشاء کا قصد نہیں کیا اس لیے کہ بُرے کام کا ہمّ اور قصد بھی سوء اور فحشاء ہے اور اس آیت میں یہ بتلادیا کہ اللہ کریم نے سوء اور فحشاء کو یوسف علیہ السلام سے دور رکھا۔ اور علیٰ ہذا شروع آیت میں یہ فرمانا کہ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ۔ یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ یوسف علیہ السلام کا ارادہ امرأۃ العزیز کے ارادہ سے مختلف تھا کیونکہ مراودت۔ باب مفاعلت کا صیغہ ماضی ہے جس کا مصدر مراودت ہے بروزن مقاتلت اور مضاربت اور تمام کتب لغت اور صرف میں یہ تصریح ہے کہ باب مفاعلت مقابلہ اور مشارکت کے لیے آتا ہے مقاتلت کے معنی قتل میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنا اور مضاربت کے معنی ضرب میں ایکدوسرے کا مقابلہ کرنا مخادعت ایکدوسرے کو دھوکہ دینا اور اسی طرح مراودت کے معنی سمجھو کہ جو "رود" بمعنی طلب سے مشتق ہے کہ طلب اور ارادہ میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنا یک طرفہ طلب کا نام ارادہ ہے جب طلب اور خواہش میں دو طرفہ مقابلہ ہو تو لغت میں اسکا نام مراودت ہے تو لفظ "رَاوَدَتْنِيْ" خود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دونوں کی طلب مختلف تھی۔ طلب اور خواہش میں دونوں کا مقابلہ شروع ہوا۔ یوسفؑ کی طلب اور تھی اور زلیخا کی طلب اور تھی۔ زلیخا یہ چاہتی تھی کہ یوسفؑ کو پھسلا کر اسکی ذات قدسی صفات سے ہٹا کر اپنی طرف کھینچ لے۔ کما قال اللہ تعالیٰ سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ۔ اس آیت میں صاف ظاہر ہے کہ باپ کی طلب بیٹوں کی طلب سے مختلف تھی۔ اور وَلَقَدْ

هَمَّتْ بِهٖ وَ هَمَّ بِهَا۔ کا لفظ بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔ کہ امرأت العزیز اور یوسف علیہ السلام دونوں کا فکر اور ھمّ بالکل ایک دوسرے سے مختلف اور جدا تھا ہر ایک کو اپنی اپنی فکر تھی۔ امرأت العزیز کو اپنے مطلب کی فکر تھی اور یوسف صدیق کو اسکے دفعیہ کا فکر تھا حق جل شانہٗ نے امرأۃ العزیز کے ھمّ کو علیحدہ ذکر فرمایا۔ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَ هَمَّ بِهَا۔ فرمایا اور یہ نہیں فرمایا کہ وَ لَقَدْ هَمَّا کہ دونوں نے قصد اور ارادہ کیا معلوم ہوا کہ دونوں کا قصد اور ارادہ ایک دوسرے سے مختلف تھا۔ قرآن کریم میں ہے۔ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ۔ وَ مَكَرُوْا مَكْرًا وَّ مَكَرْنَا مَكْرًا۔ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّ اَكِيْدُ كَيْدًا۔

ان آیات میں حق تعالے نے کافروں کے مکر و کید کو علیحدہ ذکر فرمایا ہے اور اپنی مکر و کید کو علیحدہ ذکر فرمایا معلوم ہوا کہ اللہ کا کید اور مکر کافروں کے کید و مکر سے مختلف اور جدا تھا دونوں مکر اور کید ایک قسم کے نہ تھے اسی طرح یہاں سمجھو کہ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَ هَمَّ بِهَا۔ کا مطلب یہ ہے کہ زلیخا نے اپنے مطلب کی فکر کی اور یوسف علیہ السلام نے اسکے مقابلہ اور دفع کی فکر کی ہے ہر ایک کا ھمّ دوسرے سے مختلف اور جدا تھا۔ چنانچہ شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ روحانی اور کشفی طور پر حضرت یوسف علیہ السلام سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالے نے آپکے قصہ میں یہ فرمایا ہے وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَ هَمَّ بِهَا اور اس ھمّ کی کوئی تعیین نہیں فرمائی بظاہر اشتراک معلوم ہوتا ہے یوسف علیہ السلام نے جواب میں یہ فرمایا۔

نعم صدقت لكن فی اللفظ دون المعنی فانها همت بی فتعمدنی علی ما كانت ارادت منّی و هممت انا بها لاقهرها بالدفع عن ذالك فالاشتراك فی طلب القهر منی و منها۔

ہاں تو نے سچ کہا لیکن وہ اشتراک صرف لفظ میں ہے نہ کہ معنی میں اس نے یہ ارادہ کیا کہ مجھے اپنے مطلب پر مجبور کرے اور میں نے یہ ارادہ کیا کہ میں اسکے دفع کرنے میں غالب آجاؤں پس اشتراک طلب قہر اور غلبہ میں ہے مگر ہر ایک کا مقصد اور مطلب الگ الگ اور جدا جدا ہے۔

اور فرمایا کہ دلیل اس کی یہ ہے کہ خود امرأۃ العزیز نے اقرار کیا اَلْاٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ۔ اور میرے قصہ میں کسی جگہ قرآن میں یہ نہیں آیا کہ اَنَا رَاوَدْتُّهَا عَنْ نَّفْسِهَا۔ اور یہ فرمایا کہ میں کیسے اس کا ارادہ کرتا اللہ نے مجھے اپنی برہان دکھلائی۔ (دیکھو۔ الیواقیت والجواہر ص ۱۳ جلد ۲)

نیز انبیاء کرام سے اگر ذرا بھی بھول چوک ہو جاتی ہے تو اس کو اتنا عظیم سمجھتے ہیں کہ سالہا سال تک توبہ استغفار میں لگے رہتے ہیں اور اس واقعہ میں حضرت یوسف علیہ السلام سے ایک لفظ توبہ استغفار کا منقول نہیں ہوا کیونکہ اس واقعہ میں ان سے کوئی غلطی اور لغزش ظہور میں نہیں آئی۔

امام رازیؒ تفسیر کبیر[1] میں فرماتے ہیں کہ یہ تو ناممکن ہے کہ دونوں کا ہمّ اور قصد ایک ہی قسم کا ہو لہذا ضروری ہوا کہ ہر ایک کے ہمّ کو اس کے قصد پر محمول کیا جائے جو اسکے مناسب ہو پس عورت کے لائق یہ ہے کہ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ میں اسکے قصد کو تحصیل لذت پر محمول کیا جائے اور هَمَّ بِهَا میں خدا کے برگزیدہ بندہ کے ہمّ کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور دفع مصیبت کے ہمّ پر محمول کیا جائے۔ لہذا وَ هَمَّ بِهَا۔ کے معنی یہ ہونگے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے نفس سے اس امر قبیح کے دفع کرنے کا ارادہ فرمایا۔ (تفسیر کبیر ص۱۲۲ ج ۵)

اور اسی کے قریب قریب ابن انباریؒ کا قول ہے جس کو ابن جوزیؒ نے نقل کیا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اس کے مارنے اور دفع کرنے کا ارادہ فرمایا۔ مگر اللہ کریم کی برہان کو دیکھ کر خیال آیا کہ مارنا مناسب نہیں ورنہ زلیخا ان پر یہ الزام قائم کرے گی کہ اس نے مجھے اس لیے مارا تھا۔ (دیکھو زاد المسیر ص۲۰۶ جلد ۴)

اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ وَ هَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ۔ کا جواب مقدم ہے جس سے آیت کا مطلب یہ ہو جاتا ہے کہ اگر وہ اپنے پروردگار کی برہان نہ دیکھ لیتے۔ تو وہ بھی ارادہ کر لیتے مگر چونکہ انہوں نے خدا کی برہان کو دیکھ لیا تھا اس لیے ارادہ بھی نہیں کیا جیسا کہ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا میں جواب لَوْلَآ مقدم ہے اور اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا میں بھی لَوْلَا کا جواب مقدم ہے اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ ہمّ کے معنی قصد اور ارادہ کے نہیں مگر محض خیال آجانے کے معنی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ بمقتضائے بشریت دل میں بے اختیار خیال آیا مگر انہوں نے خدا کی برہان دیکھ کر اس پر عمل نہیں کیا اللہ تعالٰی نے انکو اس سے بالکلیہ محفوظ رکھا۔

جیسے روزہ دار کو گرمی میں بے اختیار پانی کا خیال آجاتا ہے مگر وہ پانی پیتا نہیں اسی طرح سمجھو کہ یوسف علیہ السلام کے دل میں اگر ایسا خیال آیا تو وہ خیال محض غیر اختیاری خطرہ کے درجہ میں تھا عزم کے درجہ میں نہ تھا اس لیے کہ انبیاء کرامؑ اس بات سے قطعاً معصوم ہیں کہ وہ معصیت کا عزم کریں اور اسی قول کو عامہ مفسرین نے اختیار کیا ہے۔ (زاد المسیر ص۲۰۳ ج ۴)

اور بعض مفسرین نے جو اس بارہ میں نازیبا واقعات نقل کیے ہیں وہ سب قطعاً غلط ہیں اور آیت کے سیاق و سباق کے بالکل خلاف ہیں کیونکہ قصہ کا تمام سیاق و سباق حضرت یوسف علیہ السلام کی مدح اور منقبت اور انکی کمال عفت و عصمت کے بیان سے بھرا پڑا ہے اور قرآن کریم کی آیات خود اس کی تکذیب و تردید کے لیے کافی ہیں۔

[1] قال الامام المراد انه عليه السلام هم بدفعها عن نفسه و منعها عن ذالك القبيح لان الهم هو القصد فوجب ان يحمل فى كل احد على القصد الذى يليق به فاللائق بالمرأة القصد الى تحصيل اللذة والتنعم والتمتع وا للائق بالرسول المبعوث الى الخلق القصد الى زجر المعاصى عن معصيته والامر بالمعروف والنهى عن المنكر (تفسیر کبیر ص۱۲۲ جلد ۵)

بالآخر جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ حال دیکھا تو جان بچا کر بھاگنے کا ارادہ کیا فَفِرُّوٓا اِلَى اللّٰہِ زلیخا انکے پیچھے دوڑی اور اس طرح آگے پیچھے دونوں دروازے کی طرف دوڑے یوسف علیہ السلام اپنے آپ کو معصیت سے بچانے کو دوڑے اور زلیخا انکو پکڑنے کے لیے بھاگی اور انکے کرتے کا پیچھے کا دامن اس کے ہاتھ میں آگیا اور پیچھے کی جانب سے انکا کرتہ چیر ڈالا۔ آگے آگے یوسف ؑ تھے اور پیچھے پیچھے زلیخا تھی مگر یوسف علیہ السلام کسی طرح دروازے سے باہر نکل گئے اور جوں توں کر کے مکان سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ ادھر یہ دونوں دروازہ پر پہنچے اور ادھر اتفاق سے دونوں نے عورت کے آقا یعنی شوہر کو دروازہ میں کھڑے پایا۔ زلیخا شوہر کو دیکھ کر بہت شرمندہ ہوئی معلوم نہیں کہ بند دروازہ کس طرح کھل گیا بعض کہتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے کھولنے سے کھل گیا اور بعض کہتے ہیں کہ خود بخود کھل گیا۔ پس جب عورت نے شوہر کو دروازے میں کھڑا پایا تو حقیقت کو چھپانے کے لیے اور فضیحت سے بچنے کے لیے اور اپنے کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے ایک مکر بنایا اور اُلٹا الزام یوسف ؑ پر لگا دیا اور اپنے شوہر سے کہنے لگی کہ کیا سزا ہے اس شخص کی جو تیرے اہلخانہ کے ساتھ بدی کا تصور کرے اور تیری اہلیہ کو بے آبرو کرے یہ کہہ کر اس کو غصہ دلایا مگر یہی کہ ایک دو روز کے لیے اس کو جیل خانہ میں ڈال دیا جائے یا کوئی اور دکھ کی مار دی جائے۔ عذاب الیم سے درد شدید مراد ہے جس سے تکلیف اور درد ہو زلیخا نے قید اور تکلیف کا تو ذکر کیا مگر یہ نہ کہا کہ اسکو قتل کر دیا جائے اس لیے کہ اسکا دل قتل پر آمادہ نہ تھا اور مستقل قیدی بنانے پر بھی آمادہ نہ تھا بلکہ یہ چاہتی تھی کہ صرف دو تین دن کے لیے اسکو جیل خانہ بھیج دیا جائے۔ یوسف علیہ السلام نے کہا کہ یہ جو کچھ بطور تعریض میری طرف منسوب کر رہی ہے وہ بالکل جھوٹ ہے بلکہ معاملہ برعکس ہے خود اسی عورت نے مجھ سے خواہش کی اور مجھے پھسلایا اور بہلایا اور اسی نے جبراً و قہراً مجھ کو میرے نفس سے ہٹانا چاہا اور میں نے انکار کیا اور اس کے فتنہ سے اپنی جان بچانے کے لیے بے تحاشا بھاگا اور یہ میرے پیچھے لگی چلی آئی یہاں تک کہ جب میرے اوپر بس نہ چلا تو پیچھے سے میرا کرتہ کھینچا جو اس کھینچا تانی میں پھٹ گیا۔ یہ خواہش تو اس کی تھی۔ معاذ اللہ میری خواہش ہرگز ہرگز نہ تھی۔

زلیخا ہرچہ می گوید دروغ است ⁂ دروغ او چراغ بے فروغ است

یہ جواب سُن کر عزیز مصر کو حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکی اور طہارت کا یقین واثق ہو گیا اور سمجھ گیا کہ یوسف علیہ السلام بالکل بے قصور ہیں سارا قصور اس کی بیوی کا ہے مگر باوجود اس کے حق تعالیٰ نے اتمام حجت کے لیے ایک ظاہری شہادت بھی پیدا فرما دی جو پردۂ غیب سے ظاہر ہوئی اور اسکی صورت یہ ہوئی کہ اسی عورت کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ اگر یوسف ؑ کا پیراہن آگے سے پھٹا ہے تو زلیخا سچ کہتی ہے اور یوسف ؑ جھوٹوں میں سے ہے اس لیے کہ یہ صورت اس بات کی علامت ہے کہ زلیخا نے یوسف ؑ کو اپنے سے دفع کرنے کا قصد کیا تو آگے سے انکا پیراہن پھٹ گیا اور اگر یوسف ؑ کا پیراہن پیچھے کی جانب سے پھٹا ہے تو زلیخا جھوٹ کہتی ہے اور یوسف ؑ سچوں میں ہے اس لیے کہ یہ حالت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یوسف علیہ السلام تو اس سے بھاگنا چاہتے تھے اور زلیخا نے پیچھے سے آ کر انکو اپنی طرف کھینچنا چاہا اس لیے کرتہ

پیچھے کی جانب سے پھٹ گیا۔ اور روایات حدیث اور اقوال صحابہ و تابعین سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے کہ گواہی دینے والا ایک شیرخوار بچہ تھا جس نے بطور معجزہ اور خرق عادت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح گہوارہ میں کلام کیا۔ اللہ کی قدرت سے وہ شیرخوار بچہ بولا۔ جس سے یوسف علیہ السلام کی برارت اور نزاہت روز روشن کی طرح واضح ہوگئی اور عزیز مصر کو یقین آ گیا کہ یوسف علیہ السلام سچے ہیں اور زلیخا جھوٹی ہے اس لیے اب عزیز مصر زلیخا کی طرف متوجہ ہوا اور غصہ میں آ کر بولا کہ تحقیق بلا شبہ تم عورتوں کا یہ ایک مکر او رحیلہ ہے اور بے شک تمہارا مکر بہت بڑا ہے بلا شبہ عورتوں کی چالاکیاں غضب کی ہوتی ہیں۔

حکایت کسی عالم کا قول ہے کہ میں شیطان سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا کہ عورتوں سے ڈرتا ہوں۔ عورتوں کا کید عظیم ہے اور شیطان کا کید ضعیف ہے۔ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا۔ نیز شیطان چوروں کی طرح چھپ کر مکر کرتا ہے اور عورت سامنے آ کر مکر کرتی ہے پھر یوسف علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا اے یوسف جو ہونا تھا وہ ہو چکا اب آئندہ کے لیے اس بات سے درگزر کرو اور کسی سے اس کا ذکر نہ کرو۔ عزیز مصر کا منشاء یہ تھا کہ کسی کو خبر نہ ہو۔ تاکہ میری رسوائی نہ ہو۔ مگر قضاء و قدر نے اس کو ایسا مشہور کیا کہ ہر ایک گھر میں اس کا چرچا ہونے لگا۔ اور عزیز مصر نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو اللہ سے اپنے گناہ کی معافی مانگ یا یہ معنی ہیں کہ تو یوسف علیہ السلام سے معافی مانگ کہ تو نے اس کو متہم کر کے ایذاء پہنچائی بے شک تو ہی خطا کاروں میں سے ہے سارا قصور تیرا ہی ہے اس طرح سے یہ قصہ بظاہر ختم ہوا مگر مخفی نہ رہ سکا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ یوسف علیہ السلام نے کسی سوء اور فحشاء کا ہم اور عزم نہیں فرمایا جیسا کہ آیات ذیل سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کیونکہ جن جن افراد اور اشخاص کا اس واقعہ سے تعلق ہے وہ حسب ذیل ہیں (۱) یوسف علیہ السلام (۲) زلیخا (۳) عزیز مصر (۴) زنان مصر (۵) شاہد از اہل زلیخا (۶) ابلیس لعین (۷) خداوند رب العالمین۔ ان میں سے ہر ایک نے یوسف علیہ السلام کی برارت و نزاہت کی شہادت دی اور اس کا اقرار و اعتراف کیا۔ اب ان شہادتوں کے بعد انکی برارت و نزاہت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

دعوائے یوسف علیہ السلام یوسف علیہ السلام نے اپنی برارت و نزاہت کا اس طرح دعوی کیا۔ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ ۔ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۔

اعتراف زلیخا اور زلیخا نے یوسف علیہ السلام کی براءت و نزاہت کا ان لفظوں میں اقرار کیا۔ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۔ اَلْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۔

عزیز مصر کا اعتراف قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِــِٕيْنَ ۔

شہادت شاہد وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۔

شہادت زنان مصر قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ۔ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۔

شہادت ربّ العالمین

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا - كَذَٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوٓءَ وَ الْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ -

شہادت ابلیس لعین

فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ -

الغرض یہ دس آیتیں ہیں جو حضرت یوسف علیہ السلام کی برارت کی شاہد ہیں اب ان دس شہادتوں کے بعد ان کی نزاہت وعصمت میں کوئی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی ۔ (تفسیر کبیر صہ ۱۲۱ جلد ۵)

ذکر الطاف وعنایات خداوندی

علاوہ ازیں حق جل شانہٗ نے اس قصہ میں یوسف علیہ السلام پر جن خصوصی عنایات والطاف کا ذکر فرمایا ہے وہ بھی دس سے کم نہیں مثلاً (۱) رؤیائے صادقہ (۲) اور اجتبار (۳) اور علم تاویل (۴) اور اتمام نعمت (۵) اور تمکین زمین مصر (۶) اور ایتائے علم وحکمت اور ان کا (۷) عبادِ محسنین (۸) اور عبادِ مخلصین (۹) اور صادقین میں سے ہونا (۱۰) اور شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا۔ یعنی ایک شیرخوار بچہ کا شہادت دینا۔ فَتِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ۔ یہ دس امور بھی اس امر کی قطعی دلیل ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے کسی سوء اور فحشا کا قصد نہیں فرمایا۔

ضمیمہ متعلقہ بہ تفسیر وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا

اس شاہد (گواہ) کے بارہ میں علمار کے دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ وہ کوئی مرد دانشمند تھا اور زلیخا کا رشتہ دار تھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ گہوارہ کا شیرخوار بچہ تھا اور یہی صحیح ہے کیونکہ اس بارہ میں ایک صریح حدیث بھی آئی ہے جس کو ابن جریرؒ وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بچپن میں چار افراد نے کلام کیا۔ اوّل فرزند ماشطۂ دختر فرعون۔ دوم یوسف ؑ کی سچائی کا گواہ

سوم جریج راہب کی پاکی کی گواہی دینے والا بچہ۔ چہارم عیسیٰ بن مریمؑ اور اس حدیث کو امام احمدؒ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور ابن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ اور حسن بصریؒ اور سعید بن جبیرؒ اور ضحاکؒ اور ہلال بن یساف وغیرہم سے بھی یہ منقول ہے کہ وہ شیر خوار بچہ تھا۔ (دیکھو تفسیر قرطبی صـ۱۹۲ جلد ۹ و تفسیر ابن کثیر صـ۴۷۵ جلد ۲)

خلاصہ کلام یہ کہ صحیح قول یہ ہے کہ وہ شاہد ایک شیر خوار بچہ تھا اور عورت کا قریبی رشتہ دار تھا اللہ تعالے نے اپنی قدرت سے اسکو گویا کر دیا تاکہ یوسفؑ کی برارت اور پاکدامنی ظاہر ہو جائے۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ

اور کہنے لگیں کئی عورتیں اس شہر میں، عزیز کی عورت خواہش کرتی ہے

فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۭ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ

اپنے غلام سے اسکا جی فریفتہ ہوگیا اسکی محبت میں۔ ہم تو دیکھتے ہیں وہ

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ

بہکی ہے صریح۔ پھر جب سُنا اس نے انکا فریب بلاوا بھیجا

اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ

اُن کو اور تیار کی ان کے واسطے ایک مجلس اور دی انکو ہر ایک کے ہاتھ

مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا

میں چھری اور بولی یوسف! نکل آ انکے سامنے پھر جب

رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ

دیکھا اس کو، دہشت میں آگئیں اسکے اور کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ اور کہنے لگیاں حاشاللہ۔

لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾

نہیں یہ شخص آدمی یہ تو کوئی فرشتہ ہے بزرگ۔

قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۭ وَلَقَدْ

بولی سو یہ وہی ہے کہ طعنہ دیا تم نے مجھ کو اسکے واسطے اور میں نے

رَاوَدتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ

چاہا اس سے اس کا جی پھر اس نے تھام رکھا اور مقرر اگر

يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

نہ کریگا جو میں اسکو کہتی ہوں، البتہ قید پڑیگا اور ہوگا بے عزت۔

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ وَ

یوسف بولا اے رب! مجھ کو قید پسند ہے اس بات سے جس طرف مجھ کو بلاتیاں ہیں اور

اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ

اگر تو نہ دفع کرے مجھ سے انکا فریب تو مائل ہو جاؤں ان کی طرف اور ہوجاؤں

مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ

بے عقل۔ سو قبول کر لی اس کی دعا اسکے رب نے پھر دفع کیا اس سے

كَيْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ

انکا فریب البتہ وہ ہے سننے والا خبردار۔ پھر یوں سوجھا لوگوں

مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾ ع

کو وہ نشانیاں دیکھے پر کہ قید رکھیں اسکو ایک مدت۔

قصۂ دعوت زلیخا زنانِ مصر را مشتمل بر اعتراف عصمت و عفت یوسف ؑ

قال اللہ تعالیٰ وَ قَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ .. الی .. لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ٥

(ربط) گزشتہ آیات میں یہ بیان فرمایا کہ جب عزیز مصر پر یہ واضح ہوگیا۔ کہ یوسف علیہ السلام بالکل بے قصور ہیں اور یہ سب اسکی بیوی کا خود ساختہ مکر اور فریب ہے تو عزیز مصر نے یوسف علیہ السلام سے یہ کہا کہ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا۔ کہ اے یوسف ؑ اس بات سے درگزر کر اور کسی سے اسکا ذکر نہ کر اور بیوی سے کہا کہ وَاسْتَغْفِرِيْ

لِذَنۡۢبِكِ - کہ یوسفؑ سے اپنے قصور کی معافی مانگ -

عزیز مصر کا مقصود یہ تھا کہ یہ قصہ پوشیدہ رہے اور اس کا چرچا نہ ہو مگر "نہاں کے ماند آں رازے کز وسازند محفلہا" بالآخر یہ خبر فاش ہو گئی اور رؤسائے شہر کی بیگمات میں اسکا تذکرہ ہونے لگا کہ عزیز مصر کی بیوی اپنے نوجوان غلام پر مفتون ہو گئی ہے زلیخا کو جب یہ خبر ہوئی کہ زنانِ مصر میرے بارہ میں یہ کہتی ہیں تو اس نے عورتوں کی دعوت کر کے انکو بلا بھیجا تاکہ یہ بھی ایک مرتبہ یوسفؑ کے حسن و جمال کو دیکھ لیں۔ اور مجھ کو معذور جانیں۔

محتسب گر می خورد معذور دارد مست را

حق جل شانہٗ نے پہلے واقعہ میں ایک شیر خوار بچہ کی گواہی سے یوسف علیہ السلام کی برارت اور طہارت ظاہر فرمائی اسکے بعد اب دوسرا واقعہ زنانِ مصر کی دعوت کا پیش آیا۔ اس واقعہ میں عزیز مصر کی بیوی نے سب کے سامنے اسکا صاف اعتراف کیا کہ یوسفؑ کی مراودت اور طلب میری طرف سے تھی اور یوسفؑ اس بارہ میں بالکل معصوم ہے۔ وَلَقَدۡ رَاوَدتُّهُۥ عَن نَّفۡسِهِۦ فَٱسۡتَعۡصَمَ۔ شیر خوار بچہ کی شہادت کے بعد زنانِ مصر کی دعوت کا واقعہ قضار و قدر سے انکی برارت کی مزید شہادت بن گیا کہ خود زلیخا نے اعتراف واقرار کیا کہ یوسفؑ اس قصہ میں بالکل بَری اور بے قصور ہے اور جس عورت نے خود ابتدار میں یوسف علیہ السلام پر الزام لگایا تھا۔ مَا جَزَآءُ مَنۡ أَرَادَ بِأَهۡلِكَ سُوٓءًا اب اخیر میں اسی عورت نے سب عورتوں کے سامنے اقرار کر لیا کہ میں نے ہی اس کو پھسلانا چاہا تھا مگر یہ تو فرشتہ کی طرح معصوم نکلا۔ (فَٱسۡتَعۡصَمَ) عزیز مصر کی بیوی کا مقصد تو دعوت سے دفع ملامت و ندامت تھا مگر قضار و قدر نے اس کو یوسفؑ صدیق کی مزید برارت و نزاہت کا ذریعہ بنا دیا اور ایسا ذریعہ بنایا کہ حجّت پوری ہو گئی اور زلیخا نے سب کے سامنے صاف لفظوں میں اعتراف حقیقت کر لیا چنانچہ فرماتے ہیں اور شہر مصر کی رہنے والی چند عورتوں نے یہ بات کہی کہ عزیز مصر کی بیوی یعنی زلیخا اپنے نوجوان غلام کو پھسلاتی ہے اور چاہتی ہے کہ اسکو اس کے نفس قدسی صفات اور ملکی سمات سے ہٹا کر اپنی طرف مائل کرے تحقیق اسکی محبت نے اسکے دل میں جگہ کر لی۔ یعنی اس غلام کی محبت اس عورت کے شغاف قلب (پردۂ دل) کے اندر پہنچ گئی۔ بیشک ہم اس کو کھلی گمراہی کے اندر دیکھتے ہیں یعنی عزیز جیسے شوہر کو چھوڑ کر اپنے زر خرید غلام پر فریفتہ ہونا کھلی نادانی ہے آخر وہ کیسا خوبصورت ہے جس پر وہ اس قدر بچھی پڑی ہے۔ پس جب زلیخا نے ان عورتوں کے پر فریب اور مکر آمیز باتوں کو سنا تو اس نے بھی ان کے ساتھ مکر و فریب کیا کہ دعوت کے بہانہ سے ان عورتوں کو بلا بھیجا۔ زنان مصر کا زلیخا کو ملامت کرنا یہ مکر تھا کیونکہ ان عورتوں نے یوسفؑ کے حسن و جمال کی خبر سنی تو چاہا کہ یوسفؑ کو دیکھیں اس لیے زلیخا کو یہ طعنہ دیا تاکہ اس حیلہ اور بہانہ سے یوسفؑ کو دیکھنا نصیب ہو زلیخا نے جب ان کی ملامت سنی تو اس نے چاہا کہ اپنی معذوری ان پر ظاہر کرے اس لیے دعوت کے حیلہ سے انکو مدعو کیا اور ان کے لیے مسندیں تیار کیں قسم قسم کے فرش اور تکیوں سے مجلس کو آراستہ کیا اور قسم قسم کے کھانے اور میوہ جات تیار کیے اور گوشت کے پارچوں اور پھلوں کے کاٹنے کے لیے ہر ایک کو ایک ایک چھری دے دی مصر میں یہ دستور

تھا کہ گوشت اور میوؤں کو چھری سے کاٹ کر کھایا کرتے تھے یہ تمام انتظام زلیخا کی طرف سے ان عورتوں کے ساتھ ایک قسم کا مکر تھا اور اس طرح سے جب مجلس آراستہ ہوگئی اور بیگمات نے کھانا شروع کردیا اس وقت زلیخا نے یوسفؑ سے کہا کہ جو اس وقت کسی دوسرے کمرہ میں تھے اے یوسفؑ ذرا ان عورتوں کے سامنے باہر آجاؤ۔ یوسف علیہ السلام نے یہ خیال کیا کہ شاید مجھے کسی کام یا ضرورت کے لیے بلایا جا رہا ہے اور وہ باہر آ گئے۔

ز خلوت خانہ آں گنج نہفتہ ∴ بروں آمد چو گلزار شگفتہ

پس جب ان عورتوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو انکو بزرگ شان والا جانا اور انکے ظاہری اور باطنی حسن و جمال کی ان پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ وہ بیخود ہوگئیں اور اسی بیخودی میں اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے نہ خون بہتے دیکھا اور نہ زخم کا درد و الم محسوس ہوا اور جب ذرا ہوش میں آئیں تو کہنے لگیں "حَاشَ لِلّٰہِ" خدا پاک ہے یہ غلام تو آدمی نہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہی ہے یعنی یہ بے مثال حسن و جمال اور یہ عظمت و جلال انسان میں کہاں یہ تو فرشتوں کے اوصاف ہیں یعنی درحقیقت یہ کوئی فرشتہ ہے جو صورت انسانی میں نمودار ہوا ہے۔

چوں دیدندش کہ جز والا گہر نیست ∴ برآمد بانگ بر ایشاں کیں بشر نیست
نہ چوں آدم ز آب و گل سرشتہ است ∴ ز بالا آمدہ قدسی فرشتہ است

اور اس ظاہری حسن و جمال کے علاوہ چہرۂ منور پر تقوی اور تقدس اور معصومیت کے آثار نمایاں تھے کہ ان حسین و جمیل عورتوں کے سامنے سے گذرے چلے جا رہے تھے کہ ذرہ برابر کسی مہ جبیں کی طرف التفات بھی نہیں گویا کہ فرشتہ سامنے سے گذر رہا ہے اس معصومانہ رفتار نے انکو اور زیادہ مرعوب کردیا کہ آدمی تو اس حال اور چال کا نہیں ہوسکتا۔ یہ تو کوئی فرشتہ معلوم ہوتا ہے جس میں شہوت نفسانی کا کوئی شائبہ دکھلائی نہیں دیتا۔ اس وقت زلیخا نے ان عورتوں سے کہا کہ پس یہی وہ شخص ہے جس کی محبت میں تم نے مجھ کو طعنہ دیا ایک ہی نظر میں تم پر یہ حال گزرا تو مجھ پر ملامت کیسی۔ زلیخا نے عورتوں پر یہ واضح کردیا کہ میں اسکی محبت میں معذور ہوں اس کے بعد زلیخا نے واقعہ کی حقیقت کو بتلایا جس سے مقصود زنانِ مصر کے اس قول کی یعنی اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ کی تائید تھی کہ تم جو یہ کہتی ہو کہ یہ شخص بشر نہیں بلکہ فرشتہ ہے بالکل حق اور درست ہے اور بے شک میں نے اسکو اسکے نفس سے ہٹانا اور پھسلانا چاہا لیکن وہ معصوم اور فرشتہ کی طرح بالکل محفوظ رہا اور میرے پھسلائے میں نہ آیا اور اس اعتراف حقیقت کے بعد زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو دھمکی دی اور یہ کہا کہ خیر اب تو جو ہوا سو ہوا البتہ اگر آئندہ اس نے میرے حکم کے موافق کام نہ کیا تو ضرور جیل بھیج دیا جائے گا۔ اور البتہ ہوگا ذلت اٹھانے والوں میں سے اوّل تو قید ہی ذلت ہے پھر اس امیری اور وزیری محل سرائے سے نکل کر جیل خانہ میں جانا اور بھی ذلت ہے یہ بات زلیخا نے عورتوں کے سامنے کہی عورتوں نے بھی یوسفؑ سے کہا کہ اپنی سیدہ کا حکم مان۔ غلام کے لائق نہیں کہ وہ اپنی سیدہ کی نافرمانی کرے اور جیل میں جائے۔ چنانچہ یوسفؑ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ صورت حال یہ ہے اور ہر طرف سے جال بچھا ہوا ہے تو یوسف علیہ السلام نے

گھبرا کر یہ دعا کی کہ اے میرے پروردگار مجھ کو اس جال سے نکال وہ جیل خانہ جس کی مجھ کو دھمکی دی جا رہی ہے وہ مجھے زیادہ پسند ہے اس کام سے جس کی طرف یہ عورتیں مجھ کو بلاتی ہیں کہ زلیخا کو خوش کروں اگر جیل خانہ چلا گیا تو تیری نافرمانی کا اندیشہ اور خطرہ تو نہ رہے گا۔

عجب در ماندہ ام در کار ایشاں ؛ مرا زنداں بہ از دیدار ایشاں

چونکہ ان عورتوں نے زلیخا کی سفارش کی تھی کہ یوسف علیہ السلام کو چاہیئے کہ اپنی سیدہ کے حکم کو مانے اس لیے صیغہ جمع مؤنث کا لایا گیا اور یَدْعُوْنَنِیْٓ کہا گیا جس کی ضمیر ان عورتوں کی طرف راجع ہے اور اے پروردگار اگر تو نے مجھ سے ان عورتوں کے مکر و فریب کو دور نہ کیا تو مجھ کو ڈر ہے کہ کہیں میں انکی طرف جھک نہ جاؤں اور نادانوں میں سے ہو جاؤں۔ عورتوں کی طرف تھوڑا سا میلان اور جھکاؤ بھی نادانی ہے دانائی اور عقلمندی یہ ہے کہ عورتوں سے دور رہے پس انکے پروردگار نے انکی دعا قبول کی پس اللہ تعالےٰ نے ان عورتوں کا مکر و فریب ان سے دفع کیا۔ بے شک خدا ہی سننے والا جاننے والا ہے یہ دونوں آیتیں صراحتاً اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یوسف علیہ السلام ذرہ برابر بھی انکی طرف مائل نہ ہوئے اور انہوں نے خدائے تعالیٰ سے جو دعا مانگی اللہ نے وہ دعا انکی قبول کی۔ یوسف علیہ السلام کی اس دعا کا مطلب یہ تھا کہ اے پروردگار مجھے اپنے نفس پر بھروسہ نہیں تیری تائید اور حفاظت کی درخواست کرتا ہوں کہ مجھے ان کے مکر و فریب سے دور رکھ اور جیل خانہ کی درخواست اس لیے کرتا ہوں کہ ان کے فتنہ سے نجات ملے۔ اور انکی مراودت سے بالکل محفوظ ہو جاؤں اللہ تعالےٰ نے انکی دعا قبول کی چنانچہ پھر اسکا اثر اس طرح ظاہر ہوا کہ یوسف علیہ السلام کی براءت و نزاہت کی نشانیاں دیکھنے کے بعد انکی رائے ہوئی کہ اس عبرانی غلام کو ایک مدت کے لیے قید میں رکھیں کہ لوگوں میں یہ چرچا ختم ہو جائے اور لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اگر زلیخا اس پر عاشق ہوتی تو اسے قید کیوں ہونے دیتی اور عزیز مصر کو بھی یہی مصلحت نظر آئی کہ ایک خاص مدت تک انکو قید میں رکھ دیا جائے تاکہ زنِ عزیز بدنامی اور رسوائی سے محفوظ ہو جائے اور اس ناشائستہ فعل پر پردہ پڑ جائے اس بناء پر عزیز نے یوسف علیہ السلام کو جیل خانہ بھیج دیا اور پانچ یا سات برس تک یوسف علیہ السلام قید میں رہے غرض یہ کہ یوسف علیہ السلام جیل خانہ بھیج دیئے گئے ایوان سے زنداں میں پہنچے قدم رکھتے ہی وہ زندان رشکِ گلستاں بن گیا۔ یوسف علیہ السلام کے داخل ہونے کے بعد وہ جیل خانہ جیل خانہ نہ رہا بلکہ عبادت خانہ اور خلوت خانہ اور خانقاہ اور درسگاہ بن گیا۔

چوں آں دل زندہ در زنداں آمد ؛ بجسم مردہ گوئی جاں درآمد !!

در آں محنت سرا افتادہ ہوشے ؛ برآمد زاں گرفتاراں خروشے

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۭ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّىْٓ

اور داخل ہوئے بندی خانہ میں اُسکے ساتھ دو جوان۔ کہنے لگا ان میں سے ایک، میں

اَرٰىنِيْۤ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَحْمِلُ

دیکھتا ہوں کہ میں نچوڑتا ہوں شراب۔ اور دوسرے نے کہا میں دیکھتا ہوں کہ اٹھا رہا

فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ

ہوں اپنے سر پر روٹی کہ جانور کھاتے ہیں اس میں سے۔ بتا ہم کو اسکی تعبیر

اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ

ہم دیکھتے ہیں تجھ کو نیکی والا۔ بولا نہ آنے پائے گا تم کو کھانا

تُرْزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ

جو ہر روز تمکو ملتا ہے مگر بتا چکوں گا تمکو اس کی تعبیر اس کے آنے سے پہلے،

ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ

یہ علم ہے کہ مجھ کو سکھایا میرے رب نے۔ میں نے چھوڑا دین اس قوم کا

لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

کہ یقین نہیں رکھتے اللہ پر اور آخرت سے وہ منکر ہیں۔

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ

اور پکڑا میں نے دین اپنے باپ دادوں کا، ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کا

مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ

ہمارا کام نہیں کہ شریک کریں اللہ کا کسی چیز کو۔ یہ

مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

فضل ہے اللہ کا ہم پر اور سب لوگوں پر لیکن بہت

النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ

لوگ بھلا نہیں مانتے۔ اے رفیقو! بندی خانہ کے، بھلا کئی معبود

مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ مَا

جُدا جُدا بہتر ؟ یا اللہ اکیلا زبردست ۔ کچھ نہیں

تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ

پوجتے ہو سوا اس کے، مگر نام ہیں کہ رکھ لیے ہیں تم نے

وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا

اور تمہارے باپ دادوں نے، نہیں اتاری اللہ نے اُنکی کوئی سند ۔ حکومت نہیں ہے کسی کی

لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ

سوا اللہ کے۔ اس نے فرما دیا کہ نہ پوجو مگر اسی کو ۔ یہی ہے راہ سیدھی

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾ يٰصَاحِبَيِ

پر بہت لوگ نہیں جانتے ۔ اے رفیقو !

السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا

بندی خانے کے ! ایک جو ہے تم دونوں میں سو پلاویگا اپنے خاوند کو شراب، اور دوسرا

الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ

جو ہے سو سولی چڑھے گا ، پھر کھاویں گے جانور اسکے سر میں سے فیصل ہوا

الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿۴۱﴾ وَقَالَ لِلَّذِيْ

کام جس کی تحقیق تم چاہتے تھے ۔ اور کہہ دیا اس کو جس کو

ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۫ فَاَنْسٰىهُ

اٹکلا کہ بچے گا ان دونوں میں میرا ذکر کریو اپنے خاوند پاس ۔ سو بھلا دیا

الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿۴۲﴾ ؑ

اسکو شیطان نے ذکر کرنا اپنے خاوند سے پھر رہ گیا قید میں کئی برس ۔

۵ ع ۷ ۱۵

قصۂ یوسف علیہ السلام باساقی وخبّاز درجیل خانہ بر تبلیغ و دعوت اظہار نبوّت

قال اللہ تعالیٰ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ... الیٰ ... فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ
(ربط) گزشتہ آیات میں یوسف علیہ السلام کی دعا رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ اور اسکی قبولیت واستجابت کا ذکر ہے دعا میں یہ درخواست تھی کہ اے پروردگار ایسے زنانخانہ اور محل سرائے سے تو جیل بہتر ہے بارگاہِ خداوندی میں یوسف علیہ السلام کی دعا بلفظہٖ قبول ہوئی کہ زنان خانہ سے نکال کر جیل خانہ بھیج دیئے گئے اب وقت آیا کہ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۔ کا ظہور ہو کہ جیل خانہ میں پہنچ کر لوگوں کے خوابوں کی تعبیریں دیں اور انکو توحید اور اسلام کی دعوت دیں اور خداداد معجزہ اور کرامت کو ان پر ظاہر کریں تاکہ قبول حق میں معین اور مددگار ہو۔ ولی پر اپنی کرامت کا اظہار ضروری نہیں مگر نبی پر اپنے معجزہ اور کرامت کا اظہار ضروری ہے کیونکہ معجزہ اور کرامت نبوت کی دلیل ہے اور جس طرح نبوت کا اعلان ضروری ہے اسی طرح دلائل نبوّت کا اظہار اور اعلان بھی واجب اور ضروری ہے اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر سے پہلے اپنے معجزہ اور کرامت کو اس طرح بیان فرمایا۔ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا تاکہ دلیل نبوت بیان کرنے کے بعد ان کو توحید اور ملت ابراہیمی کے اتباع کی دعوت دے سکیں چنانچہ فرماتے ہیں اور اسی زمانہ میں یوسف علیہ السلام کے ساتھ دو اور جوان جیل خانہ میں داخل ہوئے ان دو جوانوں میں ایک بادشاہ کا نانبائی تھا اور دوسرا ساقی (شراب پلانے والا) یہ دونوں بادشاہ کے کھانے میں زہر ملانے کی تہمت میں ماخوذ تھے مقدمہ زیر تحقیق تھا اس لیے دونوں جیل بھیج دیئے گئے چونکہ قید خانہ میں یوسف علیہ السلام کے حسن خلق اور مروت اور صدق وامانت اور زہد و ذکر اور عبادت مشہور ہو چکی تھی اور سب لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ بڑے عابد و زاہد ہیں اور خوابوں کی تعبیریں خوب بتاتے ہیں اس لیے جب یہ دونوں قیدی جیل خانہ میں داخل ہوئے اور یوسف علیہ السلام کا یہ حال دیکھا تو ان کے گرویدہ اور دلدادہ ہو گئے ان میں سے ایک نے یعنی ساقی نے کہا کہ میں اپنے آپکو خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں انگور نچوڑ رہا ہوں اور بادشاہ کو شراب پلا رہا ہوں اور دوسرے نے یعنی نانبائی نے کہا کہ میں اپنے آپ کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور اس میں سے پرندے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں۔ آپ ہم کو اس خواب کی تعبیر بتلائیں۔ تحقیق ہم آپ کو نیکو کاروں میں دیکھتے ہیں۔ یعنی مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کے ساتھ موصوف پاتے ہیں اور چونکہ ایک کے خواب کی تعبیر مضر تھی اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے سردست تعبیر دینے سے اعراض فرمایا اور یہ سمجھا کہ ایک دن مرنے والا ہے بہتر یہ ہے کہ اسکا خاتمہ ایمان پر ہو جائے۔ اوّل

ان کو نصیحت کرنا شروع کی اور دعوت ایمان اور توحید سے پہلے اپنا ایک معجزہ ذکر کیا تاکہ اس سے انکا نبی ہونا معلوم ہو جائے ان دو جوانوں نے آپ سے خواب کی تعبیر پوچھی تو آپ نے اول ان پر یہ ظاہر فرمایا کہ میرا علم۔ تعبیر خواب میں ہی منحصر نہیں۔ میں اللہ کا نبی (علیہ السلام) ہوں اور اللہ کی وحی سے غیب کی باتیں صحیح صحیح بتا سکتا ہوں۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام نے کہا جو کھانا تم کو دیا جاتا ہے میں تمکو اس کے آنے سے پہلے اسکے حال اور مآل سے آگاہ کر دوں گا کہ فلاں چیز تمہارے پاس آئیگی اور اسکی کیفیت اور کمیّت یہ ہوگی۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے کہا تھا۔ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ۔ یعنی میں تمکو آگاہ کر دوں گا اس کھانے سے جو تم کھاتے ہو اور جو جمع رکھتے ہو اپنے گھروں میں مطلب یہ ہے کہ تمہارے لیے تمہارے گھر سے جو کھانا آئے گا میں اس کے آنے سے پہلے ہی تم کو اسکی صفت اور کیفیت سے آگاہ کر دوں گا۔ قیدیوں نے پوچھا کہ تم نہ تو نجومی ہو اور نہ کاہن ہو پھر تمہیں یہ علم کہاں سے حاصل ہوا تو یوسف علیہ السّلام نے فرمایا کہ یہ علم منجملہ اس علم کے ہے جو مجھے میرے پروردگار نے سکھایا ہے یعنی یہ کوئی کہانت اور نجوم نہیں بلکہ سب وحی اور الہام ہے اور میرا معجزہ ہے جو میری نبوت کی دلیل ہے۔ اب اثباتِ نبوت کے بعد اثباتِ توحید کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ تحقیق میں شروع ہی سے اس قوم کی ملت کو چھوڑے ہوئے ہوں کہ جو خدا پر ایمان نہیں رکھتے اور خاص طور پر آخرت کے تو بالکل ہی منکر ہیں چھوڑ دینے کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے میں اس ملت پر تھا پھر چھوڑ کر مؤمن ہو گیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ میں شروع ہی سے ملت کفر سے بری اور بیزار ہوں اور میں تو خاندان نبوت سے ہوں اور شروع ہی سے اپنے باپ دادوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام کی ملت کا پیرو ہوں ان باپ دادوں کے ذکر سے یوسف علیہ السلام کا مقصود یہ تھا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ شخص خاندان نبوت سے ہے تاکہ لوگ انکی نصیحت اور دعوت کو غور اور توجہ سے سنیں اور توحید پر یقین لائیں اور سمجھ جائیں کہ توحید سب پیغمبروں کی یکساں ملّت ہے ہم کو کسی طرح یہ سزاوار نہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کریں غرض یہ کہ توحید تمام انبیاء کرام کی ملت کا رکن اعظم ہے یہ توحید اور شرک سے بیزاری ہم پر اور لوگوں پر اللہ کا فضل ہے کہ موحد بننے اس سے بڑھ کر اور کوئی فضل نہیں اس لیے کہ دنیا اور آخرت کی صلاح اور فلاح کا سارا دار و مدار اللہ کی معرفت اور اسکی اطاعت پر ہے لیکن اکثر آدمی اس نعمت کا شکر نہیں کرتے بجائے توحید کے شرک میں مبتلا ہیں دہری تو خدا ہی کے منکر ہیں اور نیچری تعلیم انبیاء سے متنفر اور بیزار ہیں۔

دعوت توحید

اب آگے توحید کی دعوت اور شرک کا ابطال فرماتے ہیں۔ اے میرے جیل خانہ کے رفیقو! بتلاؤ تو سہی کہ کیا جُدا جُدا اور متفرق معبود بہتر ہیں یا اللہ جو اکیلا اور زبردست ہے اور سب پر غالب ہے اور معبود برحق تو وہی ہے جو سب پر غالب ہو اور یہ بُت جنکی تم پرستش کرتے ہو یہ سب عاجز اور مغلوب ہیں۔

نہیں پوجتے تم اللہ کے سوا مگر نرے ناموں کو جو تم نے اور تمہارے بڑوں نے رکھ دیئے ہیں حقیقت میں معبود نہیں گویا کہ تم محض ناموں کی پرستش کرتے ہو تم نے ان بتوں کا نام معبود رکھ لیا محض نام رکھ لینے سے کوئی شئے معبود نہیں ہو جاتی اللہ نے انکے معبود ہونے کے بارہ میں کوئی حجت نازل نہیں کی بلا دلیل تم نے ان بتوں کو اور کواکب کو اور نجوم کو خدا ٹھہرا لیا ہے تمہارے پاس نہ کوئی دلیل عقلی ہے اور نہ دلیل نقلی حکم سوائے اللہ کے اور کسی کا نہیں چلتا اور اس نے یہ حکم دیا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجو بس اسی حکم پر عمل کرو یہی توحید سیدھا دین ہے جس میں کسی قسم کی کجی نہیں لیکن اکثر آدمی اس بات کو جانتے نہیں اس لیے وہ کج راہ کو اختیار کرتے ہیں۔

تعبیر خواب

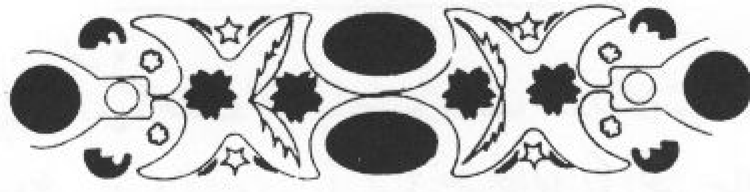
یہاں تک یوسف علیہ السلام کی نصیحت اور اثبات نبوت اور دعوت توحید کا بیان تھا کہ یوسف علیہ السلام نے انکو نصیحت کی اور توحید کی دعوت دی اب آگے انکے خوابوں کی تعبیر بیان فرماتے ہیں۔ اے میرے دونوں قید خانہ کے ساتھیو تم دونوں کے خوابوں کی تعبیر یہ ہے کہ تم میں ایک تو یعنی ساقی اپنے آقا کو بدستور شراب پلایا کریگا یعنی وہ جرم سے بری ہو جائیگا اور پھر اپنے عہدہ پر بحال ہو جائیگا اور دوسرا یعنی نانبائی مجرم قرار پا کر سولی دیا جائیگا پھر پرندے اسکے سر سے گوشت نوچ نوچ کر کھائیں گے ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے یہ تعبیر سُنی تو کہا کہ ہم نے تو کچھ نہیں دیکھا ہم تو دل لگی کرتے تھے یوسف علیہ السلام نے فرمایا فیصل ہو چکا وہ امر جس میں تم فتویٰ پوچھتے تھے کہ خواہ تم نے دیکھا یا نہیں دیکھا اب تو یونہی ہو گا جو اللہ کے نبی نے کہہ دیا یہ حکم قضا و قدر ہے جو کسی حیلہ بہانہ سے بدل اور ٹل نہیں سکتا چنانچہ ایسا ہی ہوا مقدمہ میں ایک بری ثابت ہوا اور دوسرا مجرم دونوں کو جیل خانہ سے بلا یا گیا اور جب وہ جیل خانہ سے جانے لگے تو یوسف علیہ السلام نے دونوں قیدیوں میں سے فقط اس شخص سے جس کے حق میں انکو گمان تھا کہ رہائی پائے گا یعنی ساقی سے کہا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر کرنا یعنی بادشاہ سے میری بیگناہی کا حال ذکر کرنا اور کہنا کہ ایک بے گناہ عرصہ سے جیل خانہ میں پڑا ہوا ہے۔

بگو ہست اندراں زنداں غریبے ؛ ز عدل شاہ دوراں بے نصیبے

اس نے وعدہ کر لیا۔ پھر جب ساقی اپنے عہدہ پر بحال ہو گیا تو شیطان نے اسکو اپنے آقا کے سامنے یوسف علیہ السلام کا ذکر کرنا بھلا دیا جب ساقی کو شاہی تقرب حاصل ہو گیا تو جیل خانہ کے وعدہ کو بھول گیا۔ حق جل شانہٗ کو یوسفؑ صدیق کا اس طرح درخواست کرنا ناپسند ہوا اس لیے شیطان کو ساقی کی یاد پر مسلط کر دیا کہ مدت تک اسکو یوسفؑ کا ذکر کرنا یاد نہ آیا پس اس وجہ سے یوسف علیہ السلام اور چند سال قید خانہ میں رہے کہ صدیق کے شایان شان نہ تھا کہ وہ رہائی کے ایک ظاہری سبب پر نظر رکھے۔ اسکو تو چاہیئے تھا کہ ہمہ تن مسبب الاسباب پر نظر رکھتا اسکے بعد سات برس اور قید میں رہے اور اوّل و آخر مل کر بارہ برس تک رہے اس طویل خلوت سے مقام تفویض و توکل کی تکمیل ہو گئی مخلوق سے

دفع ضرر کی درخواست کرنا اگرچہ شرعاً جائز ہے مگر انبیاء اور صدیقین کے لیے مناسب نہیں کہ وہ سوائے خُدا کے کسی کی مدد پر نظر رکھیں۔

نکتہ اسباب ظاہرہ سے غرض محمود کے لیے استعانت اور استمداد بلاشبہ جائز ہے۔ عصمت کے منافی نہیں مگر نبی اور صدیق کے لیے اولی اور افضل یہ تھا کہ اسباب ظنیہ سے اعراض کرتے چونکہ حضرت یوسفؑ کی یہ تدبیر اسباب یقینیہ عادیہ سے نہ تھی اس لیے عتاب آیا اور بغرض تنبیہ و تادیب اور مزید سات سال زنداں میں رہے یوسف علیہ السلام نے کسی منہی عنہ کا ارتکاب نہیں کیا جو عصمت کے منافی ہوتا البتہ صدیقین اور مقربین کے لیے جس درجہ کا صبر اور توکل مناسب تھا اس میں ذرا کمی آئی اس کی تکمیل کے لیے تنبیہ کردی گئی کہ صدیقین کے لیے اسباب ظنیہ کا ترک اولیٰ ہے۔ (دیکھو کلید مثنوی تمام عشر از شرح دفتر ششم ص ۲۳۳)



وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْۤ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ

اور کہا بادشاہ نے میں (خواب) دیکھتا ہوں سات گائیں موٹی

یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ

اُنکو کھاتی ہیں سات دُبلی اور سات بالیں ہری، اور

وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍ ؕ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ

دوسری سوکھی۔ اے دربار والو! تعبیر کہو مجھ سے میرے خواب

اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ

کی۔ اگر ہو تم خواب کی تعبیر کرتے۔ بولے یہ اڑتے خواب ہیں

وَ مَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾ وَ قَالَ

اور ہم کو تعبیر خوابوں کی معلوم نہیں۔ اور بولا

الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَ ادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ

وہ جو بچا تھا ان دونوں میں اور یاد کیا مدت کے بعد، میں بتاؤں تم کو

بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ

اس کی تعبیر، سو تم مجھ کو بھیجو۔ جاکر کہا، یوسف اے سچے!

اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ

حکم دے ہم کو اس خواب میں، سات گائیں موٹی انکو کھاویں سات

عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ

دُبلی اور سات بالیں ہری اور دوسری سوکھی،

لَّعَلِّيْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ

کہ میں لے جاؤں لوگوں پاس شاید انکو معلوم ہو۔ کہا

تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ

تم کھیتی کروگے سات برس لگ کر۔ سو جو کاٹو اس

فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ

کو چھوڑ دو اُس کی بال میں مگر تھوڑا جو کھاتے ہو۔ پھر

يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا

آویں گے اس پیچھے سات برس سختی کے، کھاویں جو

قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾

رکھا تم نے اُنکے واسطے، مگر تھوڑا جو روک رکھو گے۔

ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ

پھر آوے گا اس پیچھے ایک برس اس میں مینہ پاویں گے



النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ ع

لوگ اور اس میں رس نچوڑیں گے۔

شاہِ مصر کا خواب دیکھنا اور حضرت یوسف علیہ السلام کا اُس کی تعبیر بتانا

قال اللہ تعالیٰ وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ ... اِلیٰ ... وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ۝

(ربط) حق جل شانہٗ جب کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے ایسے اسباب بھی پیدا فرما دیتے ہیں جن کی طرف آدمی کا خیال بھی نہیں جاتا چنانچہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو قید خانہ سے نجات دلانا منظور ہوا تو بادشاہِ مصر ریّان بن ولید کو ایک خواب دکھایا جو انکی رہائی اور ظاہری عروج کا سبب بنا اور بادشاہ نے ایسا عجیب خواب دیکھا جس کی تعبیر سے تمام مُعتبر عاجز آگئے اس خواب کی تعبیر کسی کی سمجھ میں نہیں آئی تو اس وقت اس ساقی کو یوسف علیہ السلام یاد آئے اور اس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ مجھے جیل خانہ جانے کی اجازت دیجئے۔ وہاں ایک مردِ صالح ذی علم محبوس ہیں۔ ان سے خواب کی تعبیر پوچھ آؤں چنانچہ بادشاہ نے اجازت دی اور وہ ساقی حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور خواب بیان کر کے اسکی تعبیر پوچھی اس طرح بادشاہ کا خواب اور یوسف علیہ السلام کی تعبیر انکی رہائی اور عروج اور بلندی کا سبب بنا کیونکہ خواب کی جو تعبیر دی وہ نہایت عجیب وغریب تھی اور پھر تعبیر کے ساتھ تدبیر بھی تھی اور پھر تدبیر کے ساتھ ایک تبشیر بھی تھی کہ قحط کے سات سال گزرنے کے بعد خوب بارش ہوگی اور پھل اور میوے افراط سے پیدا ہونگے چنانچہ فرماتے ہیں اور بادشاہِ مصر نے ایک خواب دیکھا بادشاہ کا نام ریان بن ولید تھا اور عزیز مصر اسکا وزیر تھا۔ بادشاہ نے اپنے وزراء اور ارکان دولت کو جمع کر کے جو خواب دیکھا تھا اس کو بیان کرنا شروع کیا۔ چنانچہ بادشاہ نے کہا کہ میں خواب میں دیکھتا ہوں سات گائیں فربہ موٹی تازی ہیں جنکو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور دیکھتا ہوں سات سرسبز اور ہری بالیں اور دوسری بالیں خشک جو ان سات سبز بالوں پر لپیٹ گئیں اور ان کو خشک کر دیا بادشاہ نے اپنا خواب بیان کر کے کہا۔ اے اہل دربار میرے خواب کی تعبیر دو اگر تم خواب کی تعبیر جانتے ہو۔ اہل دربار نے کہا اول تو یہ کوئی خواب نہیں محض پریشان خیالات ہیں اور دماغی بخارات ہیں بسا اوقات انسان کو خواب میں ایسی خیالی صورتیں نظر آجاتی ہیں جو لائق التفات نہیں ہوتیں اور دوسرے یہ کہ ہم لوگ اگرچہ امورِ سلطنت سے واقف ہیں مگر خوابوں کی تعبیر سے واقف نہیں بادشاہ خواب سے مضطرب تھا اس جواب سے اس کو اطمینان نہ ہوا۔ ع

یا رب ایں خواب پریشان مرا تعبیر چیست

اور اس وقت وہ شخص جس نے دونوں قیدیوں میں سے رہائی پائی تھی وہاں مجلس میں حاضر تھا وہ بولا اور ایک مدت کے بعد اس کو یوسف علیہ السلام کا پیغام یاد آیا تو اہل دربار سے کہا میں تم کو اس کی تعبیر سے آگاہ

کروں گا تم مجھے جیل خانہ جانے کی اجازت دے دو۔ بادشاہ نے اجازت دے دی اس نے جیل خانہ میں جا کر یوسف علیہ السلام سے کہا۔ اے یوسفؑ اے صدق مجسم آپؑ تو مجسم صدق ہیں سر سے پیر تک صدق اور سچائی آپؑ کے ہر جزء میں سرایت کیے ہوئے ہے آپکا ظاہر و باطن صدق سے لبریز ہے جو بات آپکی زبان سے نکلتی ہے وہ سچ ہوتی ہے اور ہو بہو پوری ہوتی ہے بادشاہ نے ایک خواب دیکھا ہے آپ ہم کو اس خواب کی تعبیر بتائیں کہ سات گائیں موٹی تازی ہیں انکو سات دبلی گائیں کھائے جا رہی ہیں اور سات بالیں ہری ہیں اور ان کے علاوہ دوسری سات بالیں خشک ہیں جوان سات سبز پر لپیٹ کر انکو بھی خشک کر رہی ہیں یہ خواب بادشاہ نے دیکھا ہے آپ اسکی تعبیر بتلائیے تاکہ یہ تعبیر لیکر لوگوں کے پاس جاؤں اور امید ہے وہ تعبیر سُن کر تیرے مرتبہ اور فضیلت اور بزرگی کو جان لیں گے اور امید ہے کہ وہ تجھے بلائیں گے۔ یوسف صدیق نے کہا اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تم اپنی عادت کے مطابق سات سال تک متواتر کھیتی کرو گے یہ سات برس موٹی گائیں اور سات ہری بالیاں ہیں اور اسکے بعد سات دبلی گائیں اور سات خشک بالیاں نمودار ہوں گی یہ قحط کے سات سال ہیں جو گزشتہ سات سال کی تمام پیداوار کو کھا جائیں گے۔ بقرات کی تعبیر و تفسیر سنین سے اس لیے فرمائی کہ گایوں سے زمین کی کاشت کی جاتی ہے اور پھر اس سے کھیتی اور بالیں نمودار ہوتی ہیں۔

اور پھر اس تعبیر کے بعد اس آنے والے قحط کی ایک تدبیر ارشاد فرمائی اور کہا پس جو کھیتی تم کاٹو اس کو بالوں ہی میں چھوڑ دو تاکہ اسکو سُرسُری نہ لگ جائے یعنی غلہ کو صاف نہ کرو اور دانوں کو نہ نکالو بلکہ غلہ کو دانوں سمیت ذخیرہ کرو تاکہ آفتوں سے محفوظ رہے مگر تھوڑا سا بقدر حاجت دانہ صاف کر لو اور باقی کو بالوں میں رہنے دو پھر تعبیر شروع فرمائی پھر ان سات برس بعد جن میں تم کھیتی کرو گے دوسرے سات برس سخت قحط اور خشک سالی کے آئیں گے جن میں سرسبزی اور شادابی نہ ہوگی۔ یہی سات سال خشک بالیں اور سات دبلی گائیں ہیں جو موٹیوں اور سبز بالوں کو کھا جائیں گی۔ یہ قحط کے سات سال کھا جاویں گے وہ سب جو تم نے ان سالوں کے لیے پہلے سے جمع کر رکھا تھا۔ مگر تھوڑا سا بچے گا جو تم بیج کی غرض سے محفوظ کر لو گے یعنی جس قدر تم تخم پاشی کے لیے بچا رکھو گے۔ وہ تو بچا رہے گا اور باقی ختم ہو جائے گا اور سات دبلی گایوں اور سات خشک بالوں سے قحط سالی کے ان سات سالوں کی طرف اشارہ ہے پھر اس قحط کے سات سال بعد ایک سال ایسا آئے گا جس میں لوگ غیث یعنی بارش یا غوث فریاد اور دستگیری دیئے جائیں گے غیث کے معنی بارانِ کثیر کے ہیں یعنی خوب بارش ہوگی اور غوث کے معنی فریاد رسی کے ہیں یعنی قحط زدہ لوگوں کی بارانِ رحمت سے دستگیری کی جائے گی اور اس سال میں پھل اور انگور اس کثرت سے ہوں گے کہ لوگ انکا شیرہ نچوڑیں گے اور شراب بنا کر پئیں گے یوسف علیہ السلام نے اوّل خواب کی تعبیر بتائی پھر از راہِ شفقت و ہمدردی خلائق اسکی تدبیر بتلائی کہ اوّل کے سات سال میں جو غلہ پیدا ہو اس کو حفاظت سے رکھو اور کفایت شعاری سے خرچ کرو تاکہ آئندہ قحط کے سات سال میں گزارہ کر سکو اس طرح سات سال کی پیداوار سے چودہ سال کا کام چلاؤ پھر اس تعبیر و تدبیر کے بعد یوسف علیہ السلام نے انکو ایک بشارت سنائی۔ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ

يَعۡصِرُوۡنَ ۔ یعنی قحط کے سات سال گزرنے کے بعد نہایت فراخی اور خوشحالی کا سال آئیگا۔ یہ بات آپ کو بذریعہ وحی معلوم ہوئی ہوگی کہ قحط کے سات سال گزرنے کے بعد جو سال آئیگا اس میں خوب بارش ہوگی اور خوب پیداوار ہوگی یا یہ کہ سنّت الٰہیہ یہ ہے اِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ يُسۡرًا اب اس شدت کے بعد فراخی آئے گی ۔

نکتہ جب وہ ساقی یوسف علیہ السلام سے تعبیر پوچھنے آیا تو آپ نے تعبیر بتلانے میں کوئی شرط نہ لگائی اور نہ کوئی شکوہ کیا کہ اتنی مدت کے بعد تجھ کو میرا خیال آیا اور نہ آئندہ کے لیے اس سے کوئی درخواست کی اس سے حضرات انبیاء کرامؑ کی مروت اور اخلاق کا اندازہ کر لیا جائے اور ساقی کا یوسف علیہ السلام سے اس طرح خطاب کرنا اَيُّهَا الصِّدِّيۡقُ ۔ اے صدق مجسّم یہ اس بات کو بتلا رہا ہے کہ انبیاء کرامؑ کی صداقت اور راست بازی اور دانشمندی اور دانائی کا سکّہ کس طرح لوگوں کے دلوں پر بیٹھ جاتا ہے ۔



وَقَالَ الۡمَلِكُ ائۡتُوۡنِىۡ بِهٖ‌ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوۡلُ

اور کہا بادشاہ نے لے آؤ اس کو میرے پاس پھر جب پہنچا اس پاس بھیجا آدمی

قَالَ ارۡجِعۡ اِلٰى رَبِّكَ فَسۡـئَلۡهُ مَا بَالُ النِّسۡوَةِ

کہا پھر جا اپنے خاوند پاس اور پوچھ اس سے، کیا حقیقت ہے ان عورتوں

الّٰتِىۡ قَطَّعۡنَ اَيۡدِيَهُنَّ‌ ؕ اِنَّ رَبِّىۡ بِكَيۡدِهِنَّ

کی جنہوں نے کاٹے ہاتھ اپنے ۔ میرا رب تو ان کا فریب سب

عَلِيۡمٌ ﴿۵۰﴾ قَالَ مَا خَطۡبُكُنَّ اِذۡ رَاوَدتُّنَّ يُوۡسُفَ

جانتا ہے ۔ کہا بادشاہ نے عورتوں کو کیا حقیقت ہے تمہاری جب تم نے پھسلایا یوسف

عَنۡ نَّـفۡسِهٖ‌ ؕ قُلۡنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمۡنَا عَلَيۡهِ

کو اس کے جی سے بولیاں، حاشا لِلّٰہ ! ہم کو معلوم نہیں اس پر کچھ

مِنۡ سُوۡٓءٍ‌ ؕ قَالَتِ امۡرَاَتُ الۡعَزِيۡزِ الۡــٰٔنَ

بُرائی ۔ بولی عورت عزیز کی، اب

حَصۡحَصَ الۡحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدۡتُّهٗ عَنۡ نَّفۡسِهٖ وَاِنَّهٗ

کھل گئی سچی بات میں نے پھسلایا تھا اس کو اسکے جی سے اور وہ

لَمِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۵۱﴾ ذٰلِكَ لِیَعۡلَمَ اَنِّیۡ لَمۡ اَخُنۡهُ

سچا ہے ۔ یوسف نے کہا اتنا اسواسطے کہ وہ شخص معلوم کرے کہ میں

بِالۡغَیۡبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِیۡ كَیۡدَ الۡخَآئِنِیۡنَ ﴿۵۲﴾

نے چوری نہیں کی اس عزیز کی چھپ کر، اور یہ کہ اللہ نہیں چلاتا فریب دغا بازوں کا۔

شاہِ مصر کا یوسف علیہ السلام کو ملاقات کیلئے طلب کرنا

قال اللہ تعالیٰ وَقَالَ الۡمَلِكُ ائۡتُوۡنِیۡ بِهٖ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوۡلُ .. الی .. لَا یَهۡدِیۡ كَیۡدَ الۡخَآئِنِیۡنَ

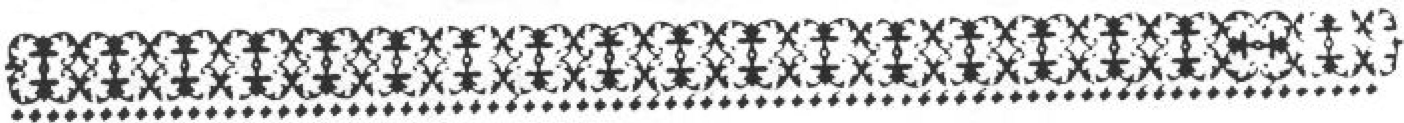
(ربط) یوسف علیہ السلام نے جب بادشاہ کے قاصد کو خواب کی تعبیر دے دی تو قاصد نے آکر بادشاہ سے خواب کی تعبیر بھی بیان کی اور یہ بھی بیان کیا کہ یوسف صدیق ؑ نے آنے والے قحط کی یہ تدبیر بتلائی ہے تو بادشاہ سن کر حیران رہ گیا اور اس حسن تعبیر اور حسن تدبیر سے یوسف علیہ السلام کی جلالت شان کا سکہ اسکے دل پر بیٹھ گیا۔ فوراً حکم دیا کہ ایسے شخص کو میرے پاس لاؤ تاکہ میں اس کی دید اور لقاء سے بہرہ اندوز ہوں اور اسکی لیاقت اور قابلیت کے مطابق اسکا اعزاز و اکرام کروں چنانچہ قاصد پیغام شاہی لے کر یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مگر یوسف علیہ السلام نے حاضر ہونے سے انکار کر دیا کہ میں اس وقت تک جیل خانہ سے نہ نکلوں گا جب تک لوگوں کے سامنے میری براءت اور نزاہت اور میری بے گناہی نہ ظاہر ہو جائے کہ میں بالکل بے قصور ہوں اور بے قصور مجھ کو قید میں ڈالا گیا ہے۔ اوّل عورتوں سے اس کی تحقیق کر لی جائے تاکہ آئندہ چل کر کوئی مجھ پر تہمت نہ لگا سکے اور نہ مجھ پر کسی قسم کی بدگمانی کر سکے یوسف علیہ السلام نے عورتوں کا نام تو لیا مگر احتراماً زلیخا کا نام نہ لیا حالانکہ اصل وہی تھی۔ حق نمک اور حق تربیت کا خیال کیا اور شرم کے مارے اسکا نام نہ لیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جب وہ قاصد تعبیر لیکر بادشاہ کی حضوری میں حاضر ہوا تو بادشاہ کو تعبیر نہایت پسند آئی۔ اس وقت بادشاہ نے کہا کہ اس شخص کو فوراً میرے پاس لیکر آؤ دیکھوں تو سہی یہ کون شخص ہے خود اسکی زبان سے اپنے خواب کی تعبیر سنوں اور اسکے علم و فضل اور عقل و دانش کے موافق اسکا اکرام کروں۔ پس جب بادشاہ کا ایلچی خواہ وہ ساقی ہو یا کوئی اور ہو یوسف علیہ السلام کے پاس آیا کہ بادشاہ سلامت آپکو یاد فرما رہے ہیں چونکہ اس طرح بلانا یہ بھی ایک قسم کی رہائی تھی اس لیے یوسف علیہ السلام

نے کہا اپنے آقا کے پاس لوٹ جا میں اس وقت تک جیل خانہ سے باہر قدم نہ نکالوں گا جب تک میرا اس تہمت سے بے قصور ہونا ثابت نہ ہو جائے کہ جس کی وجہ سے مجھ کو قید میں ڈالا گیا ہے پس بادشاہ سے درخواست کرو کہ وہ تحقیق کرے کہ کیا حقیقت حال ہے؟ ان عورتوں کی جنہوں نے زلیخا کی مجلس میں مجھے دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے یعنی میں ابھی جیل سے نکلنا پسند نہیں کرتا جب تک میری اس تہمت سے برارت ظاہر نہ ہو جائے جس کی بنا پر میں قید میں ڈالا گیا ہوں اور ان عورتوں کی تخصیص شاید اس لیے کی ہو کہ انکے سامنے زلیخا نے یوسف علیہ السلام کی برارت اور نزاہت کا اقرار کیا تھا اور سب کے سامنے یہ کہا تھا۔ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ تحقیق کے بعد جب میں بری ثابت ہو جاؤں گا تب یہاں سے نکلوں گا اس موقع پر یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کی عورت کا ذکر ادباً اور احتراماً نہیں کیا کیونکہ وہ انکی سیّدہ تھی تحقیق میرا پروردگار عورتوں کے مکر و فریب کو خوب جانتا ہے ان عورتوں نے میرے ساتھ بڑے بڑے مکر کیے اور سب نے مل کر مجھ پر زور دیا کہ تجھے اپنی سیّدہ کا کہنا ماننا چاہیئے اور اس طرح مجھ کو قید ہونا پڑا۔ اللہ کو تو سب معلوم ہے تم بھی ذرا تحقیق کر لو تا کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ خطا کس کی ہے اصل مکر و فریب تو زلیخا کا تھا مگر چونکہ سب عورتیں انکی حامی اور مددگار تھیں۔ اس لیے عام عنوان اختیار فرمایا اور گول مول فرمایا۔ اور حیا و شرم کی وجہ سے اصل فریب والی کا نام نہ لیا کہ جس کے گھر میں پرورش پائی تھی اُسکا کیا نام لوں گول مول فرمایا اور سمجھا کہ اصل حقیقت بالآخر کھل کر رہے گی۔ غرض یہ کہ ایلچی واپس آیا اور یوسف علیہ السلام کا منشار ظاہر کیا۔ بادشاہ نے ان تمام عورتوں کو جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے مع عزیز کی عورت کے طلب کیا جب وہ سب عورتیں مع زلیخا کے حاضر ہو گئیں تو بادشاہ نے کہا، اے عورتو! تمہارا اس وقت کیا حال تھا جبکہ تم نے یوسفؑ کو اسکے نفس سے پھسلایا تھا۔ کیا یوسفؑ نے تمہاری طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھا تھا؟ بادشاہ کے اس سوال سے ظاہر ہے کہ بادشاہ کو اس امر کا قطعی یقین تھا کہ پھسلانے والی اور اپنی طرف لبھانے والی عورتیں تھیں اور یوسف علیہ السلام نے انکو نہیں پھسلایا تھا بادشاہ نے یہ سوال نہیں کیا کہ یوسفؑ تم سے کیا چاہتے تھے اور تم یوسفؑ سے کیا چاہتی تھیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کو اس بات کا علم یقینی تھا کہ یوسف علیہ السلام کی طرف سے کوئی خواہش نہ تھی۔ ساری خواہش اور اصرار اور ڈرانا اور دھمکانا عورتوں کی طرف سے تھا اصل پھسلانے والی صرف زلیخا تھی مگر بادشاہ نے بلحاظ پردہ پوشی زلیخا کو مخاطب نہ کیا بلکہ اِن عورتوں کو مخاطب کیا جنہوں نے یوسفؑ سے کہا تھا کہ اپنی سیّدہ کا حکم مانو۔ تمام عورتیں یک زبان ہو کر بولیں (حاشاللہ) اللہ کی پناہ ہم یوسفؑ پر کوئی تہمت لگائیں ہم نے اس میں کوئی برائی معلوم نہیں کی۔ برائی تو کیا ہمیں تو یہ معلوم ہوا کہ یہ کوئی فرشتہ ہے۔ عزیز کی عورت یعنی زلیخا جو اس وقت وہاں مجلس میں موجود تھی بولی کہ اب حق بات سب کے سامنے بالکل ظاہر ہو گئی اور چھپانا بیکار ہے بے شک حق یہی ہے کہ میں نے ہی یوسفؑ کو اسکے نفس سے پھسلایا تھا۔ میں نے ہی یوسفؑ کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا۔ یوسفؑ تو مجھ سے نفور اور بیزار ہو کر بھاگا جا رہا تھا اور بلا شبہ وہ سچوں میں سے ہے یوسفؑ نے جو اپنی برارت کو ظاہر کرنے کے لیے یہ کہا کہ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ۔ بالکل حق اور صدق ہے۔

بجرم خویش کرد اقرار مطلق ∴ برآمد زو صدائے حصحص الحق
بگفتا نیست یوسف را گناہے ∴ منم در عشق او گم کردہ راہے
نخست اورا بوصل خویش خواندم ∴ چو کارمن نداد از پیش راندم

بادشاہ نے یوسف علیہ السلام کے پاس پیغام بھیجا کہ عورتوں نے اپنے گناہ کا اقرار کر لیا ہے لہذا آپ آیئے تاکہ آپکے سامنے انہیں سزا دوں یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے یہ اہتمام اور درخواست اس لیے نہیں کی کہ عورتوں کو سزا دی جائے بلکہ میری غرض اس سے صرف یہ تھی کہ عزیز کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اسکی عدم موجودگی میں اس کی آبرو میں کسی قسم کی خیانت نہیں کی جس شخص نے مجھ کو مثل فرزند کے پرورش کیا اس پر یہ بات واضح ہو جائے کہ میں نے غائبانہ اسکی عزت و ناموس میں کوئی خیانت نہیں کی اور تاکہ یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالے نے خیانت کرنے والوں کے حیلہ اور بہانہ کو چلنے نہیں دیا۔ بلکہ اسکو ظاہر کر کے خیانت کرنے والوں کو رسوا کرتا ہے۔ چنانچہ عورتوں کا فریب نہ چل سکا۔ آخر کار حق ظاہر ہو کر رہا اور خیانت کا پردہ فاش ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مجھ سے کوئی خیانت ہوئی ہوتی تو مجھ کو کامیابی نہ ہوتی۔ زلیخا نے اپنے شوہر کے ساتھ خیانت کی تھی اللہ نے اس کی قلعی کھول دی جمہور مفسرین یہ فرماتے ہیں کہ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ الخ یوسف علیہ السلام کا کلام ہے اور مطلب یہ ہے کہ میں نے بادشاہ سے جو درخواست کی کہ پہلے عورتوں سے دریافت کر لیا جائے تب جیل خانہ سے باہر آؤں گا اس درخواست سے میری غرض یہ تھی کہ عزیز مصر کو معلوم ہو جائے کہ میں نے غائبانہ اس کے ناموس میں کسی قسم کی کوئی خیانت نہیں کی۔

اور بعض مفسرین نے ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ۔ الخ کو زلیخا کا کلام قرار دیا ہے اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ زلیخا نے کہا کہ میں نے یہ سچی گواہی اس لیے دی کہ یوسفؑ کو معلوم ہو جائے کہ میں نے غائبانہ اس پر جھوٹ نہیں بولا اور اسکی خیانت نہیں کی اور میں نے یہ اقرار اسی لیے بھی کیا کہ اللہ خیانت کرنے والوں کے مکر و فریب کو چلنے نہیں دیتا۔ چنانچہ میں نے دیکھ لیا کہ میں نے خیانت کی تھی اور داؤ کھیلا تھا مگر اللہ نے میرا داؤ چلنے نہ دیا اور مجھ کو فضیحت کیا۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ جمہور مفسرین کے نزدیک مختار یہ ہے کہ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ۔ الخ یوسف علیہ السلام کا قول ہے ماقبل میں اگرچہ زلیخا کا کلام تھا مگر زلیخا کے کلام کے بعد اگر یوسف علیہ السلام کا کلام ذکر کر دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں فراءؒ کہتے ہیں کہ ایک انسان کے کلام کو دوسرے انسان کے کلام کے ساتھ ملا دینا جائز ہے اگر کوئی قرینہ موجود ہو جیسا کہ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً۔ بلقیس کا کلام ہے اور پھر اسکے بعد وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ۔ حق تعالے کا کلام ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص۱۴۱ جلد ۵)



وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ ۢ بِالسُّوْۗءِ

اور میں پاک نہیں کہتا اپنے جی کو جی تو سکھاتا ہے بُرائی

اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵۳

مگر جو رحم کیا میرے رب نے بیشک میرا رب بخشنے والا ہے مہربان

مشتمل بر تحدیث نعمت و بیان حقیقت عصمت

قال اللّٰہ تعالیٰ حاکیا عن یوسف علیہ السّلام وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ..الیٰ... اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

(ربط) جب یوسف علیہ السّلام نے اپنی براءت اور نزاہت ثابت کرنے کے لیے اتنا زور دیا اور فرمایا کہ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ الخ تو ممکن تھا کہ کوئی یہ شبہ کرے کہ یہ تو ایک قسم کا فخر اور ناز اور غرور و اعجاب اور خود پسندی اور تزکیۂ نفس ہے جو عند اللہ ناپسند ہے کما قال اللّٰہ تعالیٰ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ اس لیے یوسف علیہ السّلام نے اس شبہ کے ازالہ کے لیے فرمایا وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ الخ یعنی اس اظہار براءت سے میرا مقصود اعجاب اور تزکیۂ نفس نہیں بلکہ تحدیث بالنعمت مقصود ہے کہ میری یہ عصمت اور یہ عفت محض اللہ کے فضل اور اس کی رحمت اور اس کی توفیق سے ہے۔

(دیکھو تفسیر قرطبی[1] ص ۲۱۰ جلد ۹ و تفسیر روح المعانی ص ۲ جلد ۱۳ و تفسیر کبیر[2] ص ۴۲ جلد ۵ و تفسیر ابی السعود ص ۲۲۳ جلد ۵ برحاشیہ تفسیر کبیر و تفسیر[3] مظہری ص ۳۸ جلد ۵)

[1] قال القرطبی وقال الحسن (البصری) کما قال یوسف ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ کرہ نبی اللّٰہ ان یکون قد زکی نفسہ فقال وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ وتزکیۃ النفس مذمومۃ قال اللّٰہ تعالیٰ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ (تفسیر قرطبی ص ۲۱۰ جلد ۹) [2] وقال الامام الرازی کما قال علیہ السّلام ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ کان ذالک جاریا مجری مدح النفس وتزکیتھا وقال اللّٰہ تعالیٰ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ فاستدرک ذالک علیٰ نفسہ بقولہ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ والمعنی وما ازکی نفسی اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْۗءِ مبالۃ الی القبائح راغبۃ فی المعصیۃ الخ (تفسیر کبیر ص ۴۲ جلد ۵) [3] قال القاضی ثناء اللّٰہ قال یوسف علیہ السلام تنبیھًا علیٰ انہ لم یرد بذالک تزکیۃ النفس والعجب بحالہ بل اظہار ما انعم اللّٰہ علیہ من العصمۃ والتوفیق وترغیب الناس الی الاقتداء بہ والاقتفاء بآثارہ (تفسیر مظہری ص ۳۸ جلد ۵)

مطلب یہ ہے کہ معاذ اللہ میں بطور فخر یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرا نفس بالذات معصیت سے پاک اور بری ہے اور میں بالذات اس بات کا مدعی نہیں کہ بالذات مجھ سے معصیت اور برائی کا صدور ناممکن اور محال ہے کیونکہ برائی کا قصد نفس کی جبلت اور سرشت میں داخل ہے جو نفس بھی گناہ سے بچتا ہے وہ محض اللہ کی رحمت اور عنایت اور توفیق سے بچتا ہے نہ کہ اپنی حول اور قوت سے حضرت یوسف علیہ السلام نے ابتداءً اپنی عفت اور عصمت کو بتایا تاکہ تہمت سے بالکلیہ بری ہو جائیں پھر اخیر میں غلبۂ حیا اور تواضع اور ادب خداوندی کو ملحوظ رکھتے ہوئے عصمت کی حقیقت کو واضح کر دیا کہ کسی کی عصمت اور نزاہت ذاتی نہیں بلکہ محض فضل خداوندی ہے اور اللہ کی توفیق وعنایت اور اس کی حفاظت ورحمت کے تابع ہے بغیر اس کی رحمت وعنایت کے کوئی فرد گناہ سے محفوظ نہیں رہ سکتا خوب سمجھ لو کہ عصمت کی حقیقت صرف اللہ کی حفاظت اور رحمت ہے لہذا اہل عصمت وعفت کو چاہیئے کہ اپنی عفت اور عصمت پر نظر نہ کریں بلکہ اللہ کی رحمت اور حفاظت پر نظر کریں کہ اگر اللہ تعالیٰ حفاظت نہ فرمائے تو معصیت سے محفوظ رہنا ناممکن اور محال ہے لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جب یوسف علیہ السلام نے خیانت سے اپنی براءت ظاہر فرمائی تو ممکن تھا کہ کسی کو یہ خیال ہو کہ یہ تو فخر اور ناز اور خودستائی اور اپنے نفس کی پاکی اور صفائی ہے جو خدا کے نزدیک پسندیدہ نہیں تو اس خیال کے ازالہ کے لیے فرمایا کہ میں اپنے نفس کی پاکی اور صفائی بیان نہیں کرتا یعنی اس گذشتہ قول سے میری یہ غرض نہیں کہ میں اپنے نفس کی پاکیزگی ظاہر کروں کہ میرا نفس پاکیزہ ہے البتہ تحقیق میں خوب جانتا ہوں کہ نفس بالذات برائی کا حکم دینے والا ہے نفس کی طبیعت اور جبلت میں برائی کا میلان رکھا ہوا ہے ایک لمحہ کے لیے بھی نفس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا مگر جس وقت خدا مہربانی کرے تو اس وقت انسان نفس غدار کے شر اور فتنہ سے بچ سکتا ہے صرف اللہ کی رحمت اور عنایت ہی نفس اور شیطان سے حفاظت کر سکتی ہے بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے یوسف علیہ السلام نے اول خیانت اور تہمت سے اپنی براءت کو خوب اچھی طرح ثابت کیا اور بعد میں بطور تواضع اور خاکساری یہ فرمایا وَمَآ أُبَرِّئُ نَفْسِيْ الخ اشارہ اس طرف فرمایا کہ بندہ کی عصمت اور نزاہت سب اللہ کی رحمت اور عنایت پر موقوف ہے نفس کے جبلی اور ذاتی شر سے محفوظ رہنا بغیر اللہ کی رحمت اور بغیر اس کی حفاظت کے ممکن نہیں اور یہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں کہ میں نے کسی قسم کی خیانت نہیں کی اس سے مقصود اپنی پاکی اور صفائی اور خودستائی نہیں بلکہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے اپنی رحمت اور توفیق سے مجھ کو نفس کے شر سے محفوظ رکھا میرا یہ فعل بطور تحدیث نعمت ہے وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ لذت اور فرحت اور مسرت کے ساتھ اس کی نعمتِ حفاظت کا ذکر کر رہا ہوں کیونکہ خوب جانتا ہوں کہ آدمی اپنی ذاتی جبلت سے ہر وقت اللہ کی رحمت اور اس کی مغفرت کا محتاج ہے جس درجہ کی رحمت اور عنایت

شامل حال ہوگی اس درجہ کی عصمت اور حفاظت اسکی دستگیر ہوگی کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی عصمت یا عفت کو اپنے نفس کا ذاتی اقتضاء جانے نفس کا ذاتی اقتضاء تو بدی کی ہی طرف ہے اور برائی سے بچنا یہ اللہ کی رحمت اور توفیق سے ہے میں اپنی براءت کے بارہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ بطور تحدیثِ نعمت کہہ رہا ہوں کہ اس نے اپنی رحمت سے مجھ کو سوء اور فحشاء سے بالکلیہ محفوظ رکھا اور فخر اور اعجاب یہ بھی ایک قسم کا سوء ہے اس سے بھی اللہ نے مجھ کو محفوظ رکھا اس کہنے میں میری نظر اپنی ذات پر نہیں بلکہ اس کی رحمت اور عنایت پر ہے کہ اگر وہ اپنی رحمت سے میری حفاظت نہ فرماتا تو اندیشہ تھا کہ میں ان کی طرف مائل ہوجاتا۔

ذکر اختلاف مفسرین در تفسیر این آیت

جمہور مفسرین نے پہلی آیت ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّىْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ اور اس آیت کو یعنی وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِىْ (الخ) کو یوسف علیہ السلام کا کلام قرار دیا ہے کیونکہ یہ جملہ غایت درجہ تواضع اور انکساری اور خدا پرستی پر دلالت کرتا ہے جو یوسف علیہ السلام ہی کے شایان شان ہے اور زلیخا اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئی تھی بت پرست تھی اور ظاہر ہے کہ ایسا کلام معرفت النیام تو خدا پرست ہی کی زبان سے نکل سکتا ہے اور بت پرست کی زبان سے ایسا کلام کہاں نکل سکتا ہے (دیکھو زاد المسیر لابن جوزی ص ۲۴۲ جلد ۴)

اور بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ یہ تمام کلام زلیخا کا ہے جس میں اس نے صراحت کے ساتھ کہہ دیا کہ قصور میرا ہی تھا اور یوسفؑ بری ہیں اور میں اپنے نفس کو بری نہیں بتلاتی بے شک نفس بری باتوں کا حکم دیتا ہے مگر جس پر خدا رحم کرے سو اس کا نفس اس کو بری بات کا حکم نہیں دیتا انھی میں یوسفؑ بھی ہے بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے یعنی گو میں نے گناہ کیا ہے مگر خدا غفور رحیم ہے مجھے امید ہے کہ وہ میرا گناہ معاف فرمائے گا اور میں نے اپنے قصور کا اعلانیہ اقرار اس لیے کر لیا کہ یوسفؑ سمجھ لے کہ میں نے اس کی پیٹھ پیچھے اس پر کوئی بہتان نہیں باندھا یہ قول بعض مفسرین کا ہے مگر راجح اور مختار قول یہی ہے کہ اس قسم کا کلام یعنی وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِىْ الخ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ کلام اس شخص کا ہے جو متقی اور پرہیزگار ہو اور گناہوں سے بچنے والا اور بھلنے والا ہو اور پھر بطور تواضع اور خاکساری یہ کہتا ہو کہ میں اپنے آپ کو پاک اور بری نہیں بتلاتا جو کچھ ہوا وہ سب اللہ کی رحمت اور توفیق سے ہوا یہ کلام اس عورت کے مناسب نہیں جس نے اپنی جد وجہد کو اللہ کی معصیت اور شوہر کی خیانت میں خرچ کر ڈالا ہو (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۴۳ جلد ۵)

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِىْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ

اور کہا بادشاہ نے لے آؤ اس کو میرے پاس میں خاص کر

لِنَفْسِیْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ

رکھوں اس کو اپنے کام میں پھر جب بات چیت کی اس سے کہا سچ تو نے آج ہمارے

لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ اجْعَلْنِیْ

پاس جگہ پائی معتبر ہو کر یوسف نے کہا مجھ کو مقرر کر

عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۵﴾

ملک کے خزانوں پر میں خوب نگہبان ہوں خبردار

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا

اور یوں قدرت دی ہم نے یوسفؑ کو اس زمین میں جگہ پکڑے اس میں

حَيْثُ يَشَآءُ ؕ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا

جہاں چاہے پہنچاتے ہیں ہم اپنی مہر جس کو چاہیں اور ضائع

نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ

نہیں کرتے ہم نیک بھلائی والوں کا اور نیگ آخرت کا بہتر ہے

لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ ع

ان کو جو یقین لائے اور رہے پرہیزگاری میں

یوسف علیہ السّلام کی شاہ مصر سے ملاقات اور بالمشافہ گفتگو اور تفویض اختیارات سلطنت

قال اللہ تعالیٰ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ ۔۔۔ اِلٰی ۔۔۔ وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ

اور جب بادشاہ کو یوسف علیہ السّلام کی براءت اور نزاہت کا کامل یقین ہو گیا اور یوسف علیہ السّلام کی اس شرط نے کہ عورتوں سے بھی دریافت کر لیا جائے بادشاہ کو اور بھی اطمینان دلا دیا کہ

تحقیقات کی شرط وہی آدمی لگا سکتا ہے جس کو اپنی براءت کا کامل یقین ہو اور خواب کی تعبیر اور پھر اس کے متعلق تدبیر سن کر تو بادشاہ حیران ہی رہ گیا اور کہنے لگا اس شخص کو فوراً میرے پاس لے کر آؤ ایسے شخص کو تو میں خالص اپنے لیے مقرر کروں گا اور عزیز مصر سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوگا یعنی براہ راست مجھ سے وابستہ ہوں گے اور عزیز مصر کے ماتحت نہ ہوں گے چنانچہ لوگ ان کو بادشاہ کے پاس لاتے پس جب بادشاہ نے یوسف علیہ السّلام سے بالمشافہ باتیں کیں تو ان کی فہم وفراست کو دیکھ کر بالکل ہی گرویدہ ہوگیا اور حکم دیا کہ تحقیق تو آج سے ہمارے یہاں بڑے مرتبہ والا اور بڑا معتبر ہے بعد ازاں خواب کی تعبیر کا ذکر آیا بادشاہ نے کہا کہ اتنے بڑے قحط کا انتظام بڑا بھاری کام ہے یوسف علیہ السّلام نے اس کی تدبیر اور انتظام کا طریقہ بتلایا بادشاہ نے کہا کہ اس کار عظیم کا کون کفیل اور ذمّے دار بنے گا یہ انتظام کس کے سپرد کیا جائے اے یوسفؑ میں دیکھتا ہوں کہ تم مجسم صدق اور امانت ہو تم سے کسی قسم کی خیانت کا اندیشہ نہیں صدق اور امانت اور فہم وفراست تمہارے چہرہ سے عیاں ہے دل تمہاری طرف مائل ہے جیسا اطمینان تم پر کیا جا سکتا ہے ویسا اطمینان دوسرے عمّال اور حکام پر نہیں کیا جا سکتا۔ یوسف علیہ السّلام نے کہا اچھا مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے یعنی ملکی پیداوار اور اس کی آمد وخرچ کا افسر مجھے مقرر کر دیجئے تاکہ یہ خزانے صحیح حق داروں کو پہنچا سکوں اور اس طرح سے بندگان خدا کو آسانی کے ساتھ روزی پہنچا سکوں اور عجب نہیں کہ ساتھ ساتھ یہ بھی خیال کیا ہو کہ یہ عدل وانصاف دعوتِ حق کا ذریعہ اور وسیلہ بنے گا اور فرمایا کہ تحقیق میں خدا داد علم اور فہم سے بڑا حفاظت کرنے والا ہوں بیت المال کو خیانت سے محفوظ رکھوں گا جن سے مال لینا ہے ان سے لیا جائے گا اور جن کو دینا چاہیئے ان کو دیا جائے گا اور بڑا خبردار واقف کار ہوں یعنی حق تعالیٰ نے مجھ میں انتظام کی صلاحیّت رکھی ہے اگر آپ نے مجھ کو مقرر کر دیا تو انشاء اللہ ایسا انتظام کروں گا کہ خدا کے فضل سے کوئی بھوکا نہیں مرے گا چنانچہ بادشاہ نے اس کو منظور کیا اور یوسف علیہ السّلام کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا اور ان کو اپنا وزیر باتدبیر بنایا اور سلطنت کا مختار کر دیا اور عزیز مصر کو معزول کر کے سلطنت کے تمام انتظامات ان کے سپرد کر دیئے اور مصر کے تمام خزائن پر متصرف ہوگئے اور تمام قلمرو میں انہی کا حکم چلنے لگا چند روز کے بعد عزیز مصر کا انتقال ہوگیا اور یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے لقب سے مشہور ہوئے کقولہ تعالیٰ فیما بعد قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ الخ اور عزیز مصر کے بعد بادشاہ نے یوسف علیہ السلام کی عزیز مصر کی بیوی زلیخا سے شادی کر دی جس سے دو لڑکے پیدا ہوئے ایک افرائیم اور دوسرا میشا (تفصیل کے لیے دیکھو تفسیر قرطبی ص ۲۱۲ جلد ۹ وزاد المسیر ص ۲۴۴ جلد ۴ وتفسیر ابن کثیر صفحہ ۴۸۲ جلد ۲

⁂ ⁂ ⁂

نکتہ خوب سمجھ لو کہ خلیفہ راشد وہی ہے جو حفیظ وعلیم کا مصداق ہو پھر ابو بکرؓ وعمرؓ کے حال پر ایک نظر ڈالو! یوسف صدیقؑ کا نمونہ نظروں کے سامنے آجائے گا۔

اور ہم نے ایسے ہی عجیب طور پر یوسفؑ کو زمین مصر میں جگہ دی یعنی اس ملک میں حکومت اور تمکنت عطا کی اور اقتدار اور اختیار دیا کہ اس زمین میں سے جہاں چاہیں رہیں۔ قید خانہ کی تنگی اور تکلیف کے بعد یہ وسعت اور فراخی عطا کی کہ جہاں چاہیں رہیں سارا ملک ان پر فریفتہ ہے اور یہ سب اللہ کی رحمت ہے اور ہم جس کو چاہیں اپنی رحمت پہنچائیں کوئی ہمارا ہاتھ پکڑنے والا نہیں اور ہم نیکو کاروں کے ثواب کو ضائع نہیں کرتے اور البتہ اہل ایمان اور اہل تقویٰ کو جو اجر آخرت میں ملے گا وہ اس دنیاوی اجر سے کہیں بہتر ہے جس کے سامنے دنیا کی دولت وثروت سب ہیچ ہے یعنی یوسفؑ کو جو دنیاوی سلطنت ملی وہ اس کی رحمت کا ایک حصہ ہے یوسف علیہ السّلام نیکو کاری اور پرہیزگاری کی بدولت قعرِ چاہ سے نکل کر تختِ جاہ پر پہنچے اور آخرت میں جو اجر وثواب ان کے لیے مقدر ہے وہ وہم وگمان سے بالا اور برتر ہے۔

بدنیا وعقبیٰ کسے قدر یافت ∴ کہ او جانب صبر وتقویٰ شتافت

خدا کی قدرت کا کرشمہ دیکھو کہ کہاں سے کہاں پہنچایا کنوئیں سے نکال کر مصر کا فرما نروا بنا یا شاہ عبد القادرؒ فرماتے ہیں یہ جواب ہوا ان کے سوال کا کہ اولاد ابراہیمؑ اس طرح شام سے مصر میں آئی اور بیان ہوا کہ بھائیوں نے یوسف علیہ السّلام کو گھر سے دور پھینکا تاکہ ذلیل ہو اللہ نے عزت دی اور ملک پر اختیار دیا ایسا ہی ہوا حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو۔" (موضح القرآن)

وَجَآءَ | اِخْوَةُ | يُوْسُفَ | فَدَخَلُوْا | عَلَيْهِ
اور آئے | بھائی | یوسف کے | پھر داخل ہوئے | اس کے

فَعَرَفَهُمْ | وَهُمْ | لَهٗ | مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾ | وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ
پاس تو اس نے پہچانا ان کو | اور وہ | | نہیں پہچانتے | اور جب تیار کر دیا ان کو

بِجَهَازِهِمْ | قَالَ | ائْتُوْنِيْ | بِاَخٍ | لَّكُمْ
ان کا اسباب | کہا | لے آؤ میرے پاس | ایک بھائی جو | تمہارا ہے

مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا
باپ کی طرف سے | تم نہیں دیکھتے ہو کہ میں | پوری دیتا ہوں بھرتی | اور خوب

خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۵۹﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ

طرح اُتارنا ہوں پھر اگر اس کو نہ لائے میرے پاس تو بھرتی نہیں

لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ

تم کو میرے نزدیک اور میرے پاس نہ آؤ. بولے، ہم خواہش کریں گے اس کے

اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا

باپ سے اور البتہ ہم کو کرنا ہے اور کہہ دیا خدمت گاروں کو اپنے رکھ دو

بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا

اُن کی پونجی انکے بوجھوں میں شاید اس کو پہچانیں جب پھر کر

اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى

جاویں اپنے گھر شاید وہ پھر آویں ∴ پھر جب پھر گئے اپنے

اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ

باپ پاس بولے اے باپ بند ہوئی ہم سے بھرتی سو بھیج ہمارے ساتھ

اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ

بھائی ہمارا کہ بھرتی لاویں اور ہم اسکے نگہبان ہیں کہا میں اعتبار کروں تمہارا

عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ

اس پر وہی، جیسا اعتبار کیا تھا اسکے بھائی پر پہلے سو اللہ

خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَمَّا فَتَحُوْا

بہتر ہے نگہبان اور وہ ہے سب مہربانوں سے مہربان اور جب کھولی اپنی

مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا

چیز بست پائی اپنی پونجی پھری آئی ان کی طرف بولے

يَآبَانَا مَا نَبْغِي ۖ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ

اے باپ! وہی جو ہم مانگتے ہیں یہ پونجی ہماری پھیر دی ہے ہم کو اور رسد لاویں

اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ۖ ذٰلِكَ

ہم اپنے گھر کو اور خبرداری کریں اپنے بھائی کی اور زیادہ لیویں بھرتی ایک اونٹ کی

كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿۶۵﴾ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ

وہ بھرتی آسان ہے کہا ہرگز نہ بھیجوں گا اس کو ساتھ تمہارے جب تک دو مجھ کو

مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ

عہد خدا کا کہ البتہ پہنچا دو گے میرے پاس اس کو مگر کہ گھیرے جاؤ تم سارے

فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ

پھر جب دیا اس کو عہد سب نے بولا، ذمہ اللہ کا ہے جو باتیں ہم

وَكِيْلٌ ﴿۶۶﴾ وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ

کہتے ہیں اور کہا اے بیٹو! نہ داخل ہو جیو ایک دروازے سے

وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۖ وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ

اور پیٹھو کئی دروازوں سے جدا جدا اور میں نہیں بچا سکتا تم کو

مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۖ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ

اللہ کی کسی چیز سے، حکم کسی کا نہیں سوا اللہ کے اسی پر مجھ کو بھروسہ ہے

وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ

اور اسی پر بھروسا چاہیئے بھروسا کرنے والوں کو اور جب داخل ہوئے جہاں

حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ۖ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ

سے کہا تھا ان کے باپ نے کچھ نہ بچا سکتا تھا ان کو

اللّٰہِ مِنۡ شَیۡءٍ اِلَّا حَاجَۃً فِیۡ نَفۡسِ یَعۡقُوۡبَ قَضٰہَا

اللہ کی کسی چیز سے مگر ایک خواہش تھی یعقوب کے جی میں سو کر چکا

وَ اِنَّہٗ لَذُوۡ عِلۡمٍ لِّمَا عَلَّمۡنٰہُ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ

اور وہ تو خبردار تھا ہمارے سکھائے سے لیکن بہت لوگ

لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۸﴾ ع

خبر نہیں رکھتے

ع ۸ ۱۱ ۲

ظہور قحط عظیم در اطراف مصر و شام

قال اللہ تعالیٰ وَجَآءَ اِخۡوَۃُ یُوۡسُفَ فَدَخَلُوۡا عَلَیۡہِ ... الیٰ .. وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ

(ربط) غرض یہ کہ اس طرح یوسف علیہ السلام کو خزائن مصر پر اقتدار اور اختیار حاصل ہوا اور بادشاہ نے سلطنت کا انتظام حضرت یوسف علیہ السلام کے سپرد کیا اور ارکان دولت اور وزراء اور امراء نے سر تسلیم خم کر دیا اور یوسف علیہ السلام نے زمین کی پیداوار کا انتظام شروع فرمایا اور لوگوں کو کھیتی کرنے کا حکم دیا بے شمار غلہ پیدا ہوا سات برس تک جو غلہ حاصل ہوتا رہا اس میں سے بقدر ضرورت و کفایت لوگوں کو دیتے اور باقی کو جمع رکھتے یہاں تک کہ غلہ کا اس قدر ذخیرہ ہو گیا جو سالہا سال کام آسکے چونکہ حق تعالیٰ نے قبل از وقوعِ قحط اس سے آگاہ فرما دیا تھا اس لیے انہوں نے یہ انتظام فرما لیا دوسرے ملک والوں کو پہلے سے اس کا کچھ علم نہ تھا اس لیے وہ انتظام نہ کر سکے اس انتظام میں سات سال گزر گئے اب اس کے بعد قحط کے سال شروع ہوئے اور مصر اور شام کے تمام علاقوں میں قحط عام ہو گیا جس سے لوگ پریشان ہو گئے یوسف علیہ السلام نے لوگوں کو غلہ دینا شروع کیا کسی کو ایک اونٹ سے زیادہ غلہ نہ دیتے تھے اگرچہ وہ سردار اور حاکم ہو جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ مصر میں سلطنت کی طرف سے غلہ فروخت ہوتا ہے تو اطراف و اکناف سے لوگ غلہ لینے کے لیے آنے لگے اور کنعان میں بھی قحط پڑا تو یوسف علیہ السلام کے بھائی بجز بنیامین کے غلہ لینے کے لیے مصر آئے اور من جانب اللہ وقت آیا کہ یوسفؑ کے ہاتھ سے ان بھائیوں پر احسان کرائیں جنہوں نے یوسفؑ کے ساتھ برائی کی تھی یعقوب علیہ السلام کو جب مصر کا حال معلوم ہوا تو اپنے بیٹوں کو جمع کر کے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ مصر کا بادشاہ بڑا نیک بخت ہے لوگوں

کو غلہ دیتا ہے تم بھی اس کے پاس جاؤ اور غلہ لاؤ غرض یعقوب علیہ السّلام نے اپنے دسوں بیٹوں کو مصر بھیج دیا اور یوسف ؑ کے سگے بھائی بنیامین کو اپنے پاس رکھ لیا پس جب یہ دسوں بھائی یوسف علیہ السّلام کے سامنے آئے تو یوسف علیہ السّلام نے ایک ہی نظر میں ان کو پہچان لیا اور وہ ابھی ان سے ناشناس تھے یعنی وہ ابھی یوسف ؑ کو نہ پہچان سکے اس لیے کہ بھائیوں نے یوسف علیہ السّلام کو صغر سنی میں چھوڑا تھا اور اُس وقت سے لے کر اس وقت تک چالیس سال گزر چکے تھے پھر یہ کہ یوسف علیہ السلام اس وقت لباس شاہانہ میں تخت سلطنت پر جلوہ افروز تھے ایسی حالت میں یہ تصور بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ جلوہ افروز وہی ہمارا بھائی ہے جس کو ہم نے معمولی قیمت میں ایک قافلہ کے ہاتھ فروخت کیا تھا اور بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے چہرہ پر نقاب رکھتے تھے تاکہ مصر کی عورتیں فتنہ میں نہ پڑیں غرض یہ کہ جب بھائی یوسف ؑ کے سامنے پیش ہوئے تو یوسف علیہ السّلام نے ان کو پہچان لیا اور بھائیوں نے ان کو نہ پہچانا یوسف علیہ السّلام ان کے ساتھ لطف و کرم سے پیش آتے اور عبرانی زبان میں ان سے ان کے حالات پوچھے کہ تم کون لوگ ہو اور کہاں سے آئے ہو انہوں نے کہا کہ ہم ملک شام کے رہنے والے ہیں ہمارا گزرانِ معاش بکریوں پر ہے قحط کی مصیبت میں ہم بھی گرفتار ہیں اس لیے ہم تیرے پاس غلّہ لینے کے لیے آئے ہیں یوسف علیہ السلام نے کہا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ تم جاسوس ہو اور میرے ملک کا حال معلوم کرنے آئے ہو انہوں نے کہا کہ بخدا ہم جاسوس نہیں ہم سب ایک باپ کے بیٹے ہیں ہمارا باپ بہت بوڑھا اور راست گفتار ہے اس کا نام یعقوب ؑ ہے وہ اللہ کا نبی ہے یوسف علیہ السّلام نے کہا تم کتنے بھائی ہو انہوں نے کہا ہم کل بارہ بھائی تھے اور ایک بھائی ہمارے ساتھ جنگل گیا اور ہلاک ہو گیا ہمارے باپ کو اس کے ساتھ ہم سب سے زیادہ محبت تھی یوسف ؑ نے کہا کہ اب تم یہاں کتنے ہو انہوں نے کہا کہ ہم دس ہیں یوسف ؑ نے کہا گیارھواں کیا ہوا انہوں نے کہا کہ وہ اپنے باپ کے پاس ہے باپ نے اس کو اپنے پاس روک لیا کیونکہ وہ ہلاک شدہ بھائی کا سگا بھائی ہے باپ اس سے تسلی پاتا ہے یوسف علیہ السلام نے کہا کیا کوئی اس کی تصدیق کر سکتا ہے کہ تم سچ کہتے ہو انہوں نے کہا ہم پردیس میں ہیں یہاں ہمیں کوئی نہیں جانتا یوسف علیہ السّلام نے کہا کہ اچھا اب کی دفعہ تم اس سوتیلے بھائی کو بھی اپنے ساتھ لیتے آنا اسی سے تمہارا سچ معلوم ہو جائے گا بعد ازاں یوسف علیہ السلام نے ان کو غلہ دینے کا حکم دے دیا اور جب یوسف ؑ نے ان کا سامان غلہ کا تیار کر دیا اور ہر ایک کے اونٹ پر گیہوں لدوا دیئے تو وہ بولے کہ ہمارا ایک بھائی جس کو باپ نے اپنی تسلی کے لیے روک لیا ہے اس کے حصّہ کا بھی ایک اونٹ غلّہ کا دے دیا جائے فرمایا کہ یہ قانون کے خلاف ہے اگر اس کو اپنا حصّہ لینا ہے تو خود آ کر لے جائے اور ان کو رخصت کیا اور چلتے وقت یہ کہا کہ اب کی دفعہ آؤ تو اپنے اس

بھائی کو بھی ساتھ لانا جو تمہارے باپ کی طرف سے تمہارا بھائی ہے یعنی اپنے علاتی بھائی کو ساتھ لانا تاکہ اس کا حصّہ بھی دیا جاسکے کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں ماپ کو پورا کرتا ہوں اگرچہ اس کی قیمت پوری نہ ہو اور علاوہ ازیں میں بہترین مہمان نواز ہوں باوجود جاسوسی کے احتمال اور امکان کے میں نے تمہاری مہمان داری میں کوئی کمی نہیں کی اب کی دفعہ آؤ تو بھائی کو بھی ساتھ لاؤ تاکہ اس کے حصّہ کا غلہ اس کو مل سکے پس اگر تم اس کو ساتھ نہ لائے تو ایک تو یہ ہوگا کہ تمہارے لیے میرے پاس غلّہ کا کوئی ماپ نہ ہوگا اور دوم یہ کہ تم میرے پاس بھی نہ آنا پھر تمہیں یہاں آنے کی اجازت بھی نہیں اگر اس بھائی کو ساتھ نہ لائے تو میری قلمرو میں قدم نہ رکھنا بھائی کو ساتھ نہ لانے سے میں سمجھوں گا کہ تم مجھے دھوکہ دے کر بھائی کے نام سے زیادہ غلہ لینا چاہتے تھے وہ بولے ہم تا حد امکان اس کے متعلق اس کے باپ سے گفت گو کریں گے اور تحقیق ہم اس کام کو کرکے رہیں گے یعنی جتنی کوشش ہو سکے گی اس میں کمی نہ کریں گے باقی اختیار باپ کو ہے اور جب وہاں سے چلنے لگے تو یوسف علیہ السّلام نے اپنے خادموں کو حکم دیا کہ ان کی پونجی جو وہ غلہ کی قیمت میں لائے تھے انہی کے شلیتوں یعنی خرجیوں میں رکھ دو شاید یہ لوگ جب اپنے گھر پہنچیں تو اس کو پہچانیں کہ یہ کس قدر جود و کرم ہے کہ غلہ بھی دیا اور قیمت بھی اس کی واپس کردی اور واپس بھی اس طرح کی کہ ہم کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی شاید وہ اس جود و کرم کو دیکھ کر دوبارہ واپس آئیں قیمت کو اس طرح واپس کرنے میں چند حکمتیں تھیں (اولاً) یوسف علیہ السّلام نے اپنے باپ اور بھائیوں سے قیمت لینا مروّت کے خلاف سمجھا (ثانیاً) یوسف علیہ السّلام نے یہ خیال کیا کہ ممکن ہے ان کے پاس اور قیمت نہ ہو اور پھر غلہ لینے نہ آئیں اس لیے ان کی قیمت واپس کردی تاکہ قیمت پاکر پھر غلہ لینے آئیں (ثالثاً) یوسف علیہ السلام نے ان کے ساتھ ایسی طرح احسان کرنا چاہا کہ ان کو ندامت اور عار نہ ہو کیونکہ اگر ظاہری طور پر قیمت واپس کرتے تو شاید وہ منظور نہ کرتے (رابعًا) یوسف علیہ السّلام نے خیال کیا کہ جب یہ قیمت واپس پائیں گے تو ان کی امانت و دیانت اور مروت اس بات پر آمادہ کرے گی کہ وہ ضرور واپس آئیں۔ اور اس پونجی کی واپسی کا سبب دریافت کریں اور کوشش کریں کہ یہ قیمت واپس لی جاوے (خامسًا) یہ چاہا کہ اپنے باپ کے سامنے یہ ظاہر کریں کہ مصر کے بادشاہ نے ہمارے ساتھ یہ اکرام کیا ہے اور مزید اکرام سے دوبارہ مع بھائی کے طلب کیا ہے تو یہ سن کر باپ کو بھائی کا بھیجنا گراں نہ گزرے اور جب قیمت ان کے پاس ہوگی تو دوبارہ آنے میں سہولت ہوگی غرض یہ کہ یوسف علیہ السّلام نے بھائیوں کے ساتھ سلوک اور احسان میں ایسا ہی مبالغہ کیا جیسا کہ بھائیوں نے برائی میں مبالغہ کیا تھا (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۴۹ جلد ۵)

پس جب یوسف علیہ السلام کے بھائی اپنے باپ کی طرف لوٹے اور وہاں پہنچے تو یعقوب علیہ السلام سے سارا حال بیان کیا کہ بادشاہ بہت نیک سیرت اور عادل ہے اس نے ہمارا اکرام کیا اور ہماری مہمانداری کی یعقوب

علیہ السلام سن کر خوش ہوئے اور بادشاہ کو دعا دی اور کہنے لگے اے ہمارے والد بزرگوار آئندہ کے لیے ہم سے غلہ روک لیا گیا ہے کہ جب تک اپنے علاتی بھائی کو نہ لاؤ گے اس وقت تک تم کو کیل (یعنی غلہ کا پیمانہ) نہیں دیا جائے گا لہٰذا آپ ہمارے ساتھ بھائی بنیامین کو بھیج دیں تاکہ ہم دوبارہ غلہ لاسکیں کیونکہ پہلی مرتبہ غلہ دیتے وقت ہم سے یہ کہہ دیا گیا تھا کہ آئندہ اگر تم اپنے بھائی کو ساتھ نہ لائے تو غلہ نہیں دیا جائے گا اس لیے ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ بنیامین کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے اور ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ تحقیق ہم ان کی پوری حفاظت کریں گے کوئی برائی اور تکلیف اس کو پہنچنے نہیں دیں گے یعقوب علیہ السلام نے فرمایا بس رہنے دو کیا اس کے بارہ میں بھی تمہارا ویسا ہی اعتبار کروں جیسا کہ اس سے پہلے اس کے بھائی یوسفؑ کے بارہ میں تمہارا اعتبار کر چکا ہوں یعنی میں بنیامین کے بارہ میں تمہارا اعتبار کس طرح کروں یہی بات جو تم اب کہتے ہو وہی بات تم نے اس کے بھائی یوسفؑ کے بارہ میں کہی تھی اور تم نے مجھ سے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا مگر وہ غلط نکلا تو اب اس کے بارہ میں مجھے تمہارا اعتبار کس طرح آئے سو خیر اگر تم بنیامین کو لے ہی جاؤ گے تو اللہ کے سپرد ہے وہ سب سے بڑھ کر محافظ ہے مطلب یہ ہے کہ میرا بھروسہ خدائے تعالیٰ پر ہے نہ تم پر اور تمہاری حفاظت پر کوئی بھروسہ نہیں میں اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں اور اس کی حفاظت پر چھوڑتا ہوں اور وہ سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے مجھے اس کی رحمت سے امید ہے کہ وہ ارحم الراحمین اب مجھ پر دو بیٹوں کی مصیبت کو جمع نہ کرے گا اور اس گفتگو کے بعد جب انھوں نے اپنے سامان کو کھولا جو مصر سے لائے تھے تو اس میں اپنی پونجی کو پایا کہ وہ ان کی طرف واپس کر دی گئی پونجی سے مراد وہ قیمت ہے جو غلہ کے عوض دے کر آئے تھے اس کو دیکھا کہ وہ ان کی طرف واپس کر دی گئی ہے جب دیکھا تو کہنے لگے اے ہمارے شفیق و رحیم باپ لیجئے اور ہم کو کیا چاہیئے کہ بادشاہ نے ہمارا اکرام کیا اور ہمارے ہاتھ غلہ فروخت کیا اور پھر ہماری قیمت بھی اس طرح واپس کر دی کہ ہم کو خبر بھی نہ کی دیکھ لیجئے یہ ہماری پونجی سامنے ہے جو ہم کو واپس کر دی گئی اس سے بڑھ کر بادشاہ سے کس چیز کو چاہیں پس بادشاہ کی اس شفقت وعنایت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ آپ ہم کو دوبارہ بادشاہ کے پاس جانے کی اجازت دیں اور اس بات کی اجازت دیں کہ اپنے بھائی کو اپنے ساتھ لے جائیں جیسا کہ بادشاہ کی شرط ہے اور اس طرح ہم اپنے گھر والوں کے لیے غلہ لائیں گے اور آمد ورفت میں اپنے بھائی کی پوری حفاظت کریں گے اور اس کے حصہ کا ایک بار شتر غلہ زیادہ لائیں گے کیونکہ یہ غلہ جو اس وقت ہم لائے ہیں وہ قلیل مقدار ہے جس سے ہماری ضرورت پوری ہوتی نظر نہیں آتی اور بغیر بھائی کے ساتھ لیجائے دوبارہ غلہ ملنا ممکن نہیں یعقوب علیہ السلام نے فرمایا خیر مجھے ایسی حالت میں بھیجنے سے انکار تو نہیں مگر میں اس کو اس وقت تک تمہارے ساتھ ہرگز نہ بھیجوں گا جب تک تم مجھے خدا کی قسم کھا کر یہ عہد اور پیمان نہ

دو کہ تم ضرور اس کو میرے پاس واپس لاؤ گے ہاں اگر تم کہیں گھر جاؤ اور اس کی حفاظت سے مجبور ہو جاؤ تو اس وقت تم معذور ہو گے چنانچہ سب نے اس پر قسم کھائی پھر جب انھوں نے یعقوب علیہ السلام کو اپنا پختہ عہد اور پیمان دے دیا تو یعقوب علیہ السلام نے کہا جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اللہ اس پر نگہبان ہے غرض یعقوب علیہ السلام بنیامین کو ان کے ساتھ بھیجنے پر راضی ہو گئے اور جب دوبارہ مصر جانے کے لیے تیار ہو گئے تو چلتے وقت یعقوب علیہ السلام نے ان کو تدبیر اور احتیاط کی نصیحت کی اور کہا اے میرے بیٹو مصر میں تم سب ایک دروازہ سے داخل نہ ہونا اور متفرق دروازوں سے داخل ہونا یہ حکم اس لیے دیا کہ سب بیٹے صاحب حسن وجمال تھے اور صاحب شوکت وہیبت دو وقار تھے اور ایک باپ کی اولاد تھے اس لیے اندیشہ ہوا کہ اس طرح داخل ہونے سے نظر نہ لگ جائے کیونکہ نظر حق ہے صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نظر حق ہے اور پہلی مرتبہ مصر میں عام مسافروں کی طرح داخل ہوتے تھے اور کوئی پہچانتا نہ تھا اس لیے پہلی مرتبہ اس احتیاط کی ضرورت نہ تھی اور دوبارہ جانا خاص شان اور اہتمام سے تھا اور بادشاہ کی دعوت پر تھا اس لیے حفاظت کی یہ تدبیر فرمائی اور فرمایا کہ یہ محض ایک ظاہری تدبیر ہے اور نظر بد سے بچنے کا ایک ذریعہ اور سبب ہے اور باقی اگر خدا ضرر پہنچانا چاہے تو میں تم کو اللہ کی تقدیر سے بچا نہیں سکتا یعنی خواہ تم سب ایک ساتھ ایک ہی دروازہ سے داخل ہو یا متفرق دروازوں سے تقدیر الٰہی ہر حال میں تم کو پہنچ کر رہے گی اور احتیاط کچھ بھی کام نہ آئے گی مگر جہاں تک ممکن ہو ظاہری تدبیر اور ظاہری سبب پر عمل کرنا ضروری ہے یہ عالم اسباب ہے حق تعالیٰ نے اسباب کو اس لیے پیدا فرمایا ہے کہ اس راستہ پر چلو رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۔

اطلبوا الارزاق من اسبابها ⁂ وادخلوا الابيات من ابوابها

یعقوب علیہ السلام نے بمقتضائے شفقت پدری اولاً ایک تدبیر کا حکم دیا پھر بندہ کے عجز اور لاچارگی پر نظر کر کے تقدیر کا ذکر فرمایا تاکہ بیٹے سمجھ جائیں کہ احتیاطی تدبیر سے مقدر نہیں ٹل سکتا کیونکہ حکم صرف اللہ کا ہے اس کے حکم کے سامنے کسی کی نہیں چلتی جو اس نے تمہارے لیے مقدر کیا ہے وہ لا محالہ تم کو پہنچے گا اور یہ تدبیر تم کو کچھ نفع نہ دے گی اور باوجود اس تدبیر ظاہری کے میں نے بھروسہ خدا ہی پر کیا ہے اور بھروسہ کرنے والوں کو چاہیئے کہ اسی پر بھروسہ کریں نہ کہ تدبیر پر۔ تدبیر سے گریز کرنے کا نام توکل نہیں بلکہ توکل یہ ہے کہ تدبیر بھی کرو مگر نظر تقدیر پر رکھو اس کے بعد وہ سب وہاں سے روانہ ہوئے اور جب شہر مصر میں اسی طرح متفرق دروازوں سے داخل ہوئے جس طرح ان کے باپ نے حکم دیا تھا تو یہ تدبیر ان سے اللہ کی تقدیر میں سے کوئی شے دفع نہ کر سکی لیکن یعقوب علیہ السلام کے دل کی ایک خواہش تھی جس کو انہوں نے پورا کر لیا اور اس کے موافق اولاد کو نصیحت کر دی اور اسی کے مطابق اولاد متفرق دروازوں سے داخل ہوئی مگر جو مقدر تھا وہ دور نہ ہوا اور

چوری کا الزام ان پر لگا پس اس تدبیر سے تقدیر نہ دفع ہوئی اور تقدیر دوسری طرف سے آئی اور تحقیق یعقوب بڑا خبردار تھا اس چیز سے جو ہم نے اس کو سکھائی تھی کہ تدبیر بھی کی مگر بھروسہ تدبیر پر نہ کیا اور صحیح علم یہی ہے کہ تدبیر اور تقدیر دونوں کو جمع کرے لیکن اکثر لوگوں کو اس کا علم نہیں کہ وہ تدبیر پر مغرور ہو جاتے ہیں اور تقدیر کا بھید ان کی نظروں سے پوشیدہ ہو جاتا ہے ظاہر اسباب کو پختہ کرنا اور بھروسہ اللہ پر رکھنا یہی صحیح علم اور صحیح معرفت ہے۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ

اور جب داخل ہوئے یوسفؑ کے پاس اپنے پاس رکھا

اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا

اپنے بھائی کو کہا میں ہوں تیرا بھائی سو تو غمگین نہ رہ ان کاموں سے جو

يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ

کرتے رہے ہیں پھر جب تیار کر دیا ان کو اسباب ان کا رکھ دیا پینے کا باسن

فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ

بوجھ میں اپنے بھائی کے پھر پکارا پکارنے والا اے قافلے والو! تم مقرر

لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾

چور ہو کہنے لگے منہ کر کر اُن کی طرف تم کیا نہیں پاتے

قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ

بولے ہم نہیں پاتے بادشاہ کا ماپ اور جو کوئی وہ لاوے اس کو ایک بوجھ

بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ

اونٹ کا اور میں ہوں اس کا ضامن کہنے لگے قسم اللہ کی! تم کو معلوم ہے

مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾

ہم شرارت کرنے کو نہیں آئے ملک میں اور نہ ہم کبھی چور تھے

قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾
بولے، پھر کیا سزا ہے اس کی اگر تم جھوٹے ہو

قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ
کہنے لگے اس کی سزا یہ کہ جس کے بوجھ میں پائے وہی جاوے اس کے بدلے میں

كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ
ہم یہی سزا دیتے ہیں گنہگاروں کو پھر شروع کیا یوسفؑ نے ان کی خرجیاں

وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ
دیکھنی پہلے اپنے بھائی کی خرجی سے پیچھے وہ پیالہ نکالا خرجی سے اپنے بھائی کی

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ
یوں داؤ بتا دیا ہم نے یوسفؑ کو ہرگز نہ لے سکتا تھا اپنے بھائی کو

فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ
انصاف میں اس بادشاہ کے مگر جو چاہے اللہ ہم درجے بلند کرتے ہیں

مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾ قَالُوْٓا
جس کو چاہیں اور ہر خبر والے سے اوپر ہے ایک خبردار کہنے لگے

اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا
اگر اس نے چرایا تو چوری کی ہے ایک اس کے بھائی نے بھی پہلے تب آہستہ کہا

يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ
یوسف نے اپنے جی میں اور ان کو نہ جتایا بولا کہ تم اور بدتر

مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا
ہو درجے میں اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم بتاتے ہو کہنے لگے اے

الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبًا شَيْخًا كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ

عزیز! اس کا ایک باپ ہے بوڑھا بڑی عمر کا سو رکھ لے ایک ہم میں سے اسکی جگہ

إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۷۸﴾ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ

ہم دیکھتے ہیں تو ہے احسان کرنے والا بولا اللہ پناہ دے! کہ ہم کسی

نَأْخُذَ إِلَّا مَنْ وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهُ إِنَّا إِذًا

کو پکڑیں مگر جس پاس پائی اپنی چیز، تو - تو ہم

لَظَالِمُونَ ﴿۷۹﴾

بے انصاف ہوئے

باردوم آمدن برادران یوسف علیہ السّلام

قال اللہ تعالیٰ وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ آوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ... إِلَىٰ عِنْدَهُ إِنَّا إِذًا لَّظَالِمُونَ

(ربط) یہاں تک برادران یوسف علیہ السّلام کی پہلی بار آمد کا ذکر تھا اب آئندہ آیات میں ان کی دوسری بار آمد کا ذکر ہے اور جب باردوم یعقوب علیہ السّلام کی وصیت کے مطابق گیارہ بھائی یعنی دس بھائی سابق مع بنیامین کے مختلف دروازوں سے مصر میں داخل ہوئے اور یوسف علیہ السّلام کے پاس پہنچے اور بنیامین کو پیش کرکے کہا کہ ہم آپ کے حکم کے مطابق اپنے اس علاتی بھائی کو اپنے ساتھ لائے ہیں جو آپ کے سامنے ہے یوسف علیہ السّلام نے دو دو بھائیوں کو ایک ایک جگہ ٹھہرا دیا بنیامین اکیلے رہ گئے اس لیے یوسف علیہ السّلام نے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے ساتھ ملا لیا اور اپنے پاس اس کو ٹھہرایا اور کھانے میں ان کو شریک کر لیا اور خلوت میں یوسف علیہ السلام نے بنیامین سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے اس نے کہا بنیامین یوسفؑ نے پوچھا کہ تیری ماں کا نام کیا ہے بنیامین نے کہا راحیل یوسفؑ نے پوچھا کوئی تیرا سگا بھائی بھی ہے۔ بنیامین نے کہا ایک بھائی تھا وہ ہلاک ہو گیا یوسفؑ نے کہا اگر میں تیرے اس بھائی کے بدلہ جو ہلاک ہو گیا ہے بھائی ہو جاؤں تو تو اس بات کو پسند کرے گا۔ بنیامین نے کہا تجھ سے اچھا بھائی کس کو مل سکتا ہے لیکن تجھ کو یعقوبؑ اور راحیل نے نہیں جنا اس وقت یوسف علیہ السّلام نے کہا میں تیرا بھائی یوسف ہوں سو یہ لوگ جو

تیرے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں اس کی وجہ سے غمگین نہ ہو اللہ نے بھائی کو بھائی سے ملا دیا سب غم غلط ہو گئے اللہ کی رحمت نے اور پھر ان کے حسد نے ہم کو اس منزل پر پہنچایا یہ وقت نہ رنج کا ہے اور نہ شکوہ اور شکایت کا ہے بلکہ حق تعالیٰ کے شکر کا وقت ہے۔ بنیامین نے جب یہ سُنا تو خوشی کی کوئی حد نہ رہی اور بزبانِ حال یہ کہنے لگے۔

آنچہ می بینم بہ بیداری است یارب یا بخواب ؛ خویشتن را درچنیں راحت پس ازچندیں عذاب

یوسف علیہ السّلام نے بنیامین کو تسلّی دی اور کہا کہ اب ہم تمہیں اپنے پاس رکھنے کی تدبیر کریں گے مگر اس میں ذرا تمہاری بدنامی ہوگی بنیامین نے کہا کچھ پرواہ نہیں پس جب یوسف علیہ السلام نے انکا سامانِ روانگی تیار کردیا تو پانی پینے کا برتن کہ وہی غلہ دینے کا پیمانہ بھی تھا اپنے بھائی کے سامان میں خود[1] رکھ دیا یا کسی رازدار خادم سے رکھوا دیا اور کسی کو خبر نہ ہوئی اور ظاہر یہ ہے کہ خود یوسف علیہ السّلام نے رکھا تاکہ کسی کو خبر نہ ہو اور وہ سب خوش و خرم غلہ لے کر روانہ ہوئے پھر جب وہاں سے روانہ ہوئے اور شہر سے باہر نکلے تو ایک پکارنے والے نے پکارا اے قافلہ والو! تم چور ہو چونکہ برادران یوسف علیہ السلام کا قیام خاص مہمان خانہ میں تھا جس میں شاہی پیمانہ رکھا ہوا تھا جب قافلہ روانہ ہو گیا تو کارپردازانِ مہمان خانہ نے سامان کی خبرگیری کی تو دیکھا کہ شاہی پیمانہ اپنی جگہ پر نہیں تو تلاشی شروع کی جب نہ ملا تو گمان یہ ہوا کہ اس مہمان خانہ میں سوائے اس قافلہ کے کوئی نہ تھا اس لیے منادی نے جاکر آواز دی۔

اے قافلہ والو!!! ٹھہرو ہمارے گمان میں تم چور معلوم ہوتے ہو بظاہر یہ منادی یوسف علیہ السلام کے حکم سے نہ تھی بلکہ مہمان خانہ کے خادموں کی طرف سے تھی جب انہوں نے مکان میں وہ پیالہ نہ دیکھا تو ان کا گمان یہ ہوا کہ اس مکان میں ان کے سوا کوئی نہ تھا اس لیے خدام نے اپنے گمان کے مطابق کہا ؛ اِنَّكُمْ لَسَارِقُوْنَ ؛ (دیکھو تفسیر کبیر[2] ص ۱۵۴ جلد ۵ و روح البیان[3] ص ۲۹۹ جلد ۴)

امام رازی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ آواز اور منادی یوسف علیہ السّلام کے حکم سے تھی تو یہ کلام بطریق توریہ اور اشارہ تھا اور مطلب یہ تھا کہ کوئی تو مال چراتا ہے اور چھپاتا ہے تاکہ آئندہ چل کر اس سے فائدہ اٹھاتے اور تم تو وہ ہو کہ جنہوں نے بیٹے کو باپ

---

[1] تفسیر قرطبی ص ۲۲۹ ج ۹ [2] قال الامامؒ الاقرب الیٰ ظاهر الحال انهم فعلوا ذالک من انفسهم لانهم لما طلبوا السقاية وماوجدوها وما كان هناك احد الاهم غلب علیٰ ظنونهم انهم هم الذين اخذوها (تفسیر کبیر ص ۱۵۴ جلد ۵) [3] ثم ان اصحاب يوسفؑ لما طلبوا السقاية وما وجدوها وما كان هناك احدٌ غير الذين ارتحلوا غلب علیٰ ظنهم انهم هم الذين اخذوها فنادى المنادى من بينهم على حسب ظنه اِنَّكُمْ لَسَارِقُوْنَ (روح البیان ص ۲۹۹ جلد ۴)

سے چرُالیا اور سے جا کر سستے داموں بیچ ڈالا ۔
اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اِنَّکُمْ لَسَارِقُوْنَ میں ہمزۂ استفہام مقدر ہے یعنی أئنکم لسارقون اور مطلب یہ ہے کہ کیا تم چور ہو یہ کلام بطور خبر نہ تھا بلکہ بطور استفہام تھا (تفسیر کبیر ص ۴ ۱۵ جلد ۵)
اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ سب اللہ کے حکم سے تھا لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْئَلُوْنَ اور حکمت اس میں یہ تھی کہ یوسف ؑ کے بعد بنیامین کی مفارقت سے یعقوب علیہ السّلام کے ابتلاء کی تکمیل ہو جائے ۔

(دیکھو تفسیر مظہری ص ۹۴ جلد ۵ اور تفسیر قرطبی ص ۲۳۵ جلد ۹)

القصہ جب یہ آواز یعنی اَیَّتُهَا الْعِیْرُ اِنَّکُمْ لَسَارِقُوْنَ یعقوب علیہ السّلام کے بیٹوں نے سنی تو گھبرا کر بولے اور ان تلاش کرنے والوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے تم نے کیا گم کیا ہے جس کو تم ڈھونڈھتے ہو تو تلاش کرنے والے بولے ہم بادشاہ کا پیالہ گم پاتے ہیں اس کو تلاش کرتے ہیں اور جو اس کو لا کر حاضر کرے اس کے لیے ایک بار شتر غلہ انعام ہے اور میں اس کے دلوانے کا ضامن اور کفیل ہوں غالبًا انعام کا یہ اعلان یوسف علیہ السّلام کے حکم سے ہوا ہو گا اہل قافلہ نے کہا اے لوگو بخدا تم جان چکے ہو کہ اس ملک میں ہم فساد کرنے نہیں آئے فقط قحط کی وجہ سے غلہ لینے کے لیے آئے ہیں ہماری حالت اور دیانت تم دیکھ چکے ہو اور ہم کبھی چور نہ تھے یہ انہوں نے اس لیے کہا کہ ان کی امانت و دیانت اہل مصر دیکھ چکے تھے کیونکہ بعض روایات میں آیا ہے کہ انہوں نے مصر میں داخل ہوتے وقت اپنے جانوروں کے منہ پر تو برے چڑھا دیئے تھے تاکہ کسی کے کھیت میں منہ نہ ڈال سکیں (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۲۳۴ جلد ۹)

اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اس قیمت کو جس کو انہوں نے اسباب میں پایا تھا واپس کر دیا تھا (واللہ اعلم بحال اسنادہ) القصہ جب منادی کرنے والوں نے دیکھا کہ باوجود اس تہدید و ملامت کے اور باوجود اس انعام اور کفالت کے کسی نے کوئی اقرار نہ کیا تو منادی کرنے والے بولے اچھا بتلاؤ اگر تم جھوٹے نکلے اور تم میں سے کسی کے سامان میں وہ مال برآمد ہوا تو اس کی کیا سزا ہو گی کہنے لگے ہماری شریعت میں اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں وہ مال برآمد ہو وہی شخص اس کی سزا ہے یعنی تم اس کو اپنا غلام بنا لینا ہم ظالموں کو یعنی چوروں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں یعنی ہماری شریعت میں چور کی سزا یہ ہے کہ چور کو اس شخص کے حوالہ کر دیا جاتا ہے جس کا مال اس نے چرایا ہو وہ سال بھر تک اس کا غلام رہتا ہے یوسف علیہ السلام بھی یہی چاہتے تھے تاکہ ان کے قول کے مطابق حجت قائم ہو اور یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو روک لیں اور بھائیوں کو عذر کی گنجائش نہ رہے انہوں نے خود اقرار کر لیا کہ شریعت ابراہیمی میں چور کی سزا یہ ہے

اس طرح اپنے اقرار سے خود پکڑے گئے جب یہ طے ہو گیا کہ چور کی سزا کا طریقہ یہ ہے تو قافلہ کو مصر واپس لاتے اور حضرت یوسفؑ کے سامنے ان کا مقدمہ پیش ہوا یوسف علیہ السلام نے تفتیش کا حکم دیا پس یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کی بوری سے پہلے دوسرے بھائیوں کی بوریوں کی تلاشی شروع کی اور پھر اخیر میں اپنے بھائی کی تلاشی لی اور اپنے بھائی کی بوری سے وہ پیمانہ نکال لیا اور شرط کے مطابق بنیامین کو غلام بنا لیا اس طرح سے ہم نے یوسف علیہ السلام کی خاطر بنیامین کے رکھنے کی یہ تدبیر کی کہ بھائیوں ہی کی زبان سے یہ نکلوا دیا کہ جس کے پاس سے مال برآمد ہو اس کو اپنا غلام بنا لو اس طرح وہ اپنے اقرار سے پکڑے گئے اور کوئی عذر نہ کر سکے اور وجہ اس تدبیر کی یہ تھی کہ یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو شاہی قانون کے مطابق نہیں لے سکتے تھے کیونکہ شاہی قانون میں چور کی سزا یہ نہ تھی کہ اس کو غلام بنا لیا جاتے بلکہ چور سے مال مسروقہ کی دوچند قیمت لی جاتی تھی اور یہ سزا یوسف علیہ السلام کے نزدیک پسندیدہ نہ تھی بہرحال یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو بادشاہ مصر کے قانون کے مطابق نہیں لے سکتے تھے مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے تو وہ جس صورت سے چاہے دلا سکتا ہے ہم جس کو چاہتے ہیں علم و حکمت دے کر اس کے درجے بلند کرتے ہیں جیسا کہ یوسفؑ کو علم اور معرفت عطا کر کے ان کو بلند کیا اور بھائی کو روکنے کا یہ حیلہ اور طریقہ ہم نے یوسفؑ کو بتایا اور ہر ذی علم کے اوپر ایک علم والا ہے یہاں تک کہ اس کی انتہاء اللہ تعالیٰ پر ہے لہٰذا کسی عالم کے لیے یہ زیبا نہیں کہ وہ اپنے علم پر ناز کرے ایک سے ایک بڑھ کر ہے وَاَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی۔

فائدۂ جلیلہ در تحقیق مسئلۂ جلیلہ

حق تعالیٰ کا یہ ارشاد جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ اس امر کی دلیل ہے کہ کسی جائز غرض کے حصول کیلئے حیلہ کرنا جائز ہے البتہ ابطالِ حق یا احقاقِ باطل کے لیے حیلہ ناجائز ہے اور یہی فقہائے حنفیہ کا مذہب ہے مضائق اور تنگی کے مواقع سے نکلنے کے لیے حضرات انبیاء سے توریہ کرنا ثابت ہے حضرت ابراہیمؑ کا توریہ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ قرآن کریم میں مذکور ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوات میں توریہ فرمانا اور اعداء اللہ کے قتل کرنے کے لیے صحابہ کو توریہ کی اجازت دینا کتب صحاح میں مذکور ہے حالانکہ توریہ بھی ایک قسم کا حیلہ ہی ہے فرق اتنا ہے کہ توریہ حیلۂ قولی ہے اور حیلہ میں فعل ہوتا ہے اور یوسف علیہ السلام کا یہ حیلہ یعنی بھائی کے سامان میں سقایہ کا رکھ دینا بظاہر حکمِ خداوندی سے تھا جیسا کہ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ صراحۃً اس پر دلالت کرتا ہے کہ یوسفؑ کا یہ کید اور یہ حیلہ بحکمِ خداوندی تھا اور اس کی مرضی کے مطابق تھا اور

اس کے بعد حق تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس قسم کا حیلہ اور کید وہی شخص کرتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص علم و معرفت عطا ہوا ہو اور ایسا علم موجب رفع درجات ہے اور قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو حکم دیا وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ یعنی اے ایوبؑ! تم اپنے ہاتھ میں سینکوں کا ایک مٹھا اٹھا لو اور اس سے مار لو اور قسم نہ توڑو" یہ بھی ایک قسم کا حیلہ تھا جس کا اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو حکم دیا ہے اور حضرت ابراہیمؑ نے اپنی بیوی کے متعلق فرمایا ھٰذِہٖ اُخْتِی یہ میری بہن ہے تاکہ کافر کے شر سے محفوظ رہیں معلوم ہوا کہ مضرت سے بچنے کے لیے حیلہ کا استعمال شرعاً محمود ہے اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے اور اس مقام پر حق جل شانہٗ نے یوسف علیہ السلام کے اس حیلہ کو بطریق استحسان ذکر فرمایا ہے۔

منجملہ افعالِ خداوندی کے کید اور مکر بھی ہے کما قال اللّٰہُ تعالیٰ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ۔ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ اور کید اور مکر کی حقیقت خفی ہے اور اللہ تعالیٰ مدبر السمٰوٰت والارض ہے بعض مرتبہ حق جل شانہٗ کسی حکمت کی بناء پر اپنے خاص بندوں پر اس قسم کے حیل اور مکائد اور تدابیر منکشف فرماتے ہیں جو بظاہر شریعت کے خلاف معلوم ہوتی ہیں مگر درحقیقت وہ عین حکمت اور عین مصلحت ہوتی ہیں جیسے خضر علیہ السلام کا کشتی کو توڑنا اور کم سن لڑکے کو قتل کرنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نظر میں محل تعجب ہوا مگر یہ تمام امور غیبی حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی تھے فقہاء حنفیہ نے جن حیلوں کی اجازت دی ہے وہ اسی قسم کے حیلے ہیں جن کو حق تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے اور اپنے پیغمبروں کو اس کا حکم دیا ہے باقی ایسا حیلہ جو کسی حکم قطعی سے گریز کے لیے کیا جائے (جیسے اصحاب سبت کا حیلہ) سو ایسا حیلہ فقہاءِ حنفیہ کے نزدیک قطعاً حرام ہے۔

القصہ جب بنیامین اس حیلہ اور تدبیر سے لے لیے گئے تو وہ سب بھائی بہت شرمندہ ہوئے اور غصہ میں آکر کہنے لگے کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں اس سے پہلے اس کا بھائی چوری کر چکا ہے ہم کو معلوم نہ تھا کہ یہ چوری کرے گا بالآخر یہ بھی اپنے بھائی کی طرح نکلا بھائیوں نے جو یوسف علیہ السلام کی طرف سرقہ کو منسوب کیا اس کے بارہ میں مفسرینؒ نے کئی قصے بیان کیے ہیں مجاہدؒ وغیرہ سے یہ منقول ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کی والدہ کا انتقال ہو گیا تو ان کی پھوپھی نے ان کو پالا وہ یوسف علیہ السلام سے بہت محبت کرتی تھیں جب یوسف علیہ السلام کسی قدر بڑے ہو گئے تو یعقوب علیہ السلام نے چاہا کہ یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس رکھیں پھوپھی نے جب ان کو رخصت کیا تو ان کے پاس اسحاق علیہ السلام کا ایک پٹکا تھا چھپا کر اس کو یوسف علیہ السلام کی کمر میں باندھ دیا پھر اس پٹکے کو ڈھونڈھنا شروع کیا اور

یہ ظاہر کیا کہ وہ پٹکا جو مجھ کو اسحاق ؑ سے وراثت میں ملا تھا وہ گم ہوگیا ہے تمام گھر والوں کی تلاشی لی آخر یوسف علیہ السّلام سے وہ پٹکا برآمد ہوا تو پھوپھی نے یعقوب علیہ السّلام سے کہا دیکھو یوسف ؑ نے میری چوری کی ہے لہٰذا دین ابراہیمی کے موافق اس کو میرے حوالہ کرو تاکہ ایک سال تک میں اس سے خدمت کرواؤں یعقوب علیہ السلام مجبور ہوتے اور ایک سال کے لیے انہیں یوسف ؑ کو اپنی بہن کے پاس چھوڑنا پڑا پس بنیامین کے معاملہ میں برادرانِ یوسف ؑ نے اسی قصّہ کی طرف اشارہ کیا (تفسیر قرطبی ص ۲۹۳ ج ۹)

اور بعض کہتے ہیں کہ یوسف علیہ السّلام نے اپنے نانا کا ایک بت چُرا کر توڑ ڈالا تھا اور کہتے ہیں کہ گھر کا کھانا چھپا کر فقیروں کو دے دیا کرتے تھے وغیرہ وغیرہ اس قسم کے تمام افعال محمود اور پسندیدہ ہیں ان میں سے کوئی فعل حقیقتاً سرقہ نہیں۔

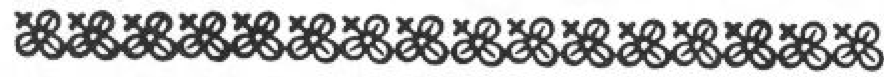
ابن انصاریؒ کہتے ہیں کہ یہ جتنے افعال ہیں ان میں کوئی بھی چوری نہیں ہاں ظاہر میں چوری کے مشابہ ہیں جب بھائیوں کو بنیامین کی چوری سے شرمندگی لاحق ہوئی تو غصّہ میں آکر یوسف علیہ السّلام کے اور افعال کو بھی سرقہ قرار دے دیا پس یوسف علیہ السّلام نے ان کی اس طعن آمیز بات کو دل میں چھپا یا ادران پر ظاہر نہ کیا ان کا یہ طعن آمیز لفظ سُن لیا مگر اس کا کوئی رد نہیں کیا زبان سے تو کچھ نہ کہا مگر دل میں یہ کہا تم بہت بدتر ہو اور خدا اس کی حقیقت سے خوب واقف ہے جو تم بیان کر رہے ہو چور تو تم خود ہو بیٹے کو باپ سے چرا کر بیچ ڈالا اور دوسروں کو چور کہتے ہو کوئی تو مال غائب کرتا ہے تم نے تو آدمی غائب کردیا تم غلط کہتے ہو نہ میں چور ہوں نہ میرا بھائی چور ہے اس کے بعد یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو اپنے لوگوں کے سپرد کردیا بھائیوں نے جب یہ دیکھا تو اب فکر ہوئی کہ جاکر باپ کو کیا جواب دیں گے تو منت وخوشامد کرنے لگے اور بولے اے عزیز مصر بنیامین کا ایک بہت بوڑھا باپ ہے اپنے بڑے بیٹے یوسف ؑ کے ہلاک ہونے کے بعد اس سے محبت رکھتا ہے اندیشہ ہے کہ وہ اِس غم میں مر نہ جائے پس آپ اس کے بوڑھے باپ پر رحم کیجئے اور اس کی بجائے ہم میں سے ایک کو لے لیجئے تحقیق ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں دیکھتے ہیں اور آپ سے احسان کی امید رکھتے ہیں بے شک چور کی سزا یہی ہے کہ اس کو روک لیا جائے لیکن ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ اس کو چھوڑ دیجئے اور اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو روک لیجئے آپ کا احسان ہوگا۔

یوسف علیہ السّلام نے کہا خدا کی پناہ! خدا بے انصافی سے بچائے کہ ہم اس شخص کے سوا جس کے پاس ہم نے اپنا مال پایا ہے کسی دوسرے شخص کو پکڑیں اگر ہم ایسا کریں تو ہمارے ظالم ہونے میں کوئی شک نہیں کہ جس کے پاس سے مال برآمد ہوا اس کو تو چھوڑ

دیں اور اس کی جگہ دوسرے کو بے وجہ پکڑ لیں تو تمہارے دین کے اعتبار سے بھی یہ صریح ظلم اور بے انصافی ہے جاننا چاہیئے کہ یوسف علیہ السلام کی یہ تمام کارروائی خداوند تعالیٰ کے حکم سے تھی بھائی کو روکنے کے لیے خدائے تعالیٰ نے یہ حیلہ بتلایا -

چوں طمع خواہد زمن سلطان دیں ؛ خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

اس لیے یوسف علیہ السّلام نے فرمایا کہ اگر میں اللہ کی وحی اور اس کے حکم کے خلاف کروں تو ظالم ٹھہروں اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی کے مجھ کو بنیا مین کے روکنے کا حکم دیا ہے میں اگر اس کو چھوڑ دوں اور اس کے بدلہ دوسرے کو لے لوں تو اللہ کے نزدیک ظالم ٹھہروں گا نبیؑ پر یہ فرض ہے کہ اپنی وحی اور الہام کا اتباع کرے اگرچہ بظاہر وہ شریعت کے خلاف نظر آئے جیسا کہ قرآن کریم میں حضرت خضر علیہ السّلام اور حضرت موسٰے علیہ السّلام کے قصّہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو افعال خضر علیہ السلام سے سرزد ہوتے ان میں اللہ کی مخفی حکمتیں تھیں اور خوب سمجھ لو کہ یہ حکم ان لوگوں کی وحی اور الہام کا ہے جن کا مقبولِ خداوندی ہونا کسی نصِ قطعی سے ثابت ہو چکا ہو اور اب قیامت تک کسی کا الہام کتاب و سنت کے خلاف حجّت تو کیا ہونا قابلِ التفات بھی نہیں



فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ

پھر جب نااُمید ہوئے اس سے اکیلے بیٹھے مصلحت کو

قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ

بولا ان میں کا بڑا تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ نے لیا ہے تم سے عہد

مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ

اللہ کا اور پہلے جو قصور کر چکے ہو یوسف کے حق میں

فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ

سو میں نہ سرکوں گا اس ملک سے جب تک کہ حکم دے مجھ کو باپ میرا یا فیصلہ

اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝۸۰ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ

چکاوے اللہ میری طرف اور وہ ہے سب سے بہتر چکانے والا پھر جاؤ اپنے باپ پاس

فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا
اور کہو، اے باپ تیرے بیٹے نے چوری کی اور ہم نے وہی کہا تھا جو ہم
بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَسْـَٔلِ
کو خبر تھی اور ہم کو غیب کی خبر یاد نہ تھی اور پوچھ لے
الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ
اس بستی سے جس میں ہم تھے اور اس قافلہ سے جس میں ہم آئے ہیں
وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ
اور ہم بے شک سچ کہتے ہیں. بولا کوئی نہیں! بنالی ہے تمہارے جی نے ایک
اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ
بات اب صبر ہی بن آوے شاید اللہ لے آوے میرے پاس ان
جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ
سب کو وہی ہے خبردار حکمتوں والا اور اُلٹا پھرا اُن کے پاس سے
وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰي يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ
اور بولا، اے افسوس یوسف پر اور سفید ہو گئیں آنکھیں اس کی
الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۸۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ
غم سے، سو وہ آپکو گھونٹ رہا تھا کہنے لگے قسم اللہ کی! تو نہ چھوڑے گا یاد
يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ
یوسف کی جب تک کہ گل جاوے یا ہو جاوے
الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى
مُردہ. بولا میں تو کھولتا ہوں اپنا احوال اور غم اللہ ہی

اللّٰهِ وَ اَعۡلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۶﴾ یٰبَنِیَّ

پاس اور جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے اے بیٹو!

اذۡهَبُوۡا فَتَحَسَّسُوۡا مِنۡ یُّوۡسُفَ وَ اَخِیۡهِ وَ لَا تَایۡـَٔسُوۡا

جاؤ اور تلاش کرو یوسف کی اور اس کے بھائی کی اور مت ناامید ہو

مِنۡ رَّوۡحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا یَایۡـَٔسُ مِنۡ رَّوۡحِ اللّٰهِ اِلَّا

اللہ کے فیض سے بے شک ناامید نہیں اللہ کے فیض سے مگر

الۡقَوۡمُ الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۸۷﴾

وہی لوگ جو منکر ہیں

بازگشتن برادران یوسف علیہ السّلام از سفر دوم

قال اللہ تعالیٰ فَلَمَّا اسۡتَایۡـَٔسُوۡا مِنۡهُ خَلَصُوۡا نَجِیًّا ... الیٰ .... اِلَّا الۡقَوۡمُ الۡکٰفِرُوۡنَ

(ربط) گزشتہ آیات میں برادران یوسف کی دوسری آمد کا ذکر تھا اب آئندہ آیات میں اس دوسرے سفر سے واپسی کا قصہ ذکر فرماتے ہیں پس جب برادران یوسف بنیامین کی رہائی کے بارہ میں یوسف علیہ السلام سے بالکل ناامید ہو گئے اور ان کے صاف جواب سے سمجھ گئے کہ اب وہ بنیامین کو ہمارے حوالہ نہ کریں گے تو علیحدہ ہو کر تنہائی میں باہم مشورہ کرنے لگے کہ کیا کرنا چاہیئے پس جو ان میں سے عقل یا عمر میں بڑا تھا اس نے یہ کہا کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے بنیامین کی محافظت کے بارہ میں تم سے اللہ کا عہد و پیمان لیا تھا اور اس سے پہلے یوسف کے بارہ میں تم جو کوتاہی کر چکے ہو وہ بھی تم کو معلوم ہے اب باپ کے سامنے کس منہ سے جائیں پس میں تو اب زمین مصر سے نہ نکلو گا یہاں تک کہ میرا باپ مجھ کو یہاں سے نکلنے کی اجازت دے یا اللہ تعالیٰ میرے لیے کوئی حکم فرمائے اور وہ سب سے بہتر حکم کرنے والا ہے سوائے بھائیو! تم مجھ کو تو یہاں چھوڑ و اور تم باپ کی طرف واپس جاؤ پھر کہو اے ہمارے باپ آپ کے بیٹے بنیامین نے چوری کی اس لئے ان کو وہاں روک لیا گیا اور ہم نہیں گواہی دیتے مگر اس چیز کی جس کو ہم نے مشاہدہ سے جانا اور سمجھا اور ہم غیب کے نگہبان نہیں ہم نے جو آپ سے محافظت کا عہد

کیا تھا اس وقت ہمیں یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ چوری کرے گا اگر ہمیں غیب کا علم ہوتا تو ہم اسے ساتھ نہ لے جاتے یا یہ معنی ہیں کہ ظاہر میں اس کی چوری ثابت ہوئی اور اس کے سامان سے پیمانہ برآمد ہوا یہ بھی ممکن ہے کہ کسی اور نے یہ پیمانہ اس کے سامان میں رکھ دیا ہو بہرحال ہم غیب دان نہیں اور اگر آپ کو ہماری بات کا یقین نہ آئے تو آپ کسی معتبر شخص کو بھیج کر بستی والوں سے دریافت کرالیں جو اس واقعہ کے وقت موجود تھے اور اس قافلہ سے بھی پوچھ لیں جس کے ساتھ ہم آئے تھے اور بے شک ہم اپنے قول میں سچے ہیں یعقوب علیہ السلام نے حال سن کر یہ فرمایا کہ بنیامین چوری میں ماخوذ نہیں ہوا بلکہ تمہارے دلوں نے کوئی بات بنائی ہے یعقوب علیہ السّلام نے بیٹوں کی بات کا اعتبار نہ کیا اور جس طرح پہلی بار بیٹوں نے آکر یہ کہا تھا کہ یوسفؑ کو تو بھیڑیا کھا گیا ہے تو اس وقت یعقوب علیہ السّلام نے یہ فرمایا تھا بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ اسی طرح جب دوسری بار بیٹوں نے آکر بنیامین کی چوری کا قصہ بیان کیا تو اس وقت بھی یعقوب علیہ السّلام نے یہی فرمایا بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا (ط) فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ اور بنیامین کے واقعہ کو بھی بیٹوں کی بنائی ہوئی بات قرار دیا حالانکہ بظاہر یہ بات ان کی بنائی ہوئی نہ تھی اور وہ بظاہر اپنی بات میں سچے تھے لیکن نبی کا کلام جھوٹ اور غلط نہیں ہوسکتا نبی کی زبان سے جو نکلتا ہے وہ حق اور صدق ہوتا ہے تو وجہ اس کی یہ ہے کہ اس وقت سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ کا خطاب سب بیٹوں کو ہے جن میں یوسفؑ بھی داخل ہیں اور یہ بات یوسفؑ کی بنائی ہوئی تھی حقیقت میں بنیامین چور نہ تھے تو یعقوبؑ کا یہ کلام بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا بالکل صدق اور حق ہے کہ اے بیٹو! یہ بات تمہاری بنائی ہوئی ہے اور اسکی کچھ اصل اور حقیقت نہیں حقیقت میں بنیامین نے چوری نہیں کی تم سب بھائیوں میں سے کسی کی بنائی ہوئی بات ہے اور بعض مفسرین کرامؒ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تم مجھ سے حفاظت کے عہد و پیمان کرکے بنیامین کو لے گئے تھے جب یہ واقعہ پیش آیا تو تم سے اتنا بھی نہ ہوا کہ یہ کہتے کہ اسباب میں سے یہ پیالہ برآمد ہونے سے چوری کیسے ثابت ہوگئی ممکن ہے کسی دوسرے شخص نے ان کے اسباب میں یہ پیالہ چھپا دیا ہو تم نے پیالہ برآمد ہوتے ہی چوری کا اقرار کرلیا اور خلافِ قانون بادشاہِ مصر کو شریعتِ ابراہیمی کا فتویٰ بتلا کر بھائی کو گرفتار کروا دیا اگر شریعتِ ابراہیمی کا فتویٰ ان کو نہ بتلاتے تو بھائی گرفتار نہ ہوتا بادشاہ کو کیا خبر تھی کہ شریعت ابراہیمی میں چور کی یہ سزا ہے تمہارے کہنے کے مطابق بادشاہ نے اس کو غلام بنا لیا تم اگر بادشاہ کو نہ بتلاتے تو بادشاہ اپنے قانون پر چلتا اور بنیامین کو نہ لے سکتا محض پیالہ کے برآمد ہوجانے سے تم نے چوری کو کیسے تسلیم کرلیا چوری کے ثبوت کے لیے ایسی شہادت اور دلیل چاہیئے جس میں کوئی شبہ نہ ہو چوری کے لیے یہ شرط ہے کہ مال مقام حرز و محفوظ سے نکالا گیا ہو اور مقام محفوظ سے نکالنا شہادت صحیحہ سے ثابت ہو جب چور کو سزا دی جا سکتی ہے بہرحال میرا خیال یہ ہے کہ بنیامین کی گرفتاری میں تمہاری تسویل نفس کو کچھ نہ کچھ ضرور دخل ہے سو خیر جو ہوا سو ہوا میرا چارۂ کار صبر جمیل

ہے مجھے امید ہے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تینوں بیٹوں کو میرے پاس لاتے گا یعنی یوسفؑ کو بنیامین کو اور اس تیسرے بیٹے کو جو مصر میں رہ گیا ہے اور شرم کی وجہ سے نہیں آیا۔

یہ بات یعقوب علیہ السّلام نے حسن ظن کی بناء پر کہی اللہ کی سنّت یہ ہے کہ عسر کے بعد یُسر عطا فرماتے ہیں نیز ان کو یقین تھا کہ یوسفؑ ابھی زندہ ہیں کیونکہ ابھی تک یوسف علیہ السّلام کے خواب کی تعبیر پوری نہیں ہوئی اور یوسفؑ کا خواب بلاشبہ صحیح ہے وہ ضرور واقع ہوکر رہے گا یوسفؑ کے رؤیائے صادقہ کا وقوع اور ظہور اس بات پر موقوف ہے کہ وہ ابھی صحیح وسالم زندہ ہوں اور وہ مع اپنے بھائیوں کے مجھے ملیں۔

القصہ یعقوب علیہ السّلام نے نور نبوت اور نور معرفت سے جانا کہ یوسفؑ ابھی زندہ ہیں اور نہایت ادب سے حق تعالیٰ سے یہ امید ظاہر کی کہ عنقریب اللہ تعالیٰ ان سب کو مجھ سے ملا دے گا بے شک اللہ تعالیٰ ہی علیم اور حکیم ہے جو کچھ اس نے میرے ساتھ اور یوسفؑ کے ساتھ کیا وہ سب علم اور حکمت کے ساتھ ہے اور یہ جواب دے کر شدّت رنج و غم سے ان کی طرف سے منہ موڑ لیا اور دوسری طرف منہ کر لیا اور اس تازہ غم سے یوسفؑ کا پرانا غم تازہ ہوگیا اور کہنے لگے ہائے افسوس یوسفؑ پر اور غم کی وجہ سے روتے روتے ان کی آنکھیں سفید ہوگئیں یا بے رونق ہوگئیں یوسف علیہ السلام کے فراق میں روتے روتے جس قدر بصارت گھٹتی جاتی تھی اسی قدر نورِ بصیرت میں زیادتی ہوتی جاتی تھی اور گریہ وزاری کی زیادتی سے لحظہ بلحظہ مراتب اور مدارج بلند اور برتر ہو رہے تھے پس وہ اندر ہی اندر گھٹے ہوتے اور خاموش تھے کسی مخلوق سے اپنے صدمہ کی شکایت نہیں کرتے تھے دل مُبارک رنج و غم سے بھرا ہوا تھا مگر ظاہر نہ کرتے تھے۔

شعر دردیست دریں سینہ کہ گفتن نتوانم ∴ ویں طرفہ کہ آں نیز نہفتن نتوانم

بیٹوں نے جب باپ کا یہ اضطراب دیکھا تو بولے اے باپ بخدا آپ تو ہمیشہ یوسف کو یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ تم ان کے غم میں گھل کر مرنے کے قریب ہو جاؤ گے یا بالکل مرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے یعقوب علیہ السّلام نے گھر والوں کے جواب میں یہ کہا میں تو اپنی بے قراری اور پریشانی کا اور رنج و غم کا شکوہ فقط اللہ ہی سے کرتا ہوں تم سے تو کچھ نہیں کہتا اور میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے میں خوب جانتا ہوں کہ یوسفؑ کا خواب سچا ہے یعنی مجھ کو یقین ہے کہ یوسفؑ ابھی مرا نہیں کیونکہ ابھی تک اس کا خواب پورا نہیں ہوا مجھے امید ہے کہ عنقریب یوسفؑ مجھ سے ملے گا اور جو خواب اللہ نے اس کو دکھلایا ہے حرف بحرف اس کو پورا کرے گا نیز مجھے معلوم ہے کہ اللہ مضطر کی دعا قبول کرتا ہے اور مجھے معلوم ہے کہ خدا اپنے دعا کرنے والے بندہ کو محروم اور خالی ہاتھ نہیں چھوڑتا شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں کیا تم مجھ کو صبر سکھاؤ گے بے صبر وہ ہے جو خالق کے بھیجے ہوئے درد کی مخلوق کے آگے شکایت کرے میں تو اس سے کہتا ہوں جس نے

مجھے درد دیا اور یہ بھی جانتا ہوں کہ یوسفؑ زندہ ہے ضرور ملے گا اور اس کا خواب پورا ہو کر رہے گا یہ مجھ پر آزمائش ہے دیکھوں کس حد پر پہنچ کر بس ہو (موضح القرآن)

بعد ازاں یعقوب علیہ السلام نے فرمایا اے میرے بیٹو! میں خوب جانتا ہوں کہ مسبب الاسباب وہی ہے لیکن اس کا حکم یہ ہے کہ اس عالم اسباب میں تدبیر ظاہری کو ترک نہ کرو اس لیے میں تم کو کہتا ہوں کہ ایک بار پھر مصر جاؤ اور یوسفؑ اور اس کے بھائی کا کھوج لگاؤ یعنی کوشش کرو جس سے یوسفؑ کا نشان ملے اور بنیامین کو رہائی ہو اور تیسرے بھائی کا ذکر شاید اس لیے نہیں کیا کہ جب بنیامین چھوٹ جائے گا تو وہ خواہ مخواہ کیوں مصر میں پڑا رہے گا اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اس کی رحمت سے امید رکھو کہ تمہاری سعی بار آور ہو گی بے شک خدا کی رحمت سے وہی لوگ ناامید ہوتے ہیں جو کافر ہیں حضرات انبیاء کرامؑ علم الٰہی سے وہ چیز جانتے ہیں جو دوسرے نہیں جانتے اسلیئے ابتداء میں چاہ کنعان میں تلاش کرنے کا حکم نہ دیا اور جب وقت آیا تو بالقاء الٰہی حکم دیا کہ مصر جا کر یوسفؑ اور اس کے بھائی کو تلاش کرو۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ

پھر جب داخل ہوئے اس کے پاس بولے اے عزیز!

مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ

پڑی ہے ہم پر اور ہمارے گھر پر سختی اور لائے ہیں ہم پونجی ناقص، سو

فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي

پوری دے ہم کو بھرتی اور خیرات کر ہم پر اللہ بدلہ دیتا ہے خیرات

الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ

کرنے والوں کو کہا کچھ خبر رکھتے ہو کہ کیا کیا تم نے یوسف سے

بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ

اور اس کے بھائی سے جب تم کو سمجھ نہ تھی بولے کیا سچ تو

لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۡ قَدْ

ہی ہے یوسف؟ کہا میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے اللہ

مَنَّ اللّٰہُ عَلَیۡنَا ؕ اِنَّہٗ مَنۡ یَّتَّقِ وَ یَصۡبِرۡ فَاِنَّ اللّٰہَ

نے احسان کیا ہم پر البتہ جو کوئی پرہیزگار ہو اور ثابت رہے تو اللہ

لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۹۰﴾ قَالُوۡا تَاللّٰہِ لَقَدۡ

نہیں کھوتا حق نیکی والوں کا بولے قسم ہے اللہ کی! البتہ

اٰثَرَکَ اللّٰہُ عَلَیۡنَا وَ اِنۡ کُنَّا لَخٰطِئِیۡنَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا

تجھ کو پسند رکھا اللہ نے ہم سے اور ہم تھے چوکنے والے کہا کچھ

تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ ؕ یَغۡفِرُ اللّٰہُ لَکُمۡ ۫ وَ ہُوَ اَرۡحَمُ

الزام نہیں تم پر آج بخشے اللہ تم کو اور وہ ہے سب مہربانوں

الرّٰحِمِیۡنَ ﴿۹۲﴾ اِذۡہَبُوۡا بِقَمِیۡصِیۡ ہٰذَا فَاَلۡقُوۡہُ عَلٰی

سے مہربان لے جاؤ یہ کرتہ میرا اور ڈالو منہ پر میرے باپ

وَجۡہِ اَبِیۡ یَاۡتِ بَصِیۡرًا ۚ وَ اۡتُوۡنِیۡ بِاَہۡلِکُمۡ

کے کہ چلا آوے آنکھوں سے دیکھتا اور لے آؤ میرے پاس گھر

اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۹۳﴾ ع

اپنا سارا

۱۰ ع ۱۴ ۴

بارسوم آمدن برادران یوسف علیہ السلام بحکم یعقوب علیہ السلام برائے تفحص یوسف و بنیامین

قال اللّٰہ تعالیٰ فَلَمَّا دَخَلُوۡا عَلَیۡہِ قَالُوۡا یٰۤاَیُّہَا الۡعَزِیۡزُ ..... الیٰ ..... وَاۡتُوۡنِیۡ بِاَہۡلِکُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ

(ربط) گزشتہ آیات میں یہ ذکر تھا کہ یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو تاکید اکید کی کہ خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہوں اور یوسف اور اس کے بھائی کی تلاش میں نکلیں چنانچہ یہ لوگ مصر روانہ ہوئے کہ اول تو اس بھائی کو لانے کی کوشش کریں جس کا نشان معلوم تھا اس کے بعد دوسرے بے نشان بھائی یعنی یوسف کی تلاش شروع کریں اب آئندہ آیات میں یہ ذکر کرتے ہیں کہ یہ لوگ یعقوب علیہ السلام

کی ہدایت کے مطابق پھر مصر روانہ ہوئے اور اناج کے لیے بھی کچھ خفیف سی بضاعت ساتھ لیتے گئے پس جب یہ لوگ یعقوب علیہ السّلام کے حکم کے مطابق مصر روانہ ہوئے اور یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو بولے اے عزیز مصر! ہم کو اور ہمارے گھر والوں کو قحط کی وجہ سے سخت تکلیف پہنچی ہے اس مرتبہ اے عزیز کے لفظ سے خطاب کیا جس کا مقصود یہ تھا کہ آپ ہماری شکستہ حالی پر رحم فرمائیں ہم قحط زدہ ہیں اور مصیبت میں مبتلا ہیں اور غلہ خریدنے کے لیے ہمارے پاس پوری قیمت نہیں اسلیئے ناقص اور ناقابل قبول پونجی لے کر حاضر ہوئے ہیں پس آپؑ مہربانی سے ہم کو پورا پیمانہ دے دیجئے اور ہماری ناقص پونجی کا خیال نہ کیجئے اور ہم مستحق نہیں لیکن آپؑ ہم کو خیرات سمجھ کر دے دیجئے تحقیق اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو اچھا بدلہ دیتا ہے یوسف علیہ السلام نے جب بھائیوں کی یہ نیازمندی اور دردمندی دیکھی تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ضبط نہ ہو سکا اور حق جل شانہٗ کی طرف سے اجازت ملی کہ اب اپنے آپ کو ظاہر کر دیں اب زمانہ مفارقت کا ختم ہوا چنانچہ یوسف علیہ السّلام نے فرمایا بھلا بتاؤ تم کو یاد ہے کہ جو تم نے یوسف اور اس کے بھائی سے برتاؤ کیا جب کہ تمہارا زمانہ جہالت کا تھا اس وقت تم کو بُرے بھلے کی خبر نہ تھی اس وقت تم جوش میں کر گزرے اور اب تم ہوش میں آرہے ہو یوسف علیہ السّلام نے اس طرح سے اپنے آپ کو ظاہر کیا کہ بھائیوں کو شرمندگی سے بچانے کے لیے ایک عذر بھی بیان کر دیا کہ تم سے نادانی کی حالت میں یہ بات سرزد ہوئی تم کو معلوم نہ تھا کہ یوسفؑ کا خواب اس طرح پورا ہو کر رہے گا بھائیوں نے جب یہ سنا تو فوراً یہ خیال آیا کہ یہ بولنے والا کہیں وہی یوسفؑ تو نہیں جس کو ہم نے مصری قافلہ کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا پھر یوسفؑ کی صورت اور شکل کی طرف نظر کی تو بولے کہ کیا یقیناً تو ہی یوسف (علیہ السلام) ہے یہ جمال اور کمال سوائے یوسفؑ کے کسی میں نہیں کیا تو ہی یوسفؑ ہے؟

فرمایا کہ ہاں میں یوسف ہی ہوں اور یہ بنیامین میرا حقیقی بھائی ہے ہم دونوں ایک جگہ جمع ہیں جن کے تجسّس اور تحسّس کے لیے بحکم پدر تم نکلے ہو بے شک اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا کہ دونوں کو جدائی کے بعد یکجا کر دیا اور ہماری مصیبت کو مبدّل بہ راحت کر دیا اور جس کو غلام بنا کر دراھم معدودہ میں فروخت کیا گیا تھا اللہ نے اسے مصر کی حکومت عطا کی بے شک خدا سے ڈرے اور مصائب پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ نیکوں کے ثواب کو ضائع نہیں کرتا بھائی بولے بخدا اللہ نے آپ کو ہم پر وہ فضیلت دی ہے جو ہمارے وہم وگمان میں بھی نہ تھی اور بے شک ہم خطاوار ہیں للّٰہ معاف کر دو یوسف علیہ السلام نے کہا آج تم پر کوئی ملامت نہیں میں کبھی اس بات کو زبان پر نہ لاؤں گا بہرحال میں نے تمہارا قصور معاف کر دیا اللہ بھی تمہارا قصور معاف کرے اور وہ تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے پس جب میں نے تم پر رحم کیا تو وہ کیوں رحم نہ کرے گا پھر یوسف علیہ السّلام نے ان سے اپنے باپ کا حال دریافت کیا انہوں نے کہا کہ روتے روتے ان کی آنکھیں جاتی رہیں

یہ سن کر اپنا پیراہن ان کو دیا اور کہا کہ میرا یہ کرتہ لے جاؤ اور اس کو میرے باپ کے منہ پر ڈال دو اور وہ بینا ہو کر میرے پاس آئیں گے اس کرتہ کے ڈالنے سے ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی اور ان کے ساتھ باقی سب گھر والوں کو بھی میرے پاس لے کر آؤ مطلب یہ ہے کہ بحالت موجودہ ہیں تو شام کا سفر نہیں کر سکتا تم جاؤ اور والدین کو اور سب اہل خانہ کو لے کر آؤ اور یہ سب بحکم الٰہی تھا اور اپنی قمیص دے کر یہ فرمانا کہ باپ کی آنکھوں کو لگا دینا یہ بھی بحکم خداوندی تھا اور من جانب اللہ معجزہ اور کرامت تھی کہ ایک نبی اور صدیق کے کرتہ کو چہرہ پر ڈال دینے سے بینائی واپس آگئی جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک اور لعاب دہن لگانے سے ایک صحابیؓ کی آنکھ درست ہو گئی اور بہت سے بیمار آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پھیرنے سے اچھے ہو گئے چنانچہ بھائی اس قمیص کو لے کر مصر سے کنعان کو روانہ ہوتے ۔

فائدہ غالباً یوسف علیہ السّلام نے اپنے اس حال کی اپنے باپ کو اس لیے اطلاع نہ دی ہو کہ بذریعہ وحی ان کو منع کر دیا گیا تھا کہ باپ کو اپنے مصر میں ہونے کی اطلاع نہ دیں تاکہ مزید گریہ و بکاء سے ان کے درجات اور بلند ہوں یا اس میں اللہ کی کوئی اور حکمت ہو۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ

اور جب جدا ہوا قافلہ کہا ان کے باپ نے میں

لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾ قَالُوْا

پاتا ہوں بو یوسف کی ، اگر نہ کہو کہ بوڑھا بہک گیا لوگ بولے

تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ

قسم اللہ کی! تو ہے اپنی اسی غلطی میں قدیم کی پھر جب پہنچا خوشخبری

الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ

والا ڈالا وہ کرتہ اس کے منہ پر ، تو الٹا پھر آنکھوں سے دیکھتا بولا

اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوْا

میں نے نہ کہا تھا تم کو ؟ میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے بولے

يَٰٓأَبَانَا ٱسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَآ إِنَّا كُنَّا خَٰطِـِٔينَ ﴿۹۷﴾

اے باپ! بخشوا ہمارے گناہوں کو، بے شک ہم تھے چوکنے والے

قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّىٓ ۖ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ﴿۹۸﴾

کہا، رہو بخشواؤں گا تم کو اپنے رب سے وہی ہے بخشنے والا مہربان

بازگشتن برادران یوسف علیہ السلام از سفر سوم و بشارت بردن

قال اللہ تعالیٰ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ .... اِلیٰ .... اِنَّهُ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝

(ربط) جب یوسف علیہ السّلام نے باپ کی بینائی کے لیے قمیص عطا کی اور کہا کہ سب اہل وعیال کو لے کر آؤ تو سب بھائی پیراہن یوسفی لے کر شاداں و فرحاں مصر سے کنعان کی طرف روانہ ہوتے اور جب قافلہ مصر سے کنعان روانہ ہوا یعنی مصر کی آبادی سے باہر نکل گیا تو یعقوب علیہ السّلام نے اپنے گھر والوں سے کہا جو اس وقت ان کے پاس تھے تحقیق میں یوسف ؑ کی بو محسوس کرتا ہوں اگر تم مجھ کو مخبوط الحواس نہ کہو کہ بڑھاپے کی وجہ سے بہک گیا اور بہکی ہوئی باتیں کر رہا ہے۔ جب تک خدا تعالیٰ کو ابتلاء منظور تھا اس وقت تک یوسف علیہ السلام کی کوئی خبر معلوم نہ تھی حالانکہ مصر کنعان سے بہت دور تھا مصر سے کنعان میں اور کنعان سے مصر میں ہمیشہ قافلے آتے جاتے رہتے تھے پھر جب خدا تعالیٰ کو ان کی مصیبت کا دور کرنا منظور ہوا تو باد صبا نے بحکم خداوندی خلاف عادت یوسف علیہ السلام کی بو حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا دی اور اتنی دور سے خوشبو کا پہنچنا بطور معجزہ اور خرق عادت تھا۔

اس سے ثابت ہوا کہ ہر ایک بات خدا کی قدرت میں ہے ادھر قافلہ یوسف علیہ السلام کی قمیص لے کر مصر سے نکلا اور ادھر اس کی خوشبو یعقوب علیہ السّلام کو محسوس ہونے لگی یہ یعقوب

ملے یہ تمام عبارت تفنید کے اصل معنی کی تشریح ہے جیسا کہ لغت میں مذکور ہے اہل علم کتب لغت کی مراجعت کریں ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ۔

علیہ السلام کا معجزہ تھا اور معجزہ نبی کا اختیاری فعل نہیں ہوتا کہ جب چاہے اس کو کر سکے بلکہ وہ اللہ کا فعل ہوتا ہے خدا جب چاہتا ہے جب اعجاز کا ظہور ہوتا ہے انبیاء کرامؑ ظاہر صورت کے اعتبار سے عام مخلوق سے ممتاز نہیں ہوتے اور جب کسی اعجاز کا ظہور ہوتا ہے تب ان کا امتیاز ظاہر ہوتا ہے اسی مضمون کو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے یوں ادا کیا ہے

یکے پرسیدازاں گم کردہ فرزند ؛ کہ اے عاقل گہر پیر خرد مند!!
زمصرش بوئے پیراہن شمیدی ؛ چرا درچاہ کنعانش نہ دیدی
بگفت احوال ما برقِ جہانست ؛ دمے پیدا و دیگر دم نہانست
گہے برطارم اعلیٰ نشینم! ما ؛ گہے برپشت پائے خود نہ بینم

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبویؐ میں خطبہ دے رہے تھے اور مجاہدین کا لشکر نہاوند میں مشغول جہاد تھا یکایک اثناء خطبہ میں فاروق اعظمؓ نے سردارِ لشکر ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز دی یا ساریۃ الجبل۔ اے ساریہ پہاڑ کے پیچھے دیکھ مقام نہاوند میں تمام لشکر نے حضرت عمرؓ کی آواز سنی یہ حضرت عمرؓ کی کرامت تھی کہ بلا اسباب ظاہری حضرت عمرؓ کی آواز مدینہ کے منبر سے نہاوند پہنچا دی ایسی کرامتوں کا ظہور کبھی کبھی ہوتا ہے ہمیشہ نہیں کیونکہ کرامت ولی کا اختیاری فعل نہیں بلکہ اللہ کا فعل ہے اسی طرح معجزہ بھی اللہ کا فعل ہے نبی کا فعل نہیں اس کا ظہور اللہ کے ارادہ اور مشیت پر موقوف ہے پس جو خدا اپنے مقبول بندہ کی آواز اتنی دور تک پہنچا سکتا ہے اور سنا سکتا ہے تو وہی خدا اپنے برگزیدہ بندہ کے پیراہن کی خوشبو کسی دوسرے برگزیدہ بندہ کو صدہا میل دور کے فاصلہ پر سونگھا سکتا ہے اور سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا مسخر تھی۔ وَ لِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ عَاصِفَۃً تَجْرِیْ بِاَمْرِہٖ۔ فَسَخَّرْنَا لَہُ الرِّیْحَ اِلیٰ آخر الآیات پس اگر اسی طرح کسی وقت بادِ صبا بحکم خداوندی کسی برگزیدہ صفت کے خلعت کی خوشبو کسی دوسرے برگزیدہ تک پہنچا دے تو کوئی محال نہیں اس کو قبول کرو اور اپنے وسوسوں سے اس کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہ کرو۔

الغرض جب یعقوب علیہ السلام نے یہ کہا کہ میں یوسفؑ کی خوشبو محسوس کرتا ہوں تو حاضرین مجلس بولے تحقیق آپ تو اپنی اسی پرانی گمراہی میں مبتلا ہیں کہ یوسفؑ ابھی زندہ ہیں اور آپ سے ملیں گے اسی خیال کے غلبہ سے آپ کو خوشبو کا وہم ہوگیا ہے ورنہ واقع میں کوئی خوشبو نہیں کیونکہ یوسفؑ کو مرے ہوئے ایک مدت ہوگئی پھر جب مصر سے بشارت دینے والا آیا تو اس نے آکر یہ خبر دی کہ یوسف علیہ السلام صحیح سالم زندہ ہیں اور انہوں نے یہ پیراہن دے کر مجھے بھیجا ہے تو اس بشیر نے اس کرتہ کو ان کے منہ پر ڈالا تو اسی وقت یعقوب علیہ السلام بینا ہوگئے اور پھر اس نے سارا ماجرا بیان کیا اس وقت یعقوب علیہ السلام نے گھر والوں سے کہا کیا میں نے تم سے نہیں

کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے یعنی مجھے تو اوّل ہی سے یقین تھا کہ یوسفؑ زندہ ہے اور ایک روز مجھے ضرور ملے گا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یعقوب علیہ السّلام نے اس بشارت دہندہ سے پوچھا کہ تو نے یوسفؑ کو کس حال میں چھوڑا اس نے کہا کہ میں نے اس حال میں چھوڑا کہ وہ مصر کا بادشاہ ہے یعقوب علیہ السّلام نے فرمایا بادشاہت سے مجھے کیا مطلب یہ بتلا کہ تو نے اسے کون سے دین پر چھوڑا اس نے کہا دین اسلام پر یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ اب نعمت پوری ہوئی (تفسیر قرطبی ص ۲۶۱ ج ۹)

یعقوب علیہ السّلام کا یہ جواب سن کر سارے بیٹے والد بزرگوار کے قدموں پر گرے اور بولے اے ہمارے باپ آپ خدا تعالیٰ سے ہمارے لیے دُعائے مغفرت کیجئے بے شک ہم خطا وار ہیں ہم نے یوسفؑ کے معاملہ میں آپ کو جو تکلیف پہنچائی اس پر نادم اور شرمسار ہیں یعقوب علیہ السلام نے فرمایا میں عنقریب تمہارے لئے دعائے مغفرت کروں گا بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے عنقریب سے مراد یہ ہے کہ سحر میں دعا کروں گا وہ وقت دعا کی قبولیت کا ہے بیٹوں کا مطلب یہ تھا کہ آپ خود ہی ہمارا قصور معاف فرما دیں اور خدائے تعالیٰ سے بھی دعائے مغفرت کریں حتیٰ کہ آپ کا دِل صاف ہو جائے اور قلب مبارک میں ہماری طرف سے کوئی کدورت باقی نہ رہے۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ

پھر جب داخل ہوئے یوسف پاس جگہ دی اپنے پاس

اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۹۹ؕ

اپنے ماں باپ کو اور کہا داخل ہو مصر میں اللہ نے چاہا تو خاطر جمع سے

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَ

اور اونچا بٹھایا اپنے ماں باپ کو تخت پر اور سب گرے اس کے آگے سجدے میں اور

قَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ز قَدْ

کہا اے باپ ! یہ بیان ہے میرے اس پہلے خواب کا اس کو

جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ

میرے رب نے سچ کیا ہے اور مجھ سے اس نے خوبی کی جب مجھ کو نکالا

مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ

قید سے ، اور تم کو لے آیا ہوں گاؤں سے ، بعد اس کے کہ

نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ

جھگڑا اُٹھایا شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں میرا رب تدبیر سے

لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

کرتا ہے جو چاہے بے شک وہی ہے خبردار حکمتوں والا

بارِ چہارم آمدن برادران یوسف علیہ السّلام مع والدین واہلِ خود

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ .... الى .... هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ

(ربط) بعد ازاں یعقوب علیہ السّلام اپنے سارے کنبے سمیت مصر کو روانہ ہوئے اور یوسف علیہ السلام خبر سُن کر مصر سے باہر استقبال کے لیے نکلے پس جب یعقوب علیہ السّلام مع خاندان کے یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو یوسف علیہ السّلام نے اپنے ماں باپ کو اس خیمہ میں جگہ دی جس کو ان کے استقبال کے لیے آراستہ کیا تھا اور پھر ملاقات سے فراغت کے بعد سب سے کہا اب انشاء اللہ امن اور اطمینان کے ساتھ اندرون مصر تشریف لے چلیئے اور پھر وہاں پہنچ کر اپنے والدین کو تخت شاہی پر بٹھایا اور اس پرشوکت منظر کو دیکھ کر سب پر یوسف علیہ السلام کی عظمت وجلال ایسی غالب آئی کہ سب کے سب سجدہ میں گر پڑے یہ سجدہ تعظیمی تھا جو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے چلا آرہا تھا اور حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے عہد تک جائز رہا اب شریعتِ محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم میں حرام اور ممنوع قرار دیا گیا والدین کا اور بھائیوں کا یہ سجدہ بطور تحیّت وسلام اور بطریق تعظیم واکرام تھا نہ کہ بطریق عبادت اس لیے کہ سجدۂ عبادت اللہ کے لیے مخصوص ہے اور سجدۂ تعظیمی پہلی شریعتوں میں غیر اللہ کے لیے جائز تھا اب ہماری شریعت میں اس کا جواز منسوخ ہو گیا اور "ابوین" جس کے معنی ماں باپ کے ہیں اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس سے حقیقی ماں باپ مراد ہیں یا باپ اور خالہ مراد ہیں اس لیے کہ بعض علماء کا قول یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ کی والدہ اس واقعہ سے پیشتر وفات پا چکی تھیں اور یعقوب علیہ السلام کے ساتھ سجدہ کرنے والی حضرت یوسفؑ کی خالہ تھیں اور خالہ بھی بمنزلہ ماں ہوتی ہے اور محمد بن اسحاقؒ اور ابن جریرؒ وغیرہم یہ کہتے ہیں کہ یہ

ان کی حقیقی ماں تھیں اس وقت وہ زندہ تھیں اور وہی ساتھ آئی تھیں اور کسی دلیل صحیح سے یہ ثابت نہیں کہ ان کی والدہ مرچکی تھیں اور ظاہر قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کے وقت ماں باپ دونوں زندہ تھے (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

اور جب سب یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ میں گر گئے تو یوسف علیہ السلام نے کہا اے میرے والد بزرگوار! یہ ہے میرے اس خواب کی تعبیر جو میں نے پہلے زمانہ میں دیکھا تھا تحقیق میرے پروردگار نے اس کو پورا کرکے دکھلایا خدا نے جو خواب دکھلایا اب اس کی تعبیر دکھلادی یہ سب میرے پروردگار کا فضل ہے اس میں میرا کوئی دخل نہیں اور یوسف علیہ السّلام نے یٰٓاَبَتِ سے صرف باپ کو خطاب کیا اور ماں کو خطاب نہ کیا کیونکہ ماں علم تعبیر کی عالم نہ تھیں علم تعبیر کے عالم صرف باپ تھے اس لیے کہا یٰٓاَبَتِ اے باپ یہ میرے خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے دیکھا اور جس کے ظہور کے آپ منتظر تھے اور نورِ نبوت سے آپ کو معلوم تھا کہ یہ خواب ضرور پورا ہوگا اللہ نے اس کو سچ کردیا اور یہ اسی کا فضل اور احسان ہے اور اس نے مجھ پر یہ احسان کیا کہ مجھے قید خانہ سے نکالا اور مجھ کو اس مرتبہ پر پہنچایا اور تم کو دیہات سے شہر میں لایا اور مجھ سے ملایا بعد اس کے کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان اختلاف ڈال دیا تھا حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانہ سے نکلنے کے احسان کا ذکر فرمایا اور کنوئیں سے نکلنے کے احسان کا ذکر نہ کیا تاکہ بھائی شرمندہ نہ ہوں اور ایک قسم کی معذرت بھی کردی کہ میرے اور بھائیوں کے درمیان جو جھگڑا پیدا ہوا وہ سب شیطان کا ڈالا ہوا تھا شیطان اگر درمیان میں نہ گھستا تو بھائی مجھ سے ہرگز نہ جھگڑتے سبحان اللہ کیا حسنِ خلق ہے کہ بے قصور ہیں اور شرمندہ ہو رہے ہیں نہ گزشتہ مصائب کا کوئی ذکر کیا اور نہ کوئی حرف شکایت زبان پر ہے بھائیوں کو معذور قرار دے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کے بیان میں مشغول ہیں بے شک میرا پروردگار جو چاہتا ہے اس کی عمدہ تدبیر کرتا ہے کام کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو اس کی لطف تدبیر سے سب آسان ہوجاتا ہے بے شک وہی علم والا اور حکمت والا ہے وہ ہر چیز کی مصلحت اور تدبیر کو جانتا ہے اور اس کا ہر فعل حکمت پر مبنی ہے چاہِ کنعان سے لے کر اس وقت تک چالیس سال گزرے اور قسم قسم کے ابتلا پیش آئے اللہ ہی کو ان کی حکمتیں اور مصلحتیں معلوم ہیں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اہل تاریخ کا بیان ہے کہ یعقوب علیہ السلام مصر میں یوسف علیہ السلام کے پاس ۲۴ برس تک نہایت خوش حالی اور فارغ البالی اور کمال عیش وعشرت کے ساتھ رہے جب ان کی وفات کا وقت آیا تو حضرت یوسف علیہ السلام کو وصیت کی کہ ان کے جسدِ مطہر کو شام کی مقدس زمین میں ان کے باپ اسحاق علیہ السلام کی قبر کے پاس دفن کرنا جب یعقوب علیہ السلام نے مصر میں وفات پائی تو یوسف علیہ السلام ان کی وصیت کے مطابق ساج کے ایک تابوت میں ان کے جسد کو رکھ کر شام لے

گئے جس روز شام پہنچے اتفاق سے اسی روز یعقوب علیہ السلام کے بھائی عیص نے انتقال کیا دونوں بھائی ایک ہی قبر میں دفن کیے گئے اور ایک ہی ساتھ دونوں پیدا ہوئے تھے اور ہر ایک کی عمر ایک سو سینتالیس (۱۴۷) برس ہوئی یوسف علیہ السلام اپنے باپ اور چچا کے دفن سے فارغ ہو کر مصر واپس آگئے (دیکھو تفسیر قرطبی صفحہ ۲۲۸ جلد ۹)

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِىْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِىْ مِنْ تَاْوِيْلِ

اے رب! تو نے دی مجھ کو کچھ حکومت، اور سکھایا مجھ کو کچھ پھیر

الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِىّٖ فِى

باتوں کا اے پیدا کرنے والے آسمان اور زمین کے! تو ہی ہے میرا کارساز

الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِىْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِىْ

دنیا میں اور آخرت میں موت دے مجھ کو اسلام پر اور ملا مجھ کو

بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾

نیک بختوں میں

خاتمہ قصہ بر دعائے یوسف علیہ السلام برائے خاتمہ بالخیر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِىْ مِنَ الْمُلْكِ ..... اِلٰى ..... وَّاَلْحِقْنِىْ بِالصّٰلِحِيْنَ ؁

(ربط) یوسف علیہ السلام باپ کے دفن کے بعد مصر واپس آگئے اور باپ کی وفات[1] کے بعد تیئیس ۲۳ سال زندہ رہے اور باپ اور چچا کی وفات کے بعد آخرت کا شوق غالب ہوا اور یہ دعا شروع کی اے میرے پروردگار تو نے مجھ کو دنیوی، دینی اور ظاہری اور باطنی نعمتوں سے نوازا ہے تو نے مجھے ملک مصر کی سلطنت عطا کی اور خوابوں کی تعبیر کا علم مجھ کو سکھایا اور نبوت اور صدیقیت عطا کی۔ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی میرا کارساز ہے دنیا اور آخرت میں پس جس طرح تو نے میری دنیا کو درست کیا

[1] دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۷۴ جلد ۵۔

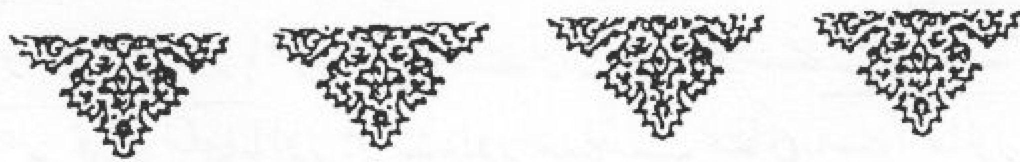
اسی طرح میری آخرت کو بھی درست فرما اور اسلام کی حالت میں مجھے موت دے یعنی اپنی اطاعت اور فرماں برداری کی حالت میں مجھے وفات دے اور مجھ کو نیک بختوں کے ساتھ ملا دے یعنی میرے آباء واجداد ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے ساتھ ملا دے اور انبیاء کے زمرے میں مجھے پہنچا دے۔ جاننا چاہیئے کہ یوسف علیہ السلام کی یہ دعا تمنائے موت نہ تھی کہ فی الحال مجھ کو موت آجائے بلکہ مطلب یہ تھا کہ جب وقت مقدر پر میری موت آئے تو وہ موت دین اسلام ہی پر آئے اور طوق صالحین مجھے میسر ہو بہر حال یہ دعا موت کی دعا نہیں بلکہ حسن خاتمہ کی دعا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے پروردگار جب مجھ کو موت آئے تو اسلام پر آئے اور تیری اطاعت اور فرماں برداری کی حالت میں مروں یہی دعا ہر مسلمان کو مانگنی چاہیئے حسن خاتمہ کے لیئے اس سے بڑھ کر کوئی دعا نہیں فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ

(آمین یا رب العالمین)

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ میں اکثر اسی دعا کا ورد رکھتا ہوں (دیکھو تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۱۷۶)

اہل سیر نے لکھا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو آپؑ نے فرمایا کہ ایک وقت آئے گا کہ بنی اسرائیل مصر سے نکلیں گے اس وقت میرا تابوت بھی اپنے ہمراہ لے جائیں گے۔

یوسف علیہ السلام نے ایک سو دس سال یا ایک سو سات سال کی عمر میں وفات پائی اور عزیز کی عورت کے بطن سے ان کے دو لڑکے پیدا ہوئے اور ایک لڑکی لڑکوں کے نام افرائیم اور میشا تھے اور لڑکی کا نام رحمت تھا جو حضرت ایوب علیہ السلام کے عقد میں آئی جب آپؑ نے وفات پائی تو اہل مصر نے آپؑ کے دفن کے متعلق اختلاف کیا ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ میرے محلہ میں دفن ہوں تاکہ ان کی برکات سے مستفیض ہوں بالآخر ان کو سنگ مرمر یا سفید پتھر کے صندوق میں رکھ کر دریائے نیل کے قریب دفن کر دیا گیا اور جب حسب وصیت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے تو حضرت یوسف علیہ السلام کا تابوت بھی ساتھ لے گئے اور شام میں لے جا کر ان کے آباء کرامؑ کے پہلو میں ان کو دفن کر دیا اور یوسف علیہ السلام کے وصال کے بعد سلطنت مصر حسب سابق فراعنۂ مصر کے ہاتھ میں منتقل ہو گئی یہاں تک کہ انہیں سلاطین مصر کے سلسلہ میں وہ فرعون ہوا جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھا۔



ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ

یہ خبریں ہیں غیب کی ہم بھیجتے ہیں تجھ کو اور تو نہ تھا

لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ ﴿١٠٢﴾ وَمَا
اُن کے پاس، جب ٹھہرانے لگے اپنا کام اور فریب کرنے لگے اور نہیں
أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٣﴾ وَمَا تَسْأَلُهُمْ
اکثر لوگ یقین لانے والے ، اگرچہ تو للچاوے اور تو مانگتا نہیں
عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ﴿١٠٤﴾ وَ
ان سے اس پر کچھ نیگ یہ تو اور کچھ نہیں مگر نصیحت سارے عالم کو اور
كَأَيِّن مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ
بہتیری نشانیاں ہیں آسمان اور زمین میں جن پر
عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ ﴿١٠٥﴾ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم
ہو نکلتے ہیں اور ان پر دھیان نہیں کرتے اور یقین نہیں لاتے بہت لوگ
بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ ﴿١٠٦﴾ أَفَأَمِنُوا أَن تَأْتِيَهُمْ
اللہ پر مگر ساتھ شریک بھی کرتے ہیں کیا نڈر ہوئے ہیں کہ آ ڈھانکے ان کو
غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللَّهِ أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ
ایک آفت اللہ کے عذاب کی یا آپہنچے قیامت
بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿١٠٧﴾ قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي
اچانک اور ان کو خبر نہ ہو کہہ یہ میری راہ ہے
أَدْعُو إِلَى اللَّهِ ۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي ۖ
بلاتا ہوں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر میں اور جو میرے ساتھ ہے
وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٠٨﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا
اور اللہ پاک ہے! اور میں نہیں شریک بتانے والا اور جتنے بھیجے

ع ۱۱/۱۱ ۵

مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰی ؕ
ہم نے تجھ سے پہلے، یہی مرد تھے کہ حکم بھیجتے تھے ہم ان کو بستیوں کے رہنے والے
اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ
سو کیا یہ لوگ نہیں پھرے ملک میں کہ دیکھیں کیسا ہوا آخر ان کا
عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ
جو ان سے پہلے تھے اور پچھلا گھر تو بہتر ہے
لِّلَّذِیْنَ اتَّقَوْا ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ حَتّٰۤی اِذَا اسْتَیْئَسَ
پرہیز والوں کو اب کیا تم نہیں بوجھتے یہاں تک کہ جب ناامید ہونے
الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ کُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ
لگے رسول اور خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا تھا پہنچی اُن کو مدد ہماری
فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا یُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ
پھر بچا دیا جن کو ہم نے چاہا اور پھیری نہیں جاتی آفت ہماری قوم
الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَقَدْ کَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی
گنہگار سے البتہ ان کے احوال سے، اپنا حال قیاس کرنا ہے عقل
الْاَلْبَابِ ؕ مَا کَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰی وَلٰکِنْ تَصْدِیْقَ
والوں کو کچھ بات بنائی ہوئی نہیں لیکن موافق اس کلام
الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَتَفْصِیْلَ کُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًی
کے جو اس سے پہلے ہے اور کھولنا ہر چیز کا اور راہ سمجھائی
وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ع
اور مہربانی ان لوگوں کو جو یقین لاتے ہیں

ع ۱۲ ۷ ۶

خاتمۂ سورت بر اثباتِ رسالت محمدیہ وتہدید منکرین وبیان حقانیت کتاب مبین

قال اللہ تعالیٰ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۤءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ... الیٰ ... وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ

(ربط) یہ سورت ان سائلین کے جواب میں نازل ہوئی جنہوں نے آپؐ سے بغرض امتحان یوسف علیہ السلام کا قصہ دریافت کیا تھا اب خاتمۂ سورت پر یہ بتلاتے ہیں کہ یہ قصہ آپؐ کی نبوت کی کس طرح دلیل بنا چنانچہ فرماتے ہیں یہ احسن القصص یعنی یوسف علیہ السلام کا قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جس کے علم کا سوائے وحی خداوندی کے کوئی ذریعہ نہیں ہم صرف وحی کے ذریعہ سے آپؐ کو یہ قصہ بتلاتے ہیں اور یہ آپؐ کی نبوت کی دلیل قاطع ہے کیونکہ آپؐ تو اُمی ہیں کتابیں پڑھنا نہیں جانتے اور نہ آپؐ نے یہ قصہ کسی سے سُنا ہے پس آپؐ کے پاس اس قصہ کے معلوم ہونے کا سوائے وحی الٰہی کے کوئی ذریعہ نہیں لہٰذا اس قصہ کو اس حسن ترتیب اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ بیان کرنا یہ آپؐ کا کھلا معجزہ ہے۔ اور آپؐ کی نبوت کی شافی اور کافی دلیل ہے اور اے نبی! آپؐ یوسفؑ کے بھائیوں کے پاس موجود نہ تھے جب وہ یوسفؑ کو کنوئیں میں ڈالنے کے متعلق پختہ ارادہ کر رہے تھے اور وہ اس کی تدبیریں کر رہے تھے پس آپؐ نے جب یہ واقعہ نہ خود دیکھا اور نہ کسی سے سنا تو معلوم ہوا کہ آپؐ صاحب وحی اور صاحب نبوت ہیں اور باوجود ان شواہد اور دلائل کے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں اگرچہ آپؐ کتنی ہی حرص کریں کہ وہ ایمان لے آئیں کیونکہ وہ اللہ کے علم میں ازلی شقی ٹھہر چکے ہیں یہود اور قریش نے امتحاناً آپؐ سے یہ قصہ دریافت کیا تھا آپؐ نے وحی الٰہی کی مدد سے اس کو صحیح صحیح بیان کر دیا اِس پر بھی ایمان نہ لائے تو آپؐ کو رنج ہُوا اور اے نبی! آپ ان سے اس تبلیغ اور نصیحت پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتے کہ اس کے نہ ملنے سے آپ کا نقصان ہونا یہ قرآن تو دنیا جہان کے لیے نصیحت ہے جس کا جی چاہے مانے اور جس کا جی چاہے نہ مانے یہ قرآن تو دلائل نبوت اور دلائل توحید سے بھرا پڑا ہے اگر نظر انصاف سے اس قرآن کو دیکھیں تو ان پر مبدا اور معاد سب منکشف ہو جائے اور آسمانوں اور زمین میں ہماری قدرت اور وحدانیت کی کتنی ہی نشانیاں موجود ہیں جن پر یہ لوگ گزرتے ہیں یعنی ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور وہ ان سے اعراض کرتے ہیں اگر ان کی طرف التفات کرتے تو ایمان لے آتے اور اکثر لوگ جو خدا کو مانتے بھی ہیں تو وہ اس طرح مانتے ہیں کہ دوسروں کو بھی خدا کے ساتھ شریک گردانتے ہیں ایسا ماننا نہ ماننے کے حکم میں ہے مطلب یہ ہے کہ نہ توحید کے قائل اور نہ رسالت کے قائل سو کیا یہ توحید و رسالت کے

منکر اس بات سے مطمئن ہو گئے ہیں کہ ان پر عذابِ خداوندی سے کوئی ایسی آفت آئے جو ان کو اپنے اندر چھپالے اور لحاف کی طرح انکو ہر طرف سے چھپالے یا ناگہاں ان پر قیامت کی گھڑی آجائے جسکے آنے کی پہلے سے انکو خبر بھی نہ ہو اے نبی! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ یہ دین اسلام اور توحید میری راہ ہے میں تم کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں بصیرت پر ہوں میں اور میرے پیرو یعنی میرے پاس ایسے دلائل ہیں کہ جن کو دیکھ کر دل کی آنکھیں کھل جائیں خلاصۂ کلام یہ ہے کہ میں تم کو ایک اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں مطلب یہ ہے کہ میں تم کو اپنا بندہ نہیں بناتا بلکہ خدا کی بندگی کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اگر کسی کو میری نبوت کے بارہ میں یہ شبہ ہو کہ نبی اور رسول تو فرشتہ ہونا چاہیئے تو یہ شبہ مہمل ہے اس لیئے کہ ہم نے آپ سے پہلے جس قدر رسول بھیجے وہ سب مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے کوئی فرشتہ نہیں تھا اور نہ کوئی عورت نبی بنا کر بھیجی گئی اور وہ انبیاء سابقین بستیوں کے رہنے والے تھے اصحاب علم اور فہم اور حلم تھے کیونکہ جنگل کے لوگ اکثر سخت دل اور تندخو اور جفا پیشہ ہوتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے بستی کے رہنے والوں کو نبی بنا کر بھیجا پھر دیکھ لو کہ ان کے جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بادیہ میں سے کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجا اور نہ عورتوں میں سے اور نہ جنات میں سے کسی کو رسول بنا کر بھیجا۔

(دیکھو تفسیر قرطبی ص ۲۷۴ جلد ۹)

سو کیا ان مشرکین نے ملک کی سیر نہیں کی کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے کہ ان منکرین اور مکذبین کا انجام کیسا خراب ہوا جو ان سے پہلے گزرے ہیں جب انہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو سب کے سب عذاب سے ہلاک ہوئے اس زمانہ کے کافروں کو چاہیئے کہ ان کے حال سے عبرت پکڑیں اور البتہ آخرت کا گھر بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو شرک اور معصیت سے بچتے ہیں۔

سو کیا تم نہیں سمجھتے کہ پہلی قومیں کس طرح ہلاک ہوئیں وجہ اس کی یہ ہوئی کہ ان لوگوں نے آخرت کی پرواہ نہ کی اور مال اور دولت کے نشہ میں خدا کے رسولوں کا مقابلہ کرتے رہے اللہ تعالیٰ حلیم وکریم ہے اس نے ان کو فوراً عذاب میں نہ پکڑا بلکہ ان کو لمبی لمبی مہلتیں دیں اور وہ جتنا کفر میں ترقی کرتے گئے اتنی ہی نعمتوں کے دروازے ان پر کھلتے گئے جس سے یہ منکرین بے فکر اور نڈر ہو گئے بالآخر ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا اور سب ہلاک و برباد ہوتے پس کفار عرب فی الحال عذاب کے نازل ہونے سے دھوکہ میں نہ پڑیں اگلی امتوں کو بھی اسی طرح طویل مہلتیں[1] دی گئیں۔

---

[1]: اشارہ اس طرف ہے کہ حَتّٰٓی اِذَا اسْتَایْـَٔسَ الرُّسُلُ میں لفظ حتّٰی فعل مقدر کی غایت ہے یعنی اُمْهِلُوْا مقدر کی غایت ہے اور تقدیر کلام اس طرح ہے لا یغرھم تمادھم فیما ھم فیه من الدعة والرخاء فانّ من قبلهم قد اُمهلوا حتی ییٔس الرسل من

باقی اگلے صفحہ پر

یہاں تک کہ جب مہلت کی مدت طویل ہوئی اور عذاب موعود کے نازل ہونے میں دیر ہوئی اور اندازہ اور تخمینہ کے مطابق عذاب نہ آیا تو پیغمبر مایوس ہونے لگے اور گمان کرنے لگے کہ ہم سے جو ہماری نصرت اور دشمنوں کی ہلاکت کا وعدہ کیا گیا تھا جو اب تک ہمارے اندازہ اور تخمینہ کے مطابق پورا نہیں ہوا شاید وہ عذاب ہماری زندگی میں نہ آوے بلکہ ہمارے پیچھے آوے یا ہماری کسی غلطی کی وجہ سے ہماری نصرت اور ہمارے دشمنوں کی ہلاکت کا وعدہ پورا نہیں کیا گیا۔ یا ہم سے وعدۂ الٰہی کے بارہ میں کوئی غلط فہمی ہوئی کہ ہم نے اپنے خیال سے نزولِ عذاب کا وقت مقرر کر لیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے جو نزولِ عذاب کا وعدہ کیا تھا وہ مطلق تھا اس میں کسی وقت اور زمانہ کی تعیین نہ تھی حضرات انبیاء نے اپنی رائے اور اجتہاد سے اور اپنے اندازہ اور تخمینہ سے نزول عذاب کا وقت متعین کر لیا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب دکھلایا گیا کہ آپؐ مکہ میں داخل ہو رہے ہیں خواب مطلق تھا اس میں کوئی وقت معین نہ تھا مگر آپ پر طوافِ کعبہ کا شوق غالب ہوا اس لیے آپؐ اسی سال عمرہ کی نیت سے روانہ ہوئے اور کامیاب نہ ہوئے اور اس خواب کی تعبیر سالِ آئندہ ظاہر ہوئی اس وقت تنبہ ہوا کہ وعدۂ خداوندی تو صدق اور حق تھا مگر ہم سے غلط فہمی ہوئی کہ ہم نے اپنے خیال سے اس کی مدت متعین کر لی کہ وہ وعدہ اسی سال پورا ہوگا حضرات انبیاء کرامؑ سے خطاء اجتہادی کا واقع ہونا عصمت کے منافی نہیں وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ میں اس کی تفصیل آئے گی غرض یہ کہ جب عذاب کے نازل ہونے میں دیر ہوئی اور انبیاء کرامؑ کے اندازہ اور تخمینہ کے مطابق عذاب نہ آیا تو انبیاءؑ یہ گمان کرنے لگے کہ وعدۂ عذاب کو جس رنگ میں ہم نے سمجھا تھا وہ صحیح نہ تھا تو جب رسولوں کی ناامیدی اور پریشانی اس حد کو پہنچ گئی تو اس وقت حسب وعدہ یکایک اور ناگہاں ان کو مدد پہنچی اور وہ مدد یہ آئی کہ کافروں پر عذاب آیا اور لوگوں پر پیغمبروں کا صدق ظاہر ہوا کہ انبیاءؑ نے جو نصرو ظفر کی خبر دی تھی وہ سچی تھی مطلب یہ ہے کہ خداوند کریم کی انبیاء و مرسلین اور اولیاء اور محبین کے ساتھ سنّتِ قدیمہ ہے کہ جب ابتلاء اور امتحان اس حد کو پہنچ جاتے کہ کلیجہ منہ کو آجاتے تب ان کو فتح اور ظفر کا منہ دکھلاتے ہیں اور ان کے دشمنوں

باقی صفحہ گذشتہ کا
النصر عليهم فى الدنيا اوْ من ايمانهم لانهماكهم فى الكفر وتماديهم فى الطغيان من غير وازع الخ (كذا فى روح المعانى ص ۶۲ جلد ۱۳ وروح البيان ص ۳۳۳ جلد ۴ وتفسير ابى السعود ۱۴) وقال السيوطى حتى غاية لما دل عليه وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا اى فتراخى نصرهم حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ . الخ۔

یعنی تاخیر کردیم و مہلت دادیم امم سابقہ را در عذاب تا زمانیکہ نومید شدند پیغمبران از ایمان ایشاں یا از نصرت برایشاں در دنیا گمان بردند۔ رسولاں الخ (دیکھو حاشیہ مثنوی مولانا روم طبع کانپور دفتر سوم ص ۱۷۵)

کو جوان کو برملا جھوٹا بتلا رہے تھے زیر و زبر اور تہ و بالا کرتے ہیں اس طرح سے اپنے دوستوں کی عزت اور دشمنوں کی ذلت کا تماشا دنیا کو دکھلاتے ہیں پھر اس عذاب سے جو کافروں پر نازل ہوا جس کو ہم نے چاہا بچا لیا گیا یعنی اہل ایمان عذاب سے محفوظ رہے اور ہمارا عذاب جب آتا ہے تو مجرموں سے ہٹایا نہیں جاتا بلکہ وہ ضرور واقع ہو کر رہتا ہے اس آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ دشمنوں پر عذاب نازل کرنے میں جلدی نہیں فرماتے بلکہ اِن کو مہلت دیتے ہیں اور اپنے دوستوں کو یعنی پیغمبروں کو اور ان کے پیروؤں کو طرح طرح کی بلاؤں اور مصیبتوں سے ہلاتے ہیں یہاں تک کہ جب ان کی تکلیف اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ ظاہری اسباب سے ناامید ہو کر اپنے پروردگار سے یہ عرض کرنے لگتے ہیں مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اے اللہ ہماری مدد اور دشمنوں پر ہماری فتح کب ہو گی تب حق تعالیٰ کی طرف سے بشارت آتی ہے اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزرا۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ؛ خلاصۂ کلام یہ کہ امتحان اور ابتلاء عظیم کے بعد اللہ کی مدد آتی ہے۔

زاں بلاہا کہ انبیاء برداشتند ⁂ سر بچرخ چار می افراشتند

ہر کہ در راہ محبت بیش تر ⁂ بر دل او بار محنت بیشتر

ف اس آیت میں جو لفظ کُذِبُوا واقع ہوا ہے اس میں دو قرآتیں ہیں ایک یہ کہ کذبوا کو تشدید ذال کے ساتھ پڑھا جائے جو تکذیب سے مشتق ہے اور دوسری قرآت یہ ہے کہ کُذِبوا کو تخفیف ذال کے ساتھ پڑھا جائے جو کذب سے مشتق ہے تشدید ذال کی قرآت میں آیت کے معنی واضح ہیں کہ تاخیر عذاب سے رسولوں کو یہ گمان ہوا کہ ان کی قوم اِن کی تکذیب کرے گی اور نزول عذاب کے وعدہ میں اِن کو جھوٹا بتلائے گی کہ تم جو ہم سے وعدہ کرتے تھے کہ کافروں پر عذاب نازل ہو گا وہ عذاب کہاں ہے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کافروں کو تو انبیاء کرامؑ کے جھوٹے ہونے کا یقین تھا اور کفار انبیاءؑ اور اہلِ ایمان کی ایذاء رسانی پر تلے ہوتے تھے جب اہل ایمان کو کفار سے اذیتیں پہنچیں تو انبیاءؑ نے ان سے نصرت کا وعدہ کیا لیکن جب نصرت الٰہی کے آنے میں تاخیر ہوئی تو انبیاء کرامؑ کو یہ اندیشہ اور خطرہ ہوا کہ کافر تو ہم کو پہلے ہی سے جھوٹا سمجھتے ہیں اور کاذب ہونے کا یقین رکھتے ہیں مبادا ہمارے مؤمنین اور متبعین بھی وعدۂ عذاب میں تاخیر ہونے کی وجہ سے ہم کو جھوٹا نہ سمجھنے لگیں اور جو لوگ ہم پر ایمان لائے ہیں وہ بھی کہیں پھسل نہ جائیں اور دین سے مرتد نہ ہو جائیں تو ایسے اضطراب کے وقت میں خدا کی مدد آپہنچی اور یہ سارے خیالات غلط ثابت ہوئے کذبِ وعدہ کا گمان معاذ اللہ رسولوں کو نہ تھا بلکہ منکرین اور اشقیاء کو تھا اور انبیاء کو اہل ایمان کے ارتداد کا خطرہ تھا رسولوں کو یہ خیال ہوا کہ مبادا اہل ایمان بھی ہماری طرف سے شک میں نہ پڑ جائیں۔

عائشہ صدیقہؓ اس (ذال) کو تشدید ذال کے ساتھ پڑھتی تھیں اور آیت کا یہ مطلب بیان فرماتی ہیں جو ہم نے ذکر کیا اور قرآتِ تخفیف کا انکار فرماتی تھیں اور اس کو عصمت انبیاء کے منافی سمجھتی تھیں۔

اور حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم لفظ کُذِبُوا کو تخفیف ذال کے ساتھ پڑھتے تھے اس قرآت پر بظاہر آیت کا یہ مطلب ہوگا کہ جب حسب وعدہ کافروں پر عذاب نازل ہونے سے رسول ناامید ہو گئے اور یہ گمان کرنے لگے کہ (معاذ اللہ) خدا کی طرف سے ان سے فتح وظفر اور غلبہ و نصرت کا جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا کہ نصر وظفر کے بارہ میں جو وحی ہم پر آئی تھی وہ کذب تھی اور ہم مکذوب ہیں اس قرآت کی بناء پر آیت کا یہ مطلب نہایت مشکل نظر آتا ہے اس لیے کہ حضرات انبیاء کرام ؑ کے نفوس قدسیہ اس سے پاک اور منزہ ہیں کہ ایک لمحہ کے لیے ان کے دل میں یہ خطرہ بھی گزرے کہ معاذ اللہ معاذ اللہ خدا نے ہم سے جھوٹا وعدہ کیا تھا یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ کا نبی اللہ کی وحی کو غلط اور جھوٹا جانے قطعًا ناممکن اور محال ہے اس اشکال کی بناء پر علماء محققین نے قرآتِ تخفیف کی مختلف تفسیریں کی ہیں۔

تفسیر اول بعض علماء اس طرف گئے ہیں وَظَنّوا اور انہم اور قد کذبوا کی تینوں ضمیریں رُسُل کی طرف راجع نہیں بلکہ تینوں ضمیریں بقرینۂ مقام مرسل الیہم یعنی قوم کی طرف راجع ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جب پیغمبر قوم کے ایمان لانے سے ناامید ہو گئے اور قوم کے لوگ یہ گمان کرنے لگے کہ انبیاء کرامؑ نے ہم کو جو عذاب کی دھمکیاں دی تھیں وہ سب ڈھکوسلے تھے اور صرف ہمارے ڈرانے کے لیے تھے اور پیغمبر جو اپنی نصرت اور ہماری ہلاکت کے وعدوں کا ذکر کرتے تھے اور جو یہ کہتے تھے کہ ہم پیغمبر ہیں اور اگر تم ہمارا کہنا نہ مانوگے تو تم پر عذاب آئے گا وہ سب جھوٹی باتیں تھیں جب نوبت بہ اینجا رسید تو اس ناامیدی کی حالت میں پیغمبروں کو ہماری مدد پہنچی اور لوگوں پر ظاہر ہوگیا کہ انبیاء کرامؑ صادق تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ نے یہ تفسیر اختیار فرمائی چنانچہ فرماتے ہیں "مہلت دادیم تا وقتیکہ ناامید شدند پیغمبران و گمان کردند قوم ایشاں کہ بدروغ وعدہ کردہ شد بایشاں آمد بایشاں نصرت" (فتح الرحمٰن) اور اسی طرح طبریؒ نے سعید بن جبیرؒ سے روایت کی ہے کہ کسی نے سعید بن جبیرؒ سے اس آیت کے معنی پوچھے تو کہا کہ ناامید ہوئے پیغمبر اپنی قوم سے کہ وہ ان کو سچا جانیں اور مرسل الیہم (یعنی قوم) نے گمان کیا کہ رسولوں نے ان سے جھوٹ کہا تھا یعنی تاخیر عذاب سے قوم کو یہ گمان ہوا کہ رسولوں نے ہم سے جھوٹ کہا تھا کہ عذاب آئے گا وہ عذاب اب تک تو آیا نہیں آخر کب آئے گا۔

(دیکھو روح المعانی ص ۶۴ جلد ۱۳)

تفسیر دوم اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ قرآت تخفیف میں ظنوا اور انہم اور قد کذبوا کی تینوں ضمیریں رُسُل کی طرف راجع ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جب وعدۂ عذاب کے ظہور میں دیر ہوئی تو انبیاء کرامؑ ناامید ہوئے اور یہ خیال کرنے لگے کہ شاید یہ عذاب ہماری زندگی

ہیں نہ آئے اور ہمارے بعد آئے اللہ کا وعدہ تو حق اور صدق ہے مگر مطلق ہے جس کی مدت اور وقت کی تعیین نہیں کہ وہ کب ہوگا لہٰذا ضروری نہیں کہ وہ نبی ہی کی زندگی میں پورا ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی کے بعد خلفاء اور جانشینوں کے ہاتھوں یہ وعدہ پورا ہو جیسے خلافت ارضی اور تمکین دین کا وعدہ حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلّم کے خلفاء کے ہاتھوں پر پورا ہوا اور حضرات انبیاء کرام ؑ کی ناامیدی ظاہری اسباب اور ظاہری حالات کی بناء پر تھی معاذ اللہ خدا کی رحمت کاملہ سے مایوسی اور ناامیدی نہ تھی حق جل شانہٗ کا معاملہ انبیاء ومرسلین اور ان کے احبّاء اور مخلصین کے ساتھ یہ ہے کہ مصائب کے پہاڑ ان پر نازل ہوتے ہیں حتیٰ کہ جب اسباب ظاہری سے وہ بالکل ناامید ہو جاتے ہیں اور سوائے حق تعالیٰ کی رحمت اور عنایت کے کسی چیز پر ان کی نظر نہیں رہتی تب اللہ کی طرف سے ان کو مدد پہنچتی ہے کما قال تعالیٰ وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ اس لیے اسی آیت میں یہ بیان کیا گیا کہ حق تعالیٰ کا معاملہ کافروں کے ساتھ یہ ہے کہ ان کو فوراً نہیں پکڑتے بلکہ ان کو اتنی مہلت اور ڈھیل دیتے ہیں کہ وہ خوب دل کھول کر کفر کر لیں اور اعلانیہ طور پر انبیاء ؑ کو جھوٹا بتلانے لگیں اور تکبّر اور غرور سے کودنے اور اچھلنے لگیں اس طرح سے ادھر تو جرم کا پیمانہ لبریز ہو جاتے اور ادھر انبیاء کرام ؑ کے ابتلاء کی منزلیں پوری ہو جائیں حتیٰ کہ انبیاء ومرسلین انتظار کرتے کرتے تھک جانے ہیں اور ناامید ہو جاتے ہیں گویا کہ یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ ہم سے نصر وظفر کا وعدہ غلط کیا گیا یعنی یہ کلام بطور تشبیہ وتمثیل ہے بطور مبالغہ ایسا کہا گیا کہ عذاب میں اتنی تاخیر ہوئی کہ یہ گمان ہونے لگا کہ وہ وعدہ غلط تھا تو اس پریشانی اور بے سروسامانی کی حالت میں ناگاہ رسولوں کو ہماری مدد پہنچی اور ان سے نصرت اور مدد کا جو وعدہ کیا تھا وہ اس وقت پورا ہوا اور ان کو اور ان کے متبعین کو نجات دی اور ان کے دشمنوں کو تباہ اور برباد کیا دیکھ لو کہ اللہ کے وعدے اس طرح پورے ہوتے ہیں لہٰذا کفّار مکہ کو چاہیئے کہ امم سابقہ کے واقعات سے عبرت پکڑیں اور تاخیر عذاب سے دھوکہ میں نہ پڑیں پہلی قوموں کو بھی اس قسم کی مہلتیں مل چکی ہیں اور اتنی طویل مہلتیں ملیں کہ رسول بھی ناامید ہو گئے تب یکایک اللہ کا قہر نازل ہوا اور کفار مغلوب اور مقہور ہوئے اور رسول مظفر و منصور ہوئے ۔

قال الترمذی الحکیم وجهه	حکیم ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ رسولوں کی ناامیدی
عندنا ان الرسل کانت تخاف	اور گمان کی وجہ ہمارے نزدیک یہ ہے
بعد ما وعد الله النصر لا من	کہ اللہ کے وعدہ کے بعد معاذ اللہ انبیاء
تهمة لوعد الله ولکن	کو یہ ڈر نہ تھا کہ خدا کا وعدہ پورا نہ ہوگا اور
لتهمة النفوس ان تکون	نہ معاذ اللہ رسولوں کو حق تعالیٰ کی طرف سے
قد احدثت حدثا ینقض ذلك	کوئی بدگمانی تھی بلکہ انبیاء کرام کو اپنے نفسوں

الشرط والعهدِ الذی عهد الیھم وکانت اذا طالتِ المدۃ دخلھم الایاس والظنون من ھٰذا الوجہ (تفسیر قرطبی ص ۲۷۶ جلد۹)

کی طرف سے بدگمانی تھی کہ خدانخواستہ ہماری جانب سے کوئی ایسی بات سرزد تو نہیں ہوگئی کہ جو اس وعدہ کے منافی اور مناقض ہو اور وعدۂ خداوندی جس شرط کے ساتھ مشروط ہو خدانخواستہ ہم سے بر بنائے غفلت اس شرط کی خلاف ورزی نہ ہوگئی ہو جب شرط پوری نہ ہوگی تو اس وعدہ کا پورا ہونا بھی ضروری نہ ہوگا جو اس شرط کے ساتھ مشروط ہو پس جب وعدۂ خداوندی کی مدّت طویل ہو جاتی ہے تو انبیاء کرام کو اس راہ سے یعنی نفس کی راہ سے ناامیدی اور بدگمانی لاحق ہوتی ہے نہ کہ خدائے تعالیٰ کی جانب سے۔

پس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ کافروں کو اتنی طویل مہلت اور لمبی ڈھیل ملی کہ رسول عذاب کے آنے سے ناامید ہوتے لگے اور ان کو یہ گمان ہونے لگا کہ ہماری کسی لغزش اور خطا کی بناء پر وعدہ پورا نہیں کیا گیا شاید کہ ہم سے ان امور کی بجا آوری میں کہ جو ایفاءِ وعدہ کے لیے شرط تھے کوئی کوتاہی واقع ہوئی ہے اسلئے وعدہ پورا نہیں کیا گیا لہٰذا کُذِبُوا کے معنی یہ نہیں کہ پیغمبروں سے جھوٹ کہا گیا بلکہ معنی یہ ہیں کہ وعدہ پورا نہیں کیا گیا جیسا کہ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَاعَاھَدُوا اللّٰہَ عَلَیْہِ میں صدق وعدہ سے ایفائے وعدہ اور ایفائے عہد مراد ہے اسی طرح کذب سے جو صدق کی نقیض ہے اس سے مراد یہ ہوگی کہ وعدہ پورا نہیں کیا گیا جس کی وجہ یہ نہیں کہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ وعدہ خلافی کرتا ہے فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ مُخْلِفَ وَعْدِہٖ رُسُلَہٗ — اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ:

بلکہ وجہ یہ ہے کہ ہمارے نفس کی کسی غلطی اور کوتاہی کی وجہ سے وعدہ پورا نہیں کیا گیا پس اگر کوئی شخص یہ گمان کرے کہ میرے نفس کی تقصیر کی وجہ سے وعدۂ خداوندی روک لیا گیا تو اس میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں

یا یوں کہو کہ اس ہوشربا پریشانی میں اس گمان کے قریب قریب پہنچ گئے جیسے کہا جاتا ہے بلغت المنزل میں منزل کو پہنچ گیا یعنی پہنچنے کے قریب ہوگیا (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۲۷۶ جلد۹)

اور یا پھر یوں کہو کہ وَظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ قَدْ کُذِبُوْا، کا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ خدا نے ان سے جھوٹا وعدہ کیا تھا بلکہ کذب سے کذب رجاء مراد ہے یعنی جب ان کی امید کے مطابق عذاب نہ آیا تو گمان کیا کہ ہماری امید غلط نکلی اور لفظ کذب بمعنی خطاء اور غلطی بکثرت شائع ہے جیسے مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی میں کذب سے خطا اور غلطی کے معنی مراد ہیں (دیکھو تفسیر ابو السعود ص ۲۵۴ جلد۵ برحاشیہ تفسیر کبیر)

تفسیر سوم

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ آیت حَتّٰٓی اِذَا اسْتَايْـَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ قَدْ کُذِبُوْا جَاۗءَھُمْ نَصْرُنَا۔ کے بظاہر یہ معنی ہیں یہاں تک کہ جب رسولوں کو ناامیدی ہونے لگی اور وہ یہ خیال کرنے لگے کہ ان سے جو کچھ امداد کے بارہ میں خدا

کی طرف سے وعدہ وعید تھے وہ سب جھوٹے تھے اس وقت ہماری مدد آپہنچی یہ تو ظاہری اور سرسری مطلب ہوا مگر سب اہل ایمان جانتے ہیں کہ انبیاءؑ کی شان سے بہت بعید ہے کہ وہ نا امید ہوں خود اسی سورت میں ہے اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ، سو جاننا چاہیئے کہ حضرات انبیاء کو تہ دل سے یقین تھا کہ وعدھائے الٰہی صادق اور برحق ہیں ایک نہ ایک روز بے شک امداد الٰہی ضرور آنے والی ہے لیکن بمقتضائے بشریت قلب میں اضطراب اور پریشانی کا آنا یہ منافی عصمت نہیں حق تعالیٰ نے اس غیر اختیاری پریشانی کو بطور شکایت اس طرح بیان فرمایا کہ کیا تمہارا گمان اور خیال تھا کہ ہم نے جو تم سے نصرت کے وعدے کیے ہیں وہ سچے نہیں یعنی جب ہم تمہارے معین اور مددگار ہیں اور ہم تم سے وعدہ کر چکے ہیں اور ہماری نظر عنایت ہر وقت تمہارے ساتھ ہے تو پھر یہ اضطراب اور پریشانی کیسی بر عایتِ ظاہر و بطور مبالغہ اس قسم کی پریشانی اور بے قراری بمقتضائے بشریت بے چینی اور بے تابی کو مجازًا لفظ ظن اور لفظ یأس سے تعبیر فرمایا (دیکھو ہدیۃ الشیعہ ص ۳۳۲)۔

اور قرآن کریم میں ہے اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ اور حدیث میں ہے نحن احق بالشک من ابراہیم سو اس جگہ شک اور ظن کے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ مجازی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ بمقتضائے بشریت حضرات انبیاءؑ کو جو اضطراب پیش آیا تو اس اضطراب کو ظن اور شک سے تعبیر کر دیا گیا اس لیے کہ اضطرابی حالت شک اور تردد کے مشابہ ہوتی ہے اور بظاہر ایسا نظر آتا ہے کہ گویا کہ مضطرب، شک اور گمان میں پڑا ہوا ہے عارف رومی قدس سرہٗ السامی فرماتے ہیں۔

ہیں بخواں استیأس الرسل ای عمو ۔۔ تا بہ ظنوا انہم قد کذبوا !!
ایں قرأت خواں بہ تخفیف کذب ۔۔ ایں بود کہ خویش بیند محتجب
درگماں افتاد جان انبیاء ۔۔ ز اتفاق منکری اشقیاء

(دیکھو مثنوی مولانا روم۔ دفتر سوم ص ۱۷۵ جلد ۳ مع حاشیہ وشرح بحر العلوم ص ۹۰ جلد ۲)

حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنی ایک کتاب میں لکھتے ہیں مولوی (معنوی) قرآت ابن عباسؓ اختیاری کنند توجیہ می فرمایند کہ احوال انبیاء مختلف است در بعض اوقات رفع حجاب می شود و احوال بندہ برأی العین می بینند و در بعض اوقات حجاب بشریت مانع می گردد و از حالت رأی العین فرود می آیند وضیق خاطر و اضطراب بشریت روی دہد ہمیں حالت احتجاب را بطریق مجاز بظن تعبیر واقع شد خلاصۂ کلام آنکہ لفظ ظن و شک درآیت وحدیث اینجا مجاز است بمعنی آں کہ خاطر ایشاں ـــــــــ بحسب جبلت بشریت مضطرب شد مانند اضطراب شک کنندہ در حقیقت وحی یا مانند اضطراب کنندہ کذب وحی (کلمات طیبات ص ۱۶۷)

خلاصۂ کلام یہ کہ تشدید ذال یعنی قد کُذِّبُوْا کی قراءت میں تینوں ضمیریں یعنی وظنوا، انہم۔ کذبوا کے ضمائر رسل کی طرف راجع ہیں اور مطلب آیت کا واضح ہے اور تخفیف ذال یعنی قد کذبوا کی قرآت میں اشکال

ہے جس کی تفسیر میں دو قول نقل کیے ایک یہ کہ تینوں ضمیریں رسل کی طرف راجع ہیں اس صورت میں شدید اشکال ہے جس کے حل کے لیے علماء ربانیین کی تفسیریں ناظرین کے سامنے کردی گئیں انشاء اللہ تعالیٰ وہ شافی اور کافی ہیں اس جگہ ایک تیسرا قول اور بھی ہے وہ یہ کہ ظنوا کی ضمیر تو قوم کی طرف راجع ہے اور انھم اور قد کذبوا کی ضمیریں رسل کی طرف راجع ہیں اور مطلب یہ ہے کہ قوم نے یہ گمان کیا کہ رسل سے جھوٹا وعدہ کیا گیا اور اس بارہ میں پیغمبروں پر جو وحی آئی وہ جھوٹ تھی یہ کافروں کا گمان تھا اس وقت اللہ نے اپنے رسولوں کی مدد کی جس سے ظاہر ہو گیا کہ انبیاء کی وحی سچی تھی اور ان کا گمان جھوٹا تھا۔

(دیکھو حاشیہ مثنوی مولینا روم ص ۱۷۵ دفتر سوم) ۱؎

ایک اور قرآت شاذہ سے اس معنی کی تائید ہوتی ہے اس لیے کہ مجاہدؒ اور حمیدؒ کے قرآت میں - وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كَذَبُوْا بصیغہ معلوم آیا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ قوم نے یہ گمان کیا کہ رسولوں نے ان سے جھوٹ بولا (دیکھو تفسیر ۲؎ قرطبی ص ۲۷۶ جلد ۹ و روح المعانی ص ۶۴ جلد ۱۳)

البتہ یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے قصہ میں یا انبیاء سابقین اور امم سابقہ کے قصوں میں عبرت اور نصیحت ہے ان عقل مندوں کے لیے جن کی عقل خالص ہے اہل عقل کو چاہیئے کہ اس قصہ سے عبرت پکڑیں کہ جس طرح یوسفؑ کے بھائی یوسفؑ کے مقابلہ میں ناکام رہے اسی طرح قریش محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ناکام رہیں گے یا یہ مطلب ہے کہ امم سابقہ کے قصوں میں سے عبرت حاصل کریں کہ اطاعت اور معصیت کا کیا انجام ہوتا ہے جس کی عقل خالص ہوتی ہے وہی ان واقعات سے عبرت پکڑتا ہے

دلے در باید اسرار معانی ✽ کہ روشن شد بنور جاودانی

نہیں ہے یہ قرآن جس میں یہ عبرت انگیز قصے مذکور ہیں کوئی بنائی ہوئی بات یعنی یہ کتاب کوئی ناول یا افسانہ نہیں بلکہ کتاب ہدایت اور درس معرفت ہے جس سے اہل بصیرت کو سبق حاصل کرنا چاہیئے یہ اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے کسی بشر کی بنائی ہوئی نہیں بلکہ ان کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے کی ہیں اور یہ اس کی حقانیت اور صداقت کی دلیل ہے کیونکہ یہ کتاب بذاتہ معجزہ ہے اور کتب سابقہ

۱؎ واگر ضمیر ظنوا عائد بر قوم بود و ضمیر انھم قد کذبوا عائد بر پیغمبران باشد معنی چنیں آید کہ گمان بردند قوم کہ پیغمبران مکذوب شدند یعنی کسیکہ وحی آوردہ پیغمبران بر دروغ کردہ پس نجات دادہ شد کسے کہ خواستیم و بازگردانید نمی شود عذاب ما چوں نازل شود از قوم مجرماں (حاشیہ مثنوی مولینا روم طبع کانپور ص ۱۷۵ دفتر سوم)

۲؎ قال الامام القرطبی وقرء مجاہد وحمید قد كَذَبُوا بفتح الكاف والذال مخففا علی معنی وظن قوم ان الرسول قد كَذَبُوا تفسیر قرطبی ص ۲۷۶ جلد ۹ وقال ابن الجوزی والمعنی (علی ھٰذا القرآۃ) ظن قومھم ایضا انھم قد کذبوا قال الزجاج (زاد المسیر ص ۲۹۶ جلد ۴)

معجزہ نہ تھیں ان کو شہادت اور تصدیق کی ضرورت نہ تھی اور جو شئے خود حجت اور دلیل ہو اس کو کسی دلیل کی حاجت نہیں اور یہ کتاب تمام امور دین کی تفصیل کرنے والی ہے مبداء اور معاد حلال اور حرام اور حدود اور احکام اور مواعظ اور امثال وغیرہ جملہ ضروری امور کی اس میں تفصیل موجود ہے اور مؤمنوں کے لیے ذریعۂ ہدایت اور رحمت ہے پس ایسی کتاب کے کلمات کی تلاوت اور اس کے معنی سے عبرت حاصل کرنا اہل عقل کیلئے ضروری ہے اللّٰھُمّ اجعلنا من اھل الھُدیٰ والرحمۃ فانك اہل التقویٰ وَالمُغفرۃ آمین یا رَبَّ العٰلَمِیْنَ ٥

الحمد للہ آج بروز شنبہ دہم رجب الحرام ۱۳۸۸ھ ہجری کو غروب آفتاب سے کچھ پہلے سورۃ یوسف کی تفسیر سے فراغت ہوئی ۔ فللہ الحمد والمنۃ

تفسیر سورۃ رعد

اس سورت میں چونکہ رعد کا ذکر ہے اس لیے "سورت رعد" کے نام سے موسوم و مشہور ہوئی اور یہ سورت مکی ہے ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اور بعض کا قول ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور اس سورت میں تینتالیس آیتیں ہیں اور بقول بعض چوالیس یا پینتالیس یا چھیالیس آیتیں ہیں اور چھ رکوع ہیں ۔

(ربط سورت) گذشتہ سورت کے شروع میں قرآن حکیم کی حقانیت کا بیان تھا اور اخیر سورت میں وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں اجمالی طور پر دلائل الوہیت و وحدانیت اور عجائب قدرت کی طرف اشارہ تھا اس لیے اس سورت کا آغاز بھی حقانیت قرآن سے فرمایا اور اس کے بعد قدرے تفصیل کے ساتھ دلائل الوہیت و وحدانیت اور عجائب قدرت کو ذکر کیا بعد ازاں اثبات معاد فرمایا اور پھر منکرین نبوت کے چند شبہات کا جواب دیا غرض یہ کہ اس سورت میں انہی تین مضامین کا ذکر ہے اور ان کا باہمی ربط ظاہر ہے ۔

⁂ ⁂ ⁂

اٰیَاتُھَا ۴۳ | ۱۳ سُوْرَۃُ الرَّعْدِ مَدَنِیَّۃٌ ۹۶ | رُکُوْعَاتُھَا ۶

سورۃ رعد مکی ہے اور اس میں تینتالیس آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے ، جو بخشنے والا ہے نہایت مہربان

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

یہ آیتیں ہیں کتاب کی اور جو کچھ اترا تجھ کو

مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱﴾

تیرے رب سے سو تحقیق ہے لیکن بہت لوگ نہیں مانتے

حقانیت قرآن کریم

قال اللہ تعالیٰ الٓمّٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ .... الیٰ .. وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○

(ربط) سورۂ یوسف کے اخیر میں قرآن کریم کی صفت میں یہ فرمایا مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ؕ اسی مناسبت سے اس سورت کا آغاز قرآن کریم کی حقانیت سے فرمایا الٓمّٓرٰ واللہ اعلم بمرادہٖ بذالك یہ آیتیں کتاب الٰہی کی آیتیں ہیں اور اے اکمل الرسل جو کتاب کامل آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی سو وہ بالکل حق اور درست ہے لوگوں کو چاہیئے کہ بے دغدغہ اس کتاب پر ایمان لائیں لیکن جائے تعجب ہے کہ اکثر لوگ اس جامع اور کامل کتاب کو بھی نہیں مانتے اور جو ایسی صاف اور واضح حقیقت کو بھی نہ مانے تو یہ اس کی کج طبعی کی دلیل ہے اور جو اس کتاب کو نہیں مانتا آخر وہ پھر کس کتاب کو مانے گا اور اگر ان کو یہ شبہ ہے کہ ہم اپنے جیسے بشر کے سامنے کیوں سر تسلیم خم کریں تو آئندہ آیت میں اس کا جواب ہے کہ جسمانیت کے اعتبار سے آسمان اور زمین برابر ہیں یہ بھی جسم ہے اور وہ بھی مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور حکمت سے آسمان کو زمین پر بلندی عطا کی اسی طرح سمجھو کہ اللہ کو یہ بھی قدرت ہے کہ ایک بشر کو زمین اور دوسرے بشر کو علم اور حکمت کا آسمان بنا دے خدا کی قدرت سب جگہ یکساں ہے۔

٭ ٭ ٭

اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ

اللہ وہ ہے، جس نے اونچے بنائے آسمان بن ستون دیکھتے ہو پھر

اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ

قائم ہوا عرش پر اور کام لگایا سورج اور چاند کو

كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ

ہر ایک چلتا ہے ایک ٹھہری مدت تک تدبیر کرتا ہے کام کی، کھولتا ہے

الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِىْ

نشانیاں، شاید تم اپنے رب سے ملنا یقین کرو اور وہی ہے

مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِىَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ

جس نے پھیلائی زمین اور رکھے اس میں بوجھ اور ندیاں اور

كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِى

ہر میوے کے رکھے اس میں جوڑے دو دوسرے ڈھانکتا ہے

الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۳

دن پر رات اس میں نشانیاں ہیں ان کو جو دھیان کرتے ہیں

وَفِى الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ

اور زمین میں کئی کھیت ہیں ملے ہوئے اور باغ ہیں انگور کے

وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى

اور کھیتی اور کھجوریں جڑ ملی اور بن ملی پاتے ہیں

بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۣ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِى

ایک پانی اور ہم زیادہ کرتے ہیں ایک کو ایک سے

الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۴

میوے میں اس میں نشانیاں ہیں اُن کو جو بوجھتے ہیں۔

ذکر دلائل توحید و اثبات مبدأ و معاد

قال اللہ تعالیٰ، اَللّٰهُ الَّذِىْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ... الیٰ... اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

(ربط) گذشتہ آیت میں قرآن مجید کا منزل من اللہ ہونا اور اسکا حق اور صدق ہونا اور کافروں کا اس پر ایمان

نہ لانا بیان کیا گیا اب آئندہ آیات میں دلائل توحید والوہیت اور قرآن کے نازل کرنے والے خدا کی کمال قدرت کا ذکر کرتے ہیں اور آخرت کا اثبات فرماتے ہیں جو اعظم مقاصد قرآن میں سے ہے اور چونکہ اکثر لوگ خدا تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت کے منکر ہیں اس لیے اثباتِ توحید والوہیت کے لیے آسمانوں کے حالات اور آفتاب وماہتاب کی حرکات اور زمین کے مختلف قطعات اور زمین کی پیداوار کی کیفیات کو ذکر کرتے ہیں تاکہ منکرین اور مشرکین پر حجت قائم ہو اور ان سب دلائل کا مطلب یہ ہے کہ زمین سے لے کر آسمان تک تمام کائنات اس کی الوہیت اور وحدانیت کے دلائل اور براہین ہیں۔

استدلال باحال عالم علوی

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ

اثبات توحید کیلئے اللہ تعالیٰ نے اول آسمانوں کے حالات سے استدلال کیا چنانچہ فرماتے ہیں اللہ وہ ہے جس نے بلند کیا آسمانوں کو بغیر ستونوں کے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ بلا عمود کے قائم ہیں نیچے کوئی ستون نہیں کہ جس کے سہارے سے آسمان ٹھہرے ہوئے ہوں اور اوپر کوئی زنجیر نہیں کہ جو اوپر سے آسمان کو روکے ہوئے ہے بلا ستون کے معلق ہیں انسان ایک ذرہ کو بھی اس طرح معلق نہیں رکھ سکتا پس سمجھ لو کہ کسی قادر مختار ہی نے اس کو اپنی قدرت سے روکا ہوا ہے اور خدائے تعالیٰ نے اپنی قدرت سے آسمان کو اتنا اونچا بنایا کہ جہاں تمہاری نظر بھی کام نہیں کرتی اور ظاہر ہے کہ آسمان جیسے عظیم الشان جسم کا معلق رہنا از خود نہیں اور نہ بتقاضائے طبیعت جسمانیہ ہے اور نہ کوئی نیچر اور ایتھر اس کو تھامے ہوئے ہے معلوم ہوا کہ کسی قادر وقوی نے اس کو اس طرح معلق رکھا ہوا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ترونھا عمد کی صفت ہے اور معنی یہ ہیں کہ بلند کیا اس نے آسمانوں کو بغیر ایسے ستون کے جس کو تم نہیں دیکھتے مطلب یہ ہے کہ آسمانوں کے ستون تو ہیں مگر وہ ایسے ہیں جو تم کو نظر نہیں آتے پھر وہ اپنی قدرت اور قہر سے اور تدبیر اور تصرف سے عرش عظیم پر قائم ہوا جو قیام اس کی شان کے لائق ہے عرش پر قائم ہونے سے اس کی جلوہ افروزی مراد ہے جس کی حقیقت سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں اور خدا تعالیٰ کا عرش عظیم پر قائم اور جلوہ فرما ہونا آسمانوں کے بلند کرنے سے کہیں زیادہ بلند اور برتر ہے اس لیے لفظ ثم ان دونوں میں تفاضل اور تفاوت کے بیان کرنے کے لیے لایا گیا کہ "استوٰی علی العرش" "رفع السموٰت" سے زیادہ اعلیٰ اور ارفع ہے کیونکہ عرش عظیم تجلیات خداوندی اور احکام الٰہیہ کا مصدر اور مرکز ہے تمام عالم کی تدبیر اور تصرف کے احکام عرش عظیم ہی سے نازل ہوتے ہیں اور عرش پر قائم ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ خداوند قدوس بادشاہ کی طرح تخت پر برابر بیٹھا ہوا ہے کیونکہ یہ صفت تو جسم کی ہے جو وضع اور ہیئت کے ساتھ موصوف ہو اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور منزہ ہے

فرقۂ مجسمہ اللہ تعالیٰ کو جسم گمان کرتا ہے اور استواء کے معنی بیٹھنے کے کرتا ہے اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ عرش پر قائم ہوا جو اس کی شان عظمت وجلال اور اس کی شان قدوسیت کے شایان ہے اور ہم اس کے اِسْتِوَاءِ عَلَى الْعَرْشِ پر ایمان لاتے ہیں جو اس کی شان کے لائق ہے اور اس کی تنزیہ وتقدیس پر بھی ایمان رکھتے ہیں اس لیے ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خداوندِ قدوس مکان اور جہت سے اور تمکن اور استقرار سے اور اتصال اور انفعال سے سب سے پاک ہے مکان اور جہت سب اسی کی مخلوق ہے وہ خداوند قدوس مکان اور زمان کے پیدا کرنے سے پہلے جس شان پر تھا اسی شان پر زمان اور مکان پیدا کرنے کے بعد بھی ہے معاذ اللہ یہ خیال نہ کرنا کہ عرش تخت شاہی کی طرح خدا کو تھامے ہوئے ہے عرش خدا کو تھامے ہوئے اور اٹھائے ہوئے نہیں بلکہ خدا کی قدرت ہی عرش کو اٹھائے ہوئے اور تھامے ہوئے ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ عرش پر قائم ہونے یا قرار پکڑنے سے یہ مراد ہے کہ عرش سے لے کر فرش تک اور فرش سے لے کر تحت الثریٰ تک سب اسی کے قبضۂ قدرت وتصرف میں ہے اور تمام کائنات پر وہی حکمران ہے جیسے تخت نشینی سے حکمرانی کے معانی مراد ہوتے ہیں اسی طرح استواء علی العرش سے حق جل شانہٗ کی حکمرانی اور تدبیر اور تصرف کو بیان کرنا مقصود ہے کہ عرش سے فرش تک اسی کی حکمرانی ہے باقی اس آیت کی مفصل تفسیر سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

استدلال بہ تسخیر شمس وقمر

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ

اب آفتاب وماہتاب کے احوال سے اپنی الوہیت اور وحدانیت پر استدلال فرماتے ہیں اور مسخر کیا یعنی کام پر لگایا اس نے سورج کو اور چاند کو، دونوں اسی کے زیر حکم ہیں دونوں کی حرکت اللہ کے حکم سے ہے جس سے بندوں کی مصلحتیں وابستہ ہیں نور اور ظلمت کی آمد ورفت سے زمین اور اجسام اور اشجار ونباتات نشو ونما پاتے ہیں جس قسم کی حرکت اللہ نے ان کے لیے معین کر دی ہے اس میں سرمو فرق نہیں آتا حق تعالیٰ نے شمس وقمر کی حرکت کے لیے جو سمت اور جہت اور جو مسافت اور جو مقدار اور کیفیت مقرر فرما دی ہے اس کے خلاف شمس وقمر حرکت نہیں کر سکتے ہر ایک کی حرکت جاری ہے ایک مدت معینہ تک یعنی جب تک دنیا قائم ہے چاند اور سورج طلوع وغروب ہوتے رہیں گے اور اسی رفتار سے حرکت کرتے رہیں گے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کر دی ہے یا یہ معنی ہیں کہ ہر ایک اپنے اپنے مدار پر چلتا رہے گا اور اپنی منزلوں کو طے کرتا رہے گا چنانچہ سورج اپنے مدار کو سال بھر میں قطع کرتا ہے، اور چاند ایک مہینہ میں مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جس طرح اور جس جانب ان کی حرکت مقرر کر دی ہے اس میں سرمو فرق نہیں آتا اگر کوئی قادر وقوی اس کا منتظم نہیں تو اس نظام

میں خلل کیوں نہیں آتا غرض یہ کہ ان تمام دلائل سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ عالم کے یہ تمام انتظامات مادہ اور نیچر سے نہیں چل رہے ہیں بلکہ کسی علیم مقتدر کے ارادہ اور اختیار سے چل رہے ہیں وہی عالم علوی اور عالم سفلی کے ہر کام کی تدبیر اور انتظام کرتا ہے اور وہ ذات والا صفات ایسی ہے کہ اس کی تدبیر اور تصرف کے اعتبار سے عرش اور فرش پہاڑ اور ذرہ سب برابر ہیں وہ اپنی قدرت کی نشانیاں یہ تفصیل بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے پروردگار کے ملنے کا یقین کرو یعنی مرنے کے بعد جینے کا یقین کرو کہ جس ذات نے یہ کارخانہ بنایا ہے اور جس نے اجرام فلکیہ اور اجسام عظیمہ کو پیدا کیا ہے وہ انسان کے دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے اور مخبر صادق نے اس کے وقوع کی خبر دی ہے اور امر ممکن الوقوع کے وقوع کی اگر مخبر صادق خبر دے تو عقلاً اس کا قبول کرنا لازم اور ضروری ہے۔

آسمانوں کے بارہ میں فلسفۂ جدیدہ کا نظریہ

قرآن اور حدیث اور تمام کتب سماویہ سے ثابت ہے کہ آسمانوں کا وجود حق اور ثابت ہے فلسفۂ جدیدہ کے انکشافات یہ کہتے ہیں کہ آسمان ایک بے معنی لفظ ہے جو معنی سے یکسر خالی ہے آسمان کوئی چیز نہیں یہ نیلگوں چیز جو ہم کو اوپر سے نظر آتی ہے وہ محض ایک حدِ بصر اور حدِّ نظر ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ نیلگوں رنگ جو ہم کو دکھائی دیتا ہے وہ آسمان دنیا کا پلستر ہو دیکھنے والوں کو عمارت کا پلستر تو نظر آتا ہے مگر اصل عمارت نظر نہیں آتی۔

نیز عقلاً اور حسًّا محض حدِ بصر اور حدِ نظر کا کوئی رنگ نہیں ہوتا رنگ تو جسم ہی کا ہوتا ہے۔

استدلال با حوال عالم سفلی

قال اللہ تعالیٰ وَهُوَ الَّذِىْ مَدَّ الْاَرْضَ ..... الیٰ .... اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ہ

(ربط) اوپر کی آیتوں میں عالم علوی کی چیزوں سے اس کی وحدانیت اور الوہیت پر استدلال تھا یعنی آسمانوں اور چاند اور سورج کے احوال سے استدلال کا ذکر تھا اب عالم سفلی کے چیزوں کے احوال سے یعنی زمین سے اور اس کی پیداوار سے اور لیل و نہار کے اختلاف سے استدلال فرماتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور وہ اللہ وہی ہے جس نے زمین کو اتنا پھیلایا کہ بیشمار مخلوق اس پر چل سکے اور اتنا وسیع بنایا کہ آج تک اس کے مبدا اور انتہا کا علم نہ ہو سکا اور اس پر بسنے والی مخلوق کا رزق اور سامان معیشت سب اسی میں ودیعت رکھ دیا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ زمین کو پانی پر بچھایا (زاد المسیر ص ۳۰۲ جلد ۴) وقال اللہ تعالیٰ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَىْءٍ حَىٍّ اور پھر اس زمین میں پہاڑ بنائے تاکہ وہ زمین

کی میخیں ہو جائیں

زمین از تپ دلرزہ آمد ستوہ ؛ فرد کوفت بر دامنش میخ کوہ

اور زمین میں نہریں جاری کیں اور ہر قسم کے پھلوں سے خدا نے زمین میں دو دو قسمیں بنائیں مثلاً سرخ اور زرد، شیریں اور ترش خشک اور تر، گرم اور سرد وغیرہ وغیرہ

نیز اس خدا کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ ڈھانک دیتا ہے رات کو دن سے مطلب یہ ہے کہ کسی وقت دن کا ہونا اور کسی وقت رات کا ہونا یہ کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں بلکہ کسی قادر حکیم کی قدرت اور اس کی تسخیر ہے ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے زمین کی حالت سے استدلال کیا ہے کہ زمین کی یہ وسعت اور اس پر جا بجا پہاڑوں اور نہروں کا ہونا بغیر کسی خالق کے نہیں ہو سکتا اور دن اور رات کے بدلنے میں اور زمین کی پیداوار میں اس کی قدرت کے عجیب عجیب کرشمے ہیں بے شک ان چیزوں میں خدا کی کمال قدرت کی نشانیاں ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں ان نشانیوں میں غور کرنے سے اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے ایک زمین پر نظر ڈال لو کہ اس کا کوئی حصہ نرم ہے اور کوئی حصہ نہایت سخت ہے جیسے پہاڑ حالانکہ طبیعت ارضیہ سب کی ایک ہے معلوم ہوا کہ زمین کے قطعات میں یہ تفاوت مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں بلکہ کسی علیم و قدیر کے علم و قدرت کا کرشمہ ہے پھر زمینوں اور پہاڑوں کی رنگتیں اور کیفیتیں مختلف اور پہاڑ میں سے جو کانیں نکلتی ہیں وہ بے انتہا مختلف کوئی کان سونے اور چاندی کی اور کوئی لوہے اور تانبے کی اور کوئی نمک اور گندھک کی وغیرہ وغیرہ یہ اختلافات نہ اتفاقی ہیں اور نہ بے شعور اور بے حس مادہ کا اقتضاء ہیں بلکہ سب خداوند علیم و قدیر کی قدرت کے کرشمے ہیں مطلب یہ ہے کہ جس طرح عالم علوی کا کارخانہ اس کی تدبیر اور تصرف سے چل رہا ہے اسی طرح عالم سفلی کا کارخانہ بھی اسی کی تدبیر اور تصرف سے چل رہا ہے سب جگہ اسی کا دست قدرت کارفرما ہے اور جن فلاسفہ کا یہ گمان ہے کہ عالم سفلی کا کارخانہ عالم علوی کی تاثیر سے چل رہا ہے وہ سب غلط ہے اور دعویٰ بلا دلیل ہے اور یہ نادان اپنی الٹی سلٹی باتوں پر بڑے خوش ہیں فرحوا بما عندھم من العلم

استدلال دیگر

اور من جملہ دلائل توحید کے ایک دلیل یہ ہے کہ زمین میں مختلف قسم کے قطعے ہیں جو ایک دوسرے سے ملے ہوتے ہیں اور باہم ہمہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں حالانکہ سب پر ایک ہی آفتاب کی شعاعیں پڑ رہی ہیں اور ایک ہی قسم کی ہوا ان پر چل رہی ہے کوئی قطعہ قابل زراعت ہے اور کوئی بنجر ہے اور کوئی کسی میوے کے قابل ہے اور کوئی کسی دوسرے میوہ کے قابل ہے حالانکہ سب کو ایک ہوا اور ایک پانی پہنچ رہا ہے اور سب پر ایک ہی آفتاب کی شعاعیں پڑ رہی ہیں عجیب بات

ہے کہ باوجود اس اتصال کے اور اتحاد کے آثار مختلف ہیں اور پھر زمین کے ہر قطعہ میں مختلف قسم کے باغات ہیں کہیں انگوروں کے باغ ہیں اور کہیں کھیتی ہے اور کہیں کھجور کے درخت ہیں بعضے دو شاخے بعضے غیر دو شاخے یعنی بعضے ایسے ہیں کہ ایک ہی جڑ سے کئی شاخیں اگیں اور بعضے متفرق جڑوں کے ہیں یعنی ہر شاخ علیحدہ جڑ سے اگی ہے یہ سب باغات ایک ہی پانی سے سینچے جاتے ہیں اور باوجود اس کے ہم بعض کو بعض پر فضیلت دیتے ہیں کوئی شیریں ہے اور کوئی ترش اور کوئی پھیکا کوئی کیسا اور کوئی کیسا بے شک ان امور مذکورہ میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں کہ ایک ہی قسم کی زمین ہے اور ایک ہی قسم کا پانی ہے اور ایک ہی ہوا ہے پھر پھلوں کا مزہ بھی مختلف اور ہیئت اور شکل بھی مختلف اور ظاہر ہے کہ یہ امور نہ تو خود بخود حادث ہو گئے ہیں اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کسی نیچر اور ایتھر کا اقتضاء ہے کیونکہ ایتھر اور نیچر میں کسی شعور اور ارادہ اور اختیار کا نام و نشان نہیں بلکہ یہ سب خدائے علیم و قدیر کے علم اور قدرت کے کرشمے ہیں جو خاص خاص اوقات میں اس کے ارادہ اور مشیّت کے مطابق نمودار ہو رہے ہیں معلوم ہوا کہ پس پردہ کوئی دست قدرت ہے جو یہ گل کاریاں کر رہا ہے زمین بھی ایک ہے اور پانی بھی ایک ہے تو پھر باوجود اسباب اور اصول کے متحد ہونے کے یہ امتیاز اور اختلاف کیسا یہ سب کسی قادرِ مختار کی صنعت اور کاریگری ہے فلاسفہ کا گمان یہ ہے کہ درختوں اور پھلوں کا اختلاف اتصالات فلکیہ اور کواکب اور نجوم کی تاثیر سے ہے فلاسفہ عالم سفلی کے حوادث کو حرکات کواکب اور نجوم کا اثر بتلاتے ہیں یہ سب غلط ہے اس لیے کہ اوّل تو گزشتہ آیات میں افلاک اور کواکب اور نجوم کا حادث ہونا اور ان کا مسخر بامرِ الٰہی ہونا ثابت ہو چکا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے شمس و قمر اور کواکب کی خاص وضع اور ہیئت اور حرکت کی مقدار اور اس کی ساخت متعین کر دی ہے اس سے باہر قدم نہیں نکال سکتے لہذا احوال فلکیہ کو حوادثِ ارضیہ کی علّت قرار دینا صحیح نہیں

دوّم یہ کہ اتصالات فلکیہ اور حرکات کو کبیہ کو عالم سفلی سے موثر قرار دینا محض ایک دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔

سوّم یہ کہ ایک ہی باغ ہے اور ایک ہی درخت ہے اور ایک ہی قسم کی شعاع شمسی ہے اور ایک ہی قسم کی ہوا ہے اور ایک ہی قسم کا پانی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ پھلوں کا مزہ مختلف ہے جب علّت اور سبب ایک ہے تو معلول اور مُسبّب بھی ایک ہی ہونا چاہیئے علت اور سبب میں شعور اور ارادہ اور اختیار نہیں ہوتا اس لیے اس کی تاثیر میں فرق نہیں ہوتا۔

بے شعور مشین سے جو چیز تیار ہوگی اس میں تفاوت نہ ہوگا انسان اپنے ہاتھ سے جو چیز بنائے گا اس میں اس کے اختیار اور ارادہ کے موافق فرق اور تفاوت ہوگا پس ثابت ہوا کہ پھلوں کی پیدائش میں نہ تو زمین کی طبیعت اور مادہ کو دخل ہے اور نہ ہوا اور پانی کی طبیعت اور مادہ کو دخل ہے بلکہ

کسی قادر حکیم کے ارادہ اور مشیت سے ہے فلاسفہ جدید و قدیم جس قدر چاہیں اسباب وعلل بیان کریں مگر سب کی انتہاء کسی ملیک مقتدر پر ماننی پڑے گی ۔ وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَهٰی

امام رازیؒ نے ان آیات کی تفسیر میں دلائل علویہ اور سفلیہ کو نہایت بسط کے ساتھ بیان کیا ہے حضرات اہل علم تفسیر کبیر کی مراجعت کریں ان مادہ پرستوں کی رد میں کسی عالم نے خوب کہا ہے :

والارض فیها عبرة للمعتبر ۔ تخبر عن صنع ملیک مقتدر

(ترجمہ) اور زمین میں عبرتیں ہیں عبرت حاصل کرنے والے کے لیے زمین کی ساخت خبر دے رہی ہے کہ کسی ملیک مقتدر نے اس کو بنایا ہے ۔

تسقی بماء واحد اشجارها ۔ وبقعة واحدة قرارها

ایک پانی سے سب درختوں کو سیراب کیا جاتا ہے اور ایک قطعہ زمین پر سب کا قرار ہے مگر باوجود اس کے پھل مختلف ہیں کسی کا کیا مزہ اور کسی کا کیا ۔

والشمس والهواء لیس یختلف ۔ واکلها مختلف لا یاتلف

جو دھوپ اور ہوا ان درختوں پر پڑ رہی ہے اس میں تو کوئی اختلاف نہیں مگر پھل مختلف ہیں ایک ہی درخت کے پھلوں کا مزہ یکساں نہیں ہوتا ۔

لو ان ذا من عمل الطبائع ۔ او انه صنعة غیر صانع !!

لم یختلف وکان شیئا واحدا ۔ هل یشبه الاولاد الا الوالد

اگر یہ طبیعت اور مادہ کا عمل ہوتا یا بغیر کسی کاریگر کے صنعت کا ہوتا تو پھلوں میں ان کے مزوں میں تفاوت اور فرق نہ ہوتا بلکہ سب کا مزہ ایک ہوتا (جیسے اولاد والد کے مشابہ ہوتی ہے)

الشمس والهواء یا معاند ۔ والماء والتراب شیئ واحد

فما الذی اوجب ذا التفاضلا ۔ الا حکیم لم یرده باطلا

جب دھوپ اور ہوا اور پانی اور مٹی ایک ہے تو پھر یہ تفاوت اور فرق کہاں سے آیا معلوم ہوا کہ یہ تفاوت کسی قادر حکیم کے ارادہ اور اختیار سے ہوا ہے جو کبھی خلاف حکمت کا ارادہ نہیں کرتا) (دیکھو روح المعانی ص ۹۳ جلد ۱۳)

نکتہ بعض علماء تابعینؒ سے منقول ہے کہ یہی مثال بنی آدم کی ہے باوجودیکہ سب کی اصل ایک ہے مگر خیر و شر ایمان و کفر میں مختلف ہیں کوئی خبیث ہے اور کوئی طیب اور جس طرح پانی زمین کے مختلف قطعات میں مختلف اثر پیدا کرتا ہے اسی طرح کلام الٰہی مختلف قلوب میں مختلف اثر پیدا کرتا ہے جیسا کہ فرماتے ہیں وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا (یعنی یہ قرآن مومنوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے اور یہی قرآن ظالموں کو خسارہ میں بڑھاتا ہے)

وَإِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَإِذَا كُنَّا تُرَابًا ءَإِنَّا لَفِي

اور اگر تو اچنبھے کی بات چاہے، تو اچنبھا ہے اُن کا کہنا کیا جب ہو گئے ہم مٹی کیا ہم

خَلْقٍ جَدِيدٍ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ

نئے بنیں گے؟ وہی ہیں جو منکر ہوئے اپنے رب سے اور وہی ہیں

الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ

کہ طوق ہیں اُن کی گردنوں میں اور وہ ہیں دوزخ والے وہ

فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٥﴾ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ

اس میں رہا کریں گے اور شتاب چاہتے ہیں تجھ سے برائی، آگے بھلائی سے

وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلَاتُ ۗ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو

اور ہو چکی ہیں اُن سے پہلے کہاوتیں اور تیرا رب معاف

مَغْفِرَةٍ لِلنَّاسِ عَلَىٰ ظُلْمِهِمْ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ

بھی کرتا ہے لوگوں کو اُن کی گنہگاری پر اور تیرے رب کی مار سخت

الْعِقَابِ ﴿٦﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ

ہے اور کہتے ہیں منکر کیوں نہ اُتری اُس پر کوئی

آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ۗ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ ۖ وَلِكُلِّ قَوْمٍ

نشانی اس کے رب سے، تو تو ڈر سنانے والا ہے اور ہر قوم کو ہوا ہے راہ



هَادٍ ﴿٧﴾ ع

بتانے والا

منکرین نبوت کے شبہات اور ان کے جوابات

قال اللہ تعالیٰ وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ... الیٰ ... اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ

(ربط) اوپر کی آیتوں میں توحید کا مضمون تھا اب ان آیات میں منکرین نبوت کے تین شبہات کے جوابات مع وعید و تہدید ذکر کرتے ہیں وہ تین شبہے یہ تھے (اوّل) وہ بعث اور حشر و نشر کو محال سمجھتے تھے اور اس سے نفی نبوت پر استدلال کرتے تھے کہ یہ کیسے نبی ہیں جو ایک محال اور ناممکن کی خبر دیتے ہیں اور اس پر ایمان لانے کا حکم دیتے ہیں جیسا کہ دوسری آیت میں ہے هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ (دوسرا شبہ یہ تھا کہ اگر آپ نبی ہیں تو آپ کے منکرین اور مکذبین پر عذاب کیوں نازل نہیں ہوتا کما قال اللہ تعالیٰ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (تیسرا شبہ یہ تھا کہ جن معجزات کی ہم فرمائش کرتے ہیں وہ معجزات کیوں ظاہر نہیں کرتے حق تعالیٰ نے ان آیات میں کفار کے ان تینوں شبہات کا جواب دیا ہے جو نبوت کے متعلق تھے پہلے شبہ کا جواب وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ سے دیا گیا جس کا حاصل یہ ہے کہ کیا یہ لوگ مر جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو خدا کی قدرت سے باہر سمجھتے ہیں اور اتنا نہیں سمجھتے کہ جس پروردگار کی قدرت اس قدر بڑی ہے کہ وہ اتنی بڑی بڑی چیزوں کو پیدا کرنے پر قادر ہے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اس کے لیے مردہ کا دوبارہ پیدا کرنا کیا بڑی بات ہے حشر و نشر کے منکر خدا کے باغی ہیں ان باغیوں کا انجام یہ ہوگا کہ گلے میں طوق اور ہاتھ پاؤں میں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا کر ابدی جیل خانہ میں ڈال دیئے جائیں گے۔

جو شخص حشر اجساد کا قائل نہیں وہ درحقیقت خدا کی ربوبیت اور قدرت کا منکر ہے کما قال اللہ تعالیٰ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ فلاسفہ حق تعالیٰ کو فاعل بالاختیار اور قادر مختار نہیں سمجھتے بلکہ خدا کو واجب بالذات اور موجب بالذات سمجھتے ہیں ان کے نزدیک خدا تعالیٰ دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں اور اگر قادر بھی ہے تو اس کی قدرت ناقص اور ناتمام ہے فلاسفہ کے نزدیک خدا کے لیے یہ ممکن نہیں کہ بلا واسطہ والدین کے کسی حیوان کو پیدا کر سکے ان کے نزدیک ایجاد کے لیے تاثیر طبیعت اور تاثیر افلاک اور تاثیر کواکب و نجوم ضروری ہے اور فلاسفہ تو خدا کے علم کے بھی قائل نہیں ان کا مذہب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو کلیات کا تو علم ہوتا ہے مگر جزئیات کا علم نہیں معاذ اللہ فلاسفہ کے نزدیک خدا کو معلوم نہیں کہ کون اس کا مطیع و فرمانبردار ہے اور کون نافرمان ہے۔

غرض یہ کہ فلاسفہ بھی حشر و نشر کے قائل نہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ فلاسفہ خدا کی قدرت اور علم کے قائل نہیں اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ کا یہ مطلب ہوا۔

اور دوسرے شبہ کا جواب وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ میں دیا گیا جواب کا حاصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ حلیم وکریم ہے عذاب اور مواخذہ میں جلدی نہیں کرتا مگر جب عذاب آتا ہے تو ٹلتا نہیں پہلی امتوں کے حال سے عبرت پکڑیں اور عذاب کی تاخیر سے دھوکہ میں نہ پڑیں عذاب کی تاخیر عجز کی وجہ سے نہیں بلکہ حلم وکرم کی وجہ سے ہے۔

اور تیسرے شبہے کا جواب وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (الخ) میں دیا گیا جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ شبہ لغو اور مہمل ہے، محض عناد پر مبنی ہے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے صدہا معجزات ظاہر فرمائے مگر یہ لوگ عنادی اور ضدی ہیں جو معجزہ انہیں دکھایا جاتا ہے اسے جادو کہہ دیتے ہیں اور نئے معجزہ کی فرمائش کرتے ہیں اس لیے ان کی ہر ہر بات پر معجزہ دکھانا بالکل عبث ہے اب آیات کی تفسیر پڑھیے۔

پہلے شبہ کا جواب

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ .... الیٰ .... هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

اور اگر آپؐ کسی شئے سے تعجب کریں یا ان کے انکار اور ایمان نہ لانے سے تعجب کریں تو سب سے زیادہ عجیب ان کا یہ قول ہے کہ بھلا جب ہم مرنے کے بعد گل سڑ کر مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر نئی پیدائش میں آئیں گے حق تعالیٰ کی قدرت کو اور عزائب حکمت کو دیکھ کر یہ کہنا کہ ہم از سر نو کیسے پیدا ہوں گے نہایت ہی عجیب ہے جو قادر وقیوم ان اجرام عظیمہ علویہ وسفلیہ کو پیدا کرنے پر قادر ہے کیا وہ ایک انسان کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں۔

آنکہ پیدا ساختن کارش بود زندگی دادن چہ دشوارش بود

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے دلائل ربوبیت کا انکار کیا ہر لحظہ اور ہر لحظہ اسکی ربوبیت کے دلائل کا مشاہدہ کرتے ہیں اور پھر بھی حشر اجساد کو ناممکن اور محال سمجھتے ہیں اور یہ ہی وہ لوگ ہیں جن کے گلوں میں قیامت کے دن طوق ہوں گے اور یہی دوزخی لوگ ہیں جو ہمیشہ اسی دوزخ میں رہیں گے۔

دوسرے شبہ کا جواب

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ .... الیٰ .... وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ

اور اے نبی یہ کفار مکہ تجھ سے بھلائی اور عافیت کی میعاد ختم ہونے سے پہلے برائی یعنی عذاب کے نازل ہونے کا تقاضا کرتے ہیں کہ اگر تو واقع میں نبی ہے اور ہم تجھ کو نہیں مانتے تو تو ہم پر عذاب کیوں

نہیں نازل کرا دیتا حالانکہ ان سے پہلے گزشتہ اُمتوں پر کفر اور تکذیب ہی کے بناء پر عقوبتیں اور طرح طرح کے عذاب نازل ہو چکے ہیں اسی طرح تم پر بھی عذاب نازل ہو سکتا ہے تم کو چاہیئے کہ پہلی امتوں کے حال بد سے عبرت پکڑو اور اس خیال میں نہ رہو کہ عذاب کو دیکھ کر ایمان لے آئیں گے اس وقت کا ایمان معتبر نہیں ایمان وہ معتبر ہے جو اختیاری ہو اضطراری ایمان معتبر نہیں اور اللہ عذاب کے نازل کرنے میں اس لیے جلدی نہیں کرتا کہ بے شک تیرا پروردگار لوگوں کے حق میں باوجود ان کے ظلم وستم کے بڑی بخشش والا اور پردہ پوشی کرنے والا ہے وہ حلیم وکریم ہے فوراً نہیں پکڑتا

نہ گردن کشاں را بگیرد بفور

اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ تیرا پروردگار سخت عذاب دینے والا بھی ہے اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے لیکن مجرم جب حد سے گزر جاتا ہے تو پھر اس کو سخت پکڑتا ہے۔

تیسرے شبہ کا جواب

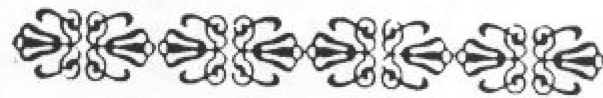
وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝

اور یہ کفار یہ بھی کہتے ہیں کہ اس نبی پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی ایسی نشانی کیوں نہیں نازل ہوئی جو ہم چاہتے ہیں جو نشانیاں یہ دکھاتا ہے وہ کچھ نشانیاں نہیں ان سے ہماری تسکین نہیں ہوتی اے نبی آپ تو صرف عذاب الٰہی سے ڈرانے والے ہیں معجزات کے مالک اور مختار نہیں آپ کا کام تو کافروں کو عذاب الٰہی سے ڈرانا ہے اور ڈرانے والی نشانیاں آپ سے بہت سی ظاہر ہو چکی ہیں اور یہ معاندین تو شق القمر جیسی نشانیوں کا بھی انکار کر چکے ہیں تو ان کو دوسری نشانیاں دکھانے سے کیا فائدہ اور ہر قوم کے لیے ایک ہادی ہوتا ہے اس طرح آپ بھی اس زمانہ میں ہادی بنا کر بھیجے گئے ہیں اور ہادی کا کام راہنمائی اور خدا کی نافرمانی کے برے نتائج سے ڈرانا ہے اور خدا نے آپؐ کو بڑے بڑے نشانات دیئے ہیں اور دعوئ نبوت کے اثبات کے لیے مطلق دلیل اور مطلق معجزہ کافی ہے فرمائشی معجزہ ضروری نہیں کفار ایسی نشانی مانگتے ہیں جسے دیکھ کر آدمی ایمان لانے پر مجبور ہو جائے حق تعالیٰ نے ایسے معجزات دینے سے انکار فرما دیا کفار کے شبہ کا منشاء یہ تھا کہ وہ قرآن کو معجزہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ قرآن کریم کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تصنیف سمجھتے تھے ان کا گمان یہ تھا کہ معجزات تو وہ ہیں جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو عطا ہوئے اس لیے کافر یہ کہتے تھے کہ آپ پر ایسا معجزہ کیوں نازل نہیں ہوتا جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہوا تھا۔

کفار کا یہ شبہ لغو اور مہمل تھا اس لیے کہ ہر زمانہ میں اثبات نبوت کیلئے ایسے معجزات عطا کیے گئے جو اس زمانہ کے مناسب تھے اور ان کی نبوت کے اثبات کے لیے کافی اور وافی تھے موسیٰ علیہ

السّلام کے زمانہ میں سحر کا زور تھا اس لیے ان کو عصا اور ید بیضاء کا معجزہ عطا کیا گیا اور عیسیٰ علیہ السّلام کے زمانہ میں طب کا زور تھا اس لیے ان کو احیاءِ موتیٰ اور ابراء اکمہ وابرص کا معجزہ عطا کیا گیا جس سے تمام اطباء عالم عاجز ہوتے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فصاحت و بلاغت کا زور تھا اس لیے آپ کو علمی معجزہ یعنی قرآن کریم عطا کیا گیا جو لفظی فصاحت و بلاغت اور معنوی علوم ومعارف کے اعتبار سے معجزہ تھا اور علاوہ ازیں آپ سے صدہا معجزات صادر ہوتے جو عصا اور ید بیضا کے مثل یا اس سے بڑھ کر تھے مثلاً شق القمر اور عروج سمٰوات اور ستون حنانہ کا رونا اور انگشتان مبارک سے پانی کا جاری ہونا اور تھوڑی چیز سے ایک لشکرِ عظیم اور جماعت عظیمہ کا سیر اور سیراب ہونا۔

اس قسم کے بے شمار معجزات آپ سے ظاہر ہوتے اور کفار نے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا مگر عناد کی بناء پر ان سب کو جادو کہہ دیتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے فرمائشی معجزات ظاہر کرنے سے انکار فرما دیا اور بتلا دیا کہ جو معجزات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو من جانب اللہ دیئے گئے وہ آپ کی نبوت کے ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں تمہاری منہ مانگی نشانیوں کا ظاہر کرنا ضروری نہیں اس لیے کہ ممکن ہے کہ آئندہ جو معجزہ ظاہر کیا جاتے اس کو بھی جادو کہہ کر جھٹلا دیں جیسا کہ اب تک کرتے چلے آرہے ہیں۔



اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ

اللہ جانتا ہے جو پیٹ میں ہے رکھتی ہر مادہ اور جو سکڑتے

الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ⑧

ہیں پیٹ اور بڑھتے ہیں اور ہر چیز کو ہے اس پاس گنتی

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ⑨ سَوَآءٌ

جاننے والا چھپے اور کھلے کا سب سے بڑا اُوپر برابر ہے

مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ

تم میں جو چپکے بات کہے اور جو کہے پکار کر اور جو

مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ⑩ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ

چھپ رہا ہے رات میں اور گلیوں پھرتا ہے دن کو اس کے پہرے والے

مِّنۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَمِنۡ خَلۡفِهٖ يَحۡفَظُوۡنَهٗ مِنۡ اَمۡرِ

ہیں، بندے کے آگے سے اور پیچھے سے اس کو بچاتے ہیں اللہ کے

اللّٰهِ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوۡا مَا

حکم سے اللہ نہیں بدلتا جو ہے کسی قوم کو جب تک وہ نہ بدلیں جو

بِاَنۡفُسِهِمۡ‌ؕ وَاِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوۡمٍ سُوۡۤءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ‌ۚ

اپنے بیچ ہے، اور جب چاہے اللہ کسی قوم پر برائی، پھر وہ نہیں پھرتی

وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّالٍ ﴿۱۱﴾ هُوَ الَّذِىۡ يُرِيۡكُمُ

اور کوئی نہیں ان کو اس بن مددگار وہی ہے کہ تم کو دکھاتا

الۡبَرۡقَ خَوۡفًا وَّطَمَعًا وَّيُنۡشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ‌ۚ ﴿۱۲﴾

ہے بجلی ڈر کو اور امید کو اور اٹھاتا ہے بدلیاں بھاری

وَيُسَبِّحُ الرَّعۡدُ بِحَمۡدِهٖ وَالۡمَلٰۤـئِكَةُ مِنۡ خِيۡفَتِهٖ‌ۚ

اور پڑھتی ہے گرج خوبیاں اس کی اور سب فرشتے اس کے ڈر سے

وَيُرۡسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيۡبُ بِهَا مَنۡ يَّشَآءُ وَ

اور بھیجتا ہے کڑاکے، پھر ڈالتا ہے جس پر چاہے اور

هُمۡ يُجَادِلُوۡنَ فِى اللّٰهِ‌ۚ وَهُوَ شَدِيۡدُ الۡمِحَالِ ؕ ﴿۱۳﴾

یہ لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں اور اس کی آن سخت ہے

لَهٗ دَعۡوَةُ الۡحَـقِّ‌ؕ وَالَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ لَا

اسی کو پکارنا سچ ہے اور جن کو پکارتے ہیں اس کے سوا نہیں

يَسۡتَجِيۡبُوۡنَ لَهُمۡ بِشَىۡءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيۡهِ اِلَى الۡمَآءِ

پہنچتے ان کے کام پر کچھ مگر جیسے کوئی پھیلا رہا دو ہاتھ طرف پانی کے

لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ۭ وَمَا دُعَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ
کہ آپہنچے اس کے منہ تک اور وہ کبھی نہ پہنچے گا اور جتنی پکار ہے منکروں کی
اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ
سب بھٹکتی ہے اور اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی ہے آسمان وزمین
الْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَ
ہیں خوشی سے اور زور سے، اور اُن کی پرچھائیاں صبح اور
الْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ السجدة قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ
شام پوچھ کون ہے رب آسمان وزمین کا ؟ کہہ
اللّٰهُ ۭ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ لَا يَمْلِكُوْنَ
اللہ کہہ پھر تم نے پکڑے ہیں اس کے سوا حمایتی ؟ جو مالک نہیں
لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى
اپنے بھلے بُرے کے کہہ کوئی برابر ہوتا ہے اندھا
وَالْبَصِيْرُ ڏ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ڬ اَمْ
اور دیکھتا یا کہیں برابر ہے اندھیرا اور اُجالا با
جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ
ٹھہراتے ہیں اُنہوں نے اللہ کے شریک کہ انہوں نے کچھ بنایا ہے جیسے بنایا اللہ نے
عَلَيْهِمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ
پھر مل گئی پیدائش انکی نظر میں کہہ اللہ ہے بنانے والا ہر چیز کا اور وہی ہے اکیلا
الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾
زبردست

سجدہ ۸

رجوع برائے مضمون توحید

قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ، اَللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ کُلُّ اُنْثٰی .... الیٰ ..... وَّھُوَ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ

(ربط) گذشتہ آیات میں منکرین نبوت اور منکرین بعث بعد الموت کے شبہات کا جواب تھا اور اس سے قبل توحید کا مضمون تھا اب پھر توحید ہی کا مضمون بیان فرماتے ہیں اس ذیل میں اوّل حق تعالیٰ نے اپنا عالم بجمیع معلومات ہونا بیان کیا چنانچہ اَللّٰہُ یَعْلَمُ الخ سے اپنا وسیع العلم ہونا بیان کیا کہ اللہ کا علم تمام کائنات کو محیط ہے اور کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں بعد ازاں اپنا حافظ خلق اور رقیب ہونا بیان کیا چنانچہ لَہٗ مُعَقِّبٰتٌ سے یہ بتلادیا کہ وہی تمام مخلوق کا محافظ اور نگہبان ہے بعد ازاں ھُوَ الَّذِیْ یُرِیْکُمُ الْبَرْقَ الخ سے اپنی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں بیان کیں تاکہ اس کا عظیم الشان ہونا ظاہر ہو اور اس آیت ھُوَ الَّذِیْ یُرِیْکُمُ الْبَرْقَ میں ایسے دلائل قدرت اور حکمت کا ذکر فرمایا کہ جو من وجہٍ نعمت اور رحمت ہیں اور من وجہٍ نقمت اور زحمت ہیں تاکہ رغبت اور رہبت دونوں ہی میں معین اور مددگار ہوں پھر قدرت کی ان بڑی بڑی نشانیوں کے بعد فرمایا لَہٗ دَعْوَۃُ الْحَقِّ یعنی وہی معبود برحق ہے جس کی یہ قدرت ہے اور وہی لائق عبادت ہے کیونکہ وہی نفع اور ضرر کا مالک ہے اس کے سوا کسی کی پرستش سے نفع اور ضرر کی امید رکھنا بے کار ہے غیر اللہ کو مدد کے لیے پکارنا اور بلانا ایسا ہے جیسے کوئی پیاسا کنوئیں کے من پر کھڑا ہو کر پانی کی طرف ہاتھ پھیلائے اور خوشامد کرے کہ اے پانی کسی طرح تو میرے منہ میں پہنچ جا پھر یہ بتایا کہ بینا اور نابینا اور ظلمت اور نور برابر نہیں ہو سکتے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ گزشتہ آیات میں مشرکین کے انکارِ بعث اور انکارِ حشر و نشر کا ذکر تھا جس کا منشاء یہ تھا کہ جب انسان مرکر ریزہ ریزہ ہو گیا اور اس کے اجزاء منتشر اور متفرق ہو گئے اور ایک دوسرے سے رل مل گئے اور باہمی امتیاز بھی ختم ہو گیا تو اب دوبارہ زندہ ہونا ناممکن اور محال ہو گیا حق تعالیٰ نے اس کی تردید کے لیے ان آیات میں اپنے احاطۂ علمی اور کمال قدرت کو بیان کیا تاکہ عقلی طور پر حشر و نشر کا امکان واضح ہو جائے کہ جس کے علم اور قدرت کی کوئی حد نہیں اس کے لیے دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے اللہ تعالیٰ تمام جزئیات کو اور تمام اجزاء اور ذرّات کو خوب جانتا ہے اس کو معلوم ہے کہ یہ اجزاء کس جسم اور کس بدن کے ہیں اس کو زید اور عمرو ہر ایک کے اجزاء الگ الگ معلوم ہیں وہ اپنے علم اور قدرت سے ان اجزاء کو پھر اسی طرح جوڑ سکتا ہے جس طرح اس نے پہلے جوڑا تھا۔ (دیکھو البحر المحیط ص ۳۲۸ جلد ۵)

اللہ ہی خوب جانتا ہے جو ہر مادہ اپنے پیٹ میں اٹھائے ہوتے ہے یعنی یہ بات کہ پیٹ میں نر ہے یا مادہ، وہ ایک ہے یا دو یا اس سے زیادہ، ناقص ہے یا کامل اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہے اور حالت حمل میں یہ بھی مقدر ہو جاتا ہے کہ کون ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا اور باوجود

معجزات کے دیکھنے کے پھر بھی اپنے کفر پر قائم رہے گا اس تقریر سے آیت کا ماقبل سے ارتباط ظاہر ہو جائے گا اور رحموں کے گھٹنے اور بڑھنے کو بھی وہی جانتا ہے کہ رحم میں کتنے بچے ہیں اور بچہ کتنے دنوں میں پیدا ہو گا اور ہر شئے اس کے یہاں مقدار معین کے ساتھ ہے نہ اس سے کم ہو سکتی ہے اور نہ زیادہ اور ہر شئے کی کمیت اور کیفیت اسی کو پورے طور پر معلوم ہے کسی کو معلوم نہیں کہ اس نے کیا مقدر کیا ہے اور ہر امر کے لیے ایک وقت مقرر ہے اس سے پہلے اس کا ظہور میں آنا ناممکن ہے اور ہر چیز کی عدم سے وجود میں آنے سے پہلے اللہ کے علم میں مقدار معین ہے وہ جاننے والا ہے چھپے اور کھلے کا کوئی چیز اس کے علم سے غائب نہیں وہ سب سے بڑا اور بلند ہے ہر شئے اس کے مقابلہ میں حقیر اور صغیر ہے اس تک کسی کے خیال اور قیاس کی بھی رسائی نہیں تم میں سے جو شخص چھپا کر اپنے دل میں بات کہے اور جو اس کو پکار کر کہے اور جو شخص رات کے اندھیرے میں چھپا ہوا ہے اور جو دن میں چل رہا ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں برابر ہیں رات دن اس کے حضور میں یکساں ہیں اللہ کا علم تمام کائنات کو محیط ہے اس کو ہر جسم اور ہر بدن کے اجزاء کا پورا پورا اور علیحدہ علیحدہ علم ہے مرنے کے بعد جب اجزائے بدن متفرق اور منتشر ہو گئے تو تمہاری نظر میں اگرچہ ان اجزائے متفرقہ میں امتیاز نہ رہا مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں سب ممتاز اور ایک دوسرے سے جدا ہیں اس کو معلوم ہے کہ یہ مذکر کا جزو ہے یا مؤنث کا جزو ہے اور اجزاء منی کے متعلق اس کو پورا علم ہے کہ یہ جزو سر کا ہے یا پیر کا ہے حالت حمل میں بھی بچہ کے تمام اجزاء کا اس کو علم ہے اسی طرح سمجھو کہ مرنے اور گلنے اور سڑنے کے بعد بھی اس پر کسی جزو کا علم پوشیدہ نہیں جس طرح اس نے اپنے علم و قدرت سے پانی اور مٹی کے متفرق اجزاء کو جوڑ کر انسان پیدا کیا اسی طرح وہ توڑنے کے بعد پھر بھی جوڑنے پر قادر ہے یہاں تک اللہ تعالیٰ کے احاطہ علمی کو بیان کیا کہ وہ عالم الغیب ہے اور ذرہ ذرہ کو اس کا علم محیط ہے اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ وہ خداوند ذوالجلال حفیظ و رقیب بھی ہے تمام عالم کا محافظ اور نگہبان ہے چنانچہ ہر آدمی کے لیے خواہ مؤمن ہو یا کافر اللہ کی طرف سے پہرہ دار فرشتے مقرر ہیں جو باری باری سے آنے والے ہیں اور بندہ کے آگے اور پیچھے سے اللہ کے حکم کے مطابق آفتوں اور بلاؤں سے حفاظت کرتے ہیں یہ فرشتے چونکہ یکے بعد دیگرے آتے جاتے ہیں اس لیے ان کو معقبات کہتے ہیں یہ فرشتے انسان کی ہر درندہ اور موذی جانور سے حفاظت کرتے ہیں اور جب اللہ کی تقدیر آتی ہے کہ آدمی کو کوئی گزند پہنچے تو یہ فرشتے تھوڑی دیر کے لیے اس سے علیحدہ ہو جاتے ہیں پھر بدستور اس کی حفاظت میں لگ جاتے ہیں ان فرشتوں کو حَفَظَة بھی کہتے ہیں اور بظاہر یہ فرشتے کراماً کاتبین کے سوا ہیں جن کا کام بندہ کے اقوال و افعال کو لکھنا ہے کتابت اعمال کے لیے ہر انسان پر دو فرشتے مقرر ہیں یہ ساری عمر بندہ کے ساتھ رہتے ہیں بدلتے نہیں اور کراماً کاتبین کے علاوہ کچھ فرشتے انسان کی حفاظت کے لیے مقرر ہیں وہ بدلتے رہتے ہیں دن کے محافظ علیحدہ ہیں اور رات کے محافظ علیحدہ ہیں جو انسان کی سانپ بچھو اور کیڑے مکوڑے سے حفاظت کرتے ہیں (تفسیر روح المعانی ص ۱۰۱ ج ۱۳ و روح البیان ص ۳۵۰ ج ۴)

کراماً کاتبین بندہ کے اعمال کے نگہبان ہیں اور وہ دو ہیں ایک دائیں اور ایک بائیں عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ یہ دو فرشتے انسان سے کبھی جدا نہیں ہوتے ان دو کے علاوہ کچھ فرشتے انسان کی حفاظت کے لیے مقرر ہیں آگے اور پیچھے سے اس کی حفاظت کرتے ہیں اور بدلتے رہتے ہیں ان کی تعداد میں روایتیں مختلف ہیں بعض نے کہا کہ پانچ فرشتے ہیں اور بعض نے کہا دس اور بعض نے کہا بیس ۔ (واللہ اعلم)

فائدہ حق جل شانہ نے اس عالم کو عالم اسباب بنایا ہے ہر چیز کیلئے ظاہر میں ایک سبب ظاہری پیدا کیا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کچھ باطنی اسباب و ذرائع بھی پیدا کیے ہیں جنکو ہماری آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں انھی باطنی اسباب میں یہ ملائکہ و معقبات ہیں جو ہماری حفاظت کا ایک باطنی سبب ہیں غیبی طور پر اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو ہم سے بلائیں دفع کرنے کا ایک سبب اور ذریعہ بنایا ہے مؤمن کا کام یہ ہے کہ ان کے وجود پر ایمان لائے جیسے کہ ہم کراماً کاتبین کے وجود پر ایمان رکھتے ہیں اگرچہ ہمیں ان کے قلم اور کاغذ اور روشنائی اور کتابت کی حقیقت اور کیفیت معلوم نہیں کہ وہ کیا ہے اور کیسی ہے (روح المعانی ص ۱۰۲ ج ۱۳)

یہ تو بندوں کے سامانِ حفاظت کا ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی حفاظت کے لیے کچھ فرشتے مقرر کیے ہیں جو اِن سے بلائیں دفع کرتے ہیں اب آگے ان آفتوں اور بلاؤں اور مصیبتوں کا ذکر کرتے ہیں جو بداعمالیوں کی وجہ سے بندوں پر نازل ہوتی ہیں چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا اِس معاملہ کو جو کسی قوم کے ساتھ ہو جب تک وہ خود اپنے دِلوں کی حالت کو نہ بدلیں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی عطا کردہ مہربانی اور نگہبانی اور نعمت اور عافیت سے کسی قوم کو محروم نہیں کرتا جب تک وہ اپنی چال کو اللہ کے ساتھ نہ بدلیں جب وہ اپنی روش اللہ کے ساتھ بدل دیتے ہیں اور بجائے شکرِ نعمت کے کفرانِ نعمت اور غفلت میں مبتلا ہو جاتے ہیں تب اللہ کی طرف سے آفت اور مصیبت آتی ہے جب تم اللہ کے ساتھ غیروں کا سا معاملہ کرنے لگتے ہو تو اللہ بھی غیروں کا سا معاملہ کرنے لگتے ہیں بندے جب اپنی حالت بدل دیتے ہیں کہ بجائے طاعت کے معصیت کرنے لگتے ہیں تو اللہ بھی ان سے اپنے فضل اور عنایت کو اٹھا لیتا ہے ۔

جب کسی قوم میں علانیہ طور پر فسق و فجور اور بدکاری شائع ہو جاتے تو وہ قوم چند روز میں تباہ ہو جاتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے اور تاریخ اس کی گواہ ہے اور جب اللہ ارادہ کرے کسی قوم کے ساتھ برائی کا یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے بوجہ بدنیتی اور بداعمالی اپنی نعمت چھین کر ان کی ذلت وخواری کا ارادہ فرمائیں تو پھر وہ برائی اور بلا کسی کے ٹالے نہیں ٹلتی اور ایسے وقت میں سوائے خدا کے کوئی مددگار نہیں ہوتا جو بلا کو دفع کر سکے حتیٰ کہ وہ فرشتے جو ان کی حفاظت کے لیے مقرر ہیں وہ بھی تھوڑی دیر کے لیے علیحدہ ہو جاتے ہیں اور برائی سے ہلاکت اور آفت مراد ہے وہ وہ ہے جو تم کو ڈرانے اور امید دلانے کے لیے بجلی دکھاتا ہے بجلی جب چمکتی ہے تو لوگ اس سے بارش کی امید کرتے ہیں اور اس کے گرنے سے

ڈرتے بھی ہیں ایک ہی چیز میں دو متضاد صفتوں کا جمع ہونا خدا کی کمال قدرت کی دلیل ہے گویا کہ ایک ہی شئے نعمت بھی ہے اور عذاب اور مصیبت بھی اس طرح خدا تعالیٰ نے ایک ہی شئی میں اپنا لطف اور قہر دو متضاد چیزوں کو جمع کر دیا اور "برق" اُس نور لامع اور ساطع کو کہتے ہیں جو ابر کے درمیان سے چمکتا ہے اور وہ ہی اپنی قدرت سے ہوا میں بوجھل بادلوں کو اٹھاتا ہے جو ہزاروں ٹن پانی سے بھرے ہوتے ہیں اور مجال نہیں کہ بغیر اس کے حکم کے کسی جگہ برس جائیں اور نہ کسی کی یہ مجال کہ ان بادلوں میں سے اپنی ضرورت کے موافق پانی کا ایک قطرہ لے سکے اور گرج حمد و ثنا کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتی ہے اور فرشتے بھی اس کے خوف سے اس کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں فرشتوں کا تسبیح و تحمید کرنا اور خدا کی عظمت و جلال کو بیان کرنا بظاہر ایک معقول امر ہے مگر رعد یعنی (گرج) کا بظاہر تسبیح و تحمید کرنا قابلِ غور معلوم ہوتا ہے اس سے بعض علماء اِس طرف چلے گئے کہ گرج کی تسبیح و تحمید کا مطلب یہ ہے کہ گرج سے خدا کی کمال قدرت ظاہر ہوتی ہے جس کو سُن کر اہلِ عرفان کی زبان سے بے ساختہ سبحان اللہ اور الحمد للہ نکل جاتا ہے اس مطلب کا حاصل یہ ہے کہ تسبیح کی اسناد رعد کی طرف مجازی ہے اور مفسرین کی ایک جماعت کے نزدیک رعد ایک فرشتہ کا نام ہے جو سحاب (بادل) پر مقرر ہے پس اگر رعد ایک فرشتہ کا نام ہے تو پھر اس کی تسبیح و تحمید میں کوئی استبعاد نہیں جیسا کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک فرشتہ کی تسبیح پڑھنے کی آواز ہے جو بادلوں کو چلاتا ہے اور اس وقت تسبیح پڑھتا ہے جسے عوام الناس بادل کی آواز سمجھتے ہیں ورنہ در حقیقت یہ آواز اس کی تسبیح کی ہے اور اس فرشتہ کے ہاتھ میں آتشی تازیانہ ہوتا ہے جس سے وہ بادلوں کو ہنکاتا ہے اس سے جو چمک ظاہر ہوتی ہے وہ برق (بجلی) ہے اور وہ کوڑا جس سے ابر کو مارتا ہے اس کی آواز رعد ہے اور صاعقہ ایک آگ ہے جو بادلوں میں پیدا ہوتی ہے جب نیچے آتی ہے تو جس چیز پر گرتی ہے تو اس کو جلا کر بھسم کر دیتی ہے اور محققین یہ فرماتے ہیں کہ اگر رعد محض آواز کا نام بھی ہو تب بھی تسبیح و تحمید کی اسناد اس طرف حقیقی ہے اگرچہ وہ ہمارے فہم میں نہ آتے حق تعالیٰ کا ارشاد وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِهٖ وَلٰكِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِيۡحَهُمۡ ۔ یعنی کوئی شئے ایسی نہیں جو اللہ کی تسبیح و تحمید نہ کرتی ہو مگر اے بنی آدم تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں حضرت سلیمان علیہ السّلام پرندوں کی بولی سمجھتے تھے اور باقی لوگ نہیں سمجھتے تھے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں ہر چیز کی ایک خاص حقیقت ہے جیسے نماز اور روزہ اور قرأتِ قرآن اور سورۂ بقرہ و آلِ عمران وغیرہ وغیرہ ہمارے اعتبار سے یہ تمام چیزیں اعراض اور غیر قائم بنفسہ ہیں لیکن اصل حقیقت ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہے اسی طرح سمجھو کہ رعد ہمارے اعتبار سے اگرچہ محض ایک آواز ہو لیکن بارگاہِ خداوندی میں اس کی کوئی پوشیدہ حقیقت ہو فرشتہ ہو یا کوئی شئے ہو اور وہ حقیقتاً خدا کی تسبیح و تحمید کرتی ہو تو اللہ تعالیٰ کی خبر کے مطابق اس کی تصدیق واجب اور لازم ہے گو ہماری فہم میں نہ آئے پس جان لینا چاہیئے کہ گرج کی یہ آواز جو ہماری سمجھ

ہیں خالی آواز معلوم ہوتی ہے وہ درحقیقت سبحان اللہ وبحمدہ کے معنی رکھتی ہے اور تسبیح پڑھنے والی چیز درحقیقت رعد ہے پس مسلمان کا کام یہ ہے کہ زیادہ تحقیق میں نہ پڑے اللہ اور اس کے رسولؐ نے جو فرما دیا اس کو تسلیم کرے اور جو غیر مسلم ہے وہ ان باتوں کو کسی طرح بھی ماننے والا نہیں اُس عالم کے احوال کو اِس عالم کے احوال پر قیاس کرنا سراسر نادانی ہے اور جس خبر اور اثر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رعد ایک فرشتہ کا نام ہے جو بادلوں پر مقرر ہے اور جو آواز سنائی دیتی ہے وہ فرشتہ کی آواز ہوتی ہے سو یہ خبر اگرچہ آحاد میں سے ہے متواتر اور قطعی نہیں لیکن احوط یہ ہے کہ حدیث کی مخالفت نہ کی جائے اگرچہ وہ آحاد ہی کیوں نہ ہو جب تک اس کے خلاف کوئی قطعی دلیل قائم نہ ہو جائے عقلاً یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ پیدا کرکے بارش کا انتظام اس کے سپرد کیا ہو اور اس کے ہاتھ میں آگ کا کوڑا ہو جس سے وہ بادلوں کو ہانکتا ہو اور یہ رعد اس فرشتہ کی آواز ہو اور یہ برق اس کے کوڑے کی شراروں کی چمک ہو (وَاللّٰہُ سبحانہ وتعالیٰ اعلم) غرض یہ کہ رعد اور برق اس کے قہر کی نشانیاں ہیں جس سے بندوں کو ڈراتا ہے اور ان سے بڑھ کر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں گرنے والی بجلیاں بھیجتا ہے پھر ان کو جس پر چاہتا ہے گراتا ہے اور اس کو ہلاک کردیتا ہے اور یہ کافر لوگ اللہ کے قہر کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ یہ لوگ اللہ کی قدرت اور قہر کے بارے میں جھگڑتے ہیں حالانکہ وہ سخت قوت والا ہے دشمن اس کے قبضۂ قدرت سے نکل نہیں سکتے۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے ایک متکبر رئیس کے پاس دعوتِ اسلام کا پیغام بھیجا وہ متکبر بولا کہ اللہ کا رسول کون ہے؟ اور اللہ کیا چیز ہے؟ سونے کا ہے یا چاندی کا یا تانبے کا؟ تیسری مرتبہ جب اس نے یہ گستاخانہ الفاظ بکے تو فوراً ایک بادل اٹھا اور اس پر بجلی گری جس سے اس کی کھوپڑی اڑ گئی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اب قدرت کی اِن بڑی بڑی نشانیوں کو بطور نتیجہ ارشاد فرماتے ہیں خدا تعالیٰ برحق ہی کے لیے سزاوار ہے سچی دعا اور پکار یعنی اس سے دعا مانگنا اور اسی کا یاد رکھنا اور اسی کی طرف رجوع کرنا صحیح اور درست ہے کیونکہ وہ دعاؤں کو سنتا ہے اور حاجت روا ہے اور جو لوگ اس کے سوا اور معبودوں کو پکارتے ہیں وہ معبودان کو ان کی پکار کا کچھ جواب نہیں دے سکتے ان کا پکارنا ایسا ہے جیسے کوئی پیاسا شخص اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے تاکہ وہ پانی آپ سے آپ اس کے منہ تک پہنچ جائے اور وہ پانی اس تک پہنچنے والا نہیں کیونکہ پانی جماد ہے بے حس ہے اور بے شعور ہے اور نہ اسے ہاتھ پھیلانے والے کی خبر، نہ اس کی پیاس کی خبر اور نہ اس میں یہ قدرت کہ پکارنے والے کی پکار کا جواب دے سکے، بعینہٖ یہ مثال مشرکوں اور ان کے معبودوں کی ہے ان کے معبود نہ ان کی دعا کو سنتے ہیں اور نہ یہ ان کو جواب دے سکتے ہیں غرض مشرکوں کا

بتوں کو پکارنا محض بے سود ہے اور کافروں کی اپنے بتوں کو جس قدر بھی پکار ہے وہ سب بے کار ہے بتوں کو پکارنا بہ دعوت جہالت وضلالت ہے جو مفضی الی الہلاکت ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ خدا ہی کی پرستش ٹھیک ہے اور اس کے غیر کی پرستش بالکل رائیگاں ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی پیاسا پانی کے پاس جاکر اس بات کا منتظر رہے کہ یہ پانی میرے منہ میں آجائے حالانکہ وہ کبھی آپ سے آنے والا نہیں اسی طرح غیر اللہ کی پرستش سے جو لوگ نفع کے امیدوار ہیں ان کی امید کبھی بر آنے والی نہیں ۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کافر جن کو پکارتے ہیں بعضے خیال ہیں اور بعضے جن ہیں اور بعضی ایسی چیزیں ہیں کہ ان میں کچھ خواص ہیں لیکن اپنے خواص کے مالک نہیں پھر کیا حاصل ان کا پکارنا جیسے آگ یا پانی اور شاید ستارے بھی اسی قسم میں ہوں یہ اس کی مثال فرمائی" (انتہٰی)

اس کے بعد پھر حق تعالیٰ اپنی عظمت اور کبریائی کو بیان فرماتے ہیں کہ تمام مخلوق اس کی مسخر ہے اور اس کے سامنے ذلیل وخوار ہے اور غیر اللہ کی پرستش عقلاً اس لیے بھی بے کار ہے کہ تمام کائنات اللہ کے سامنے سربسجود ہے کیونکہ اللہ ہی کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے کوئی خوشی سے اور کوئی ناخوشی سے کوئی خوشی سے اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجا لاتا ہے اور جو خدا پر یقین نہیں رکھتا اس پر اللہ تعالیٰ کا حکم جاری ہوتا ہے اس کے خلاف نہیں کرسکتا اور ان زمین والوں کے سائے بھی صبح اور شام کے اوقات میں سجدہ کرتے ہیں یعنی سائے بھی خدا کے حکم بردار ہیں جب گھٹاتا ہے گھٹ جاتے ہیں اور جب بڑھاتا ہے تو بڑھ جاتے ہیں اور سایوں کا گھٹنا اور بڑھنا صبح اور شام کے اوقات میں زیادہ ہوتا ہے اور کائنات کا یہ سجدہ اللہ کی عظمت اور جلال کی خبر دیتا ہے زجاجؒ کہتے ہیں کہ کافر تو غیر اللہ کو سجدہ کرتے ہیں مگر ان کا سایہ اللہ کو سجدہ کرتا ہے ابن انباریؒ کہتے ہیں کہ عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ ظلال کے لیے عقول اور افہام پیدا کر دے جس سے وہ اللہ کو سجدہ کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو فہم دیا اور وہ اللہ کی تسبیح میں مشغول ہیں اسی طرح سمجھو کہ مؤمن کا سایہ اللہ کو طوعاً سجدہ کرتا ہے اور کافر کا سایہ کرہاً سجدہ کرتا ہے (تفسیر کبیر ص ۱۹۸ ج ۵)

ف انسانی سجدہ کے معنی زمین پر پیشانی رکھ دینے کے ہیں اور انسان کے علاوہ دوسری چیزوں کا سجدہ ان کے لائق اور مناسب ہے۔

ف یہ سجدہ عزائم سجود میں سے ہے اس آیت کو پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ واجب ہے۔

یہاں تک توحید کی حقانیت اور شرک کا بطلان واضح ہوگیا اب بطور اتمام حجت ان سے سوالات کا حکم دیا جاتا ہے اے نبیؐ آپ ان مشرکوں سے جو خدا کے سوا اوروں کو پوجتے ہیں پوچھیئے کون ہے رب آسمانوں اور زمین کا یعنی ان کا مدبر اور خالق کون ہے جو ان کو قائم رکھنے والا اور ان کے

وجود کو تھامنے والا ہے اور چونکہ اس کا جواب متعین ہے اس لیے آپ جواب میں کہہ دیجئے کہ اللہ ہے یعنی آپ اِن کے جواب کا انتظار نہ فرمایئے تو دہی کہہ دیجئے کہ اللہ ہے اس سوال کا صرف یہ ایک ہی جواب ہو سکتا ہے اس لیے ان کے جواب کا آپ انتظار نہ کیجئے نیز وہ خود بھی خدا کے خالق اور مالک اور مدبّر ہونے کے منکر نہیں اے نبیؐ! ان مشرکوں سے پوچھیے کہ کیا پس اس اقرار و اعتراف کے بعد تم نے اللہ کے سوا کارساز پکڑے ہیں جو اپنی ذاتوں کے لیے بھی کسی نفع اور ضرر کے مالک نہیں تو غیر کی کیا مدد کریں گے پوچھیے کیا اندھا یعنی مشرک اور بینا یعنی مؤمن برابر ہے یا کفر و شرک کی تاریکیاں اور ایمان کی روشنی برابر ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح اندھا اور بینا اور اندھیرا اور اجالا برابر نہیں اسی طرح مؤمن اور کافر اور ایمان اور کفر برابر نہیں مؤمن بینا ہے وہ راہِ حق کو دیکھتا ہے اور کافر اندھا ہے اس کو راہ حق دکھائی نہیں دیتی کیا انہوں نے اللہ کے شریک ٹھہرائے ہیں کہ انہوں نے بھی کسی چیز کو پیدا کیا ہو جیسے خدا نے پیدا کیا پھر اس وجہ سے پیدائش ان کی نظر میں مشتبہ ہوگئی اور شبہ میں پڑ گئے کہ یہ بھی خالق ہے اور وہ بھی خالق ہیں ہم کس کو معبود مانیں مطلب یہ ہے کہ کیا ان معبودوں نے بھی کوئی چیز پیدا کی ہے جس سے تم پر اللہ کی مخلوق اور غیر اللہ کی مخلوق مشتبہ ہوگئی ہے اس لیے تم نے ان کو اللہ کا شریک اور ساجھی بنا لیا اور اس اشتباہ کی وجہ سے تم نے غلطی سے کسی چیز کو خالق مان لیا اگر ایسا ہوتا تو ایک حد تک معذور ہو سکتے تھے لیکن جب یہ بات بھی نہیں تو پھر کیا آفت آئی کہ شرک کی بلا میں گرفتار ہوئے یعنی یہ بات تو نہیں پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود ٹھہرائے ہوئے ہیں اگر مخلوقات عالم میں ذرا غور کریں اور عقلوں سے کام لیں تو تمام اشیاء کا خالق اللہ تعالیٰ ہی کو پائیں گے اس لیے اے نبی! آپ ان مشرکوں سے کہہ دیجئے کہ اللہ ہی ہر شئے کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی اپنی ذات و صفات میں یکتا ہے اور سب پر غالب ہے اور اس کے سوا جو ہے وہ مغلوب ہے اور مغلوب خدا اور معبود نہیں ہو سکتا۔

أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ

اُتارا آسمان سے پانی ، پھر بھرے نالے اپنے اپنے

بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۚ وَمِمَّا

موافق ، پھر اوپر لایا وہ نالا جھاگ پھولا ہوا اور جس چیز

يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ

کو دھونکتے ہیں آگ میں واسطے زیور کے یا اسباب کے اس میں بھی

زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۬ؕ

جھاگ ہے ویسا ہی یوں ٹھہراتا ہے اللہ صحیح اور غلط

فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ

سو وہ جو جھاگ ہے سو جاتا ہے سوکھ کر اور وہ جو کام آتا ہے لوگوں کے

فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ؕ ﴿۱۷﴾

سو رہتا ہے زمین میں یوں بتاتا ہے اللہ کہاوتیں

مثال حق وباطل

قال اللہ تعالیٰ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا ... الیٰ ... يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ

(ربط) گزشتہ آیت میں کافروں کو اندھوں سے اور مسلمانوں کو بینا سے اور کفر کو ظلمت سے اور اسلام کو نور سے تشبیہ دی اب ان آیات میں حق و باطل کی دو مثالیں بیان فرماتے ہیں ایک پانی کی اور ایک آگ کی چنانچہ فرماتے ہیں

پہلی مثال

اس واحد قہار نے آسمان سے پانی اتارا پھر نالے اس پانی سے اپنے اپنے اندازے کے مطابق بہہ پڑے یعنی پانی تو آسمان سے یکساں برسا مگر ہر نالے میں بقدر اس کی وسعت اور عمق کے سمایا اسی طرح آسمان سے قرآن کریم نازل ہوا اور قلوب کی زمینوں نے بقدر اپنی صلاحیت اور وسعت کے اس آسمانی بارانِ رحمت کا اثر قبول کیا اور ہر ایک اپنی استعداد کے مطابق اور موافق فیض لیتا ہے جیسے ہر وادی اپنی وسعت کے مطابق پانی لیتی ہے پھر اٹھایا اس سیلاب کے پانی نے اپنے اوپر ایک پھولا ہوا جھاگ سیلاب میں دو چیزیں ہوتی ہیں ایک خالص پانی اور دوسرا میل کچیل اور جھاگ یہ اوپر ہوتا ہے اور خالص پانی نیچے دبا ہوا ہوتا ہے پس اسی طرح سمجھو کہ حق خالص پانی کی طرح ہے جس پر زندگی کا دار و مدار ہے اور باطل مثل جھاگ کے ہے کسی وقت باطل حق کو دبا بھی لیتا ہے لیکن باطل کا یہ اُبال عارضی اور بے بنیاد ہوتا ہے تھوڑے سے جوش وخروش

کے بعد اس کا نام و نشان بھی نہیں رہتا اور اصل کار آمد چیز یعنی حق اور صداقت کا آب حیات وہ باقی رہ جاتا ہے۔

دوسری مثال

اور حق و باطل کی دوسری مثال یہ ہے کہ جس دھات کو زیور بنانے کے لیے یا اور کوئی چیز بنانے کے لیے آگ میں تپاتے ہیں اور پگھلاتے ہیں تو اصلی دھات سونا اور چاندی تو نیچے رہ جاتا ہے اور ویسا ہی جھاگ اور میل کچیل اوپر آجاتا ہے جو محض بے کار ہے اور اصلی سونا چاندی اس جھاگ کے نیچے دبا ہوا ہے اسی طرح حق تعالیٰ حق اور باطل کی مثال بیان کرتے ہیں بہرحال جو کف اور جھاگ ہے وہ تو خشک ہو کر چلا جاتا ہے اسی طرح باطل اگر کسی وقت حق پر غالب بھی آجائے تو اس کو ثبات اور قرار نہیں اور وہ چیز جو لوگوں کو نفع پہنچاتی ہے جیسے صاف پانی اور خالص جوہر وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے یعنی اس کو قرار اور ثبات ہے اسی طرح دین حق کو قرار و ثبات ہے وہ باقی رہ جاتا ہے اور باطل جو مثل جھاگ کے ہے وہ مٹ جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ لوگ باطل کے ظاہری اور عارضی اور چند روزہ غلبہ سے شبہ میں نہ پڑیں حق صاف و شفاف پانی یا اصلی جوہر کے مشابہ ہے اور باطل مثل میل کچیل کے ہے اگرچہ ظاہر میں وہ اصلی جوہر سے اونچا نظر آتا ہے مگر بہت جلد فنا ہو جاتا ہے یا پھینک دیا جاتا ہے۔

گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ نے توحید اور شرک کا مقابلہ بیان کیا تھا اب ان آیات میں دو مثالوں سے حق اور باطل کے مقابلہ کی کیفیت بیان فرما دی اور آئندہ آیات میں دونوں کا انجام کھول کر بیان کرتے ہیں۔

⁂ ⁂ ⁂

لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؕ وَالَّذِيْنَ

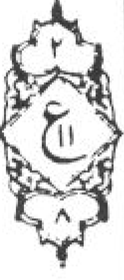
جنہوں نے مانا ہے اپنے رب کا حکم ان کو بھلائی ہے اور جنہوں نے

لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ

اس کا حکم نہ مانا، اگر ان پاس ہو جتنا کچھ زمین میں ہے

جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ

سارا اور اس کے برابر ساتھ اس کے سب دیں اپنی چھڑوائی میں ان لوگوں کو ہے



سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾ ع

بُرا حساب اور ٹھکانا اُن کا دوزخ ہے اور بُری ہے تیاری

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ

بھلا جو شخص جانتا ہے کہ جو کچھ اترا تجھ کو تیرے رب سے تحقیق ہے

كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۹﴾ الَّذِيْنَ

برابر ہوگا اس کے جو اندھا ہے؟ وہی سمجھتے ہیں جن کو عقل ہے وہ جو

يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ﴿۲۰﴾ وَ

پورا کرتے ہیں قرار اللہ کا، اور نہیں توڑتے اقرار اور

الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ

وہ کہ جوڑتے ہیں جو اللہ نے فرمایا جوڑنا اور

يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْۗءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ

ڈرتے ہیں اپنے رب سے اور اندیشہ رکھتے ہیں برے حساب کا اور وہ جو

صَبَرُوا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ

ثابت رہے، چاہتے توجہ اپنے رب کی اور کھڑی رکھی نماز اور

اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ

خرچ کیا ہمارے دیئے ہیں سے چھپے اور کھلے، اور کرتے ہیں

بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾ جَنّٰتُ

برائی کے مقابل بھلائی ان لوگوں کا ہے پچھلا گھر باغ

عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَ

ہیں رہنے کے داخل ہوں گے ان میں اور وہ جو نیک ہوئے اُن کے باپ دادوں اور

اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ

جوروؤں میں اور اولاد میں اور فرشتے آتے ہیں ان پاس

مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ

ہر دروازے سے کہتے ہیں سلامتی تم پر بدلے اس کے کہ تم ثابت

عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ

رہے سو خوب ملا پچھلا گھر اور جو لوگ توڑتے ہیں اقرار اللہ کا

مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ

اس کو پکا کر کر اور کاٹتے ہیں جو چیز کہا اللہ نے اس کو

يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ

جوڑنا اور فساد اٹھاتے ہیں ملک میں ایسے لوگ اُن کو

اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾

ہے لعنت، اور ان کو ہے بُرا گھر

ذکر حال ومآل محقین ومبطلین

قال اللہ تعالیٰ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى.... الیٰ .... اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ

(ربط) گزشتہ آیات میں حق اور باطل کی مثال بیان فرمائی اب ان آیات میں اہل حق اور اہل باطل کا حال اور مآل بیان کرتے ہیں ایک گروہ وہ ہے جس نے دعوت کو قبول کیا یہ گروہ سعداء کا ہے اور ایک گروہ وہ ہے جس نے دعوتِ حق کو قبول نہیں کیا یہ گروہ اشقیاء کا ہے ان آیات میں اخلاق واعمال کے اعتبار سے سُعداء اور اشقیاء کے فرق کو بیان کرتے ہیں تاکہ دونوں گروہوں کا فرق معلوم ہو جائے مبادا کوئی نادان دونوں کو یکساں قرار دے اس لیے اوّل اہلِ حق کے فضائل وشمائل اور ان کے اُخروی نتائج بیان کیے کہ وہ دل میں خوف خدا رکھتے ہیں اور اس کے اوامر و نواہی کے پابند

ہیں اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی رعایت رکھتے ہیں یہ گروہ اہل علم کا ہے اس کے بعد ان کے مقابل اہل باطل کی خرابیاں اور ان کے برے اعمال کا نتیجہ بیان کیا جس کا حاصل یہ ہے کہ اہلِ حق اور اہلِ سعادت نے ہدایت سے حصہ حاصل کیا اور ان کے اعمال ظاہری و باطنی ان کے لیے نافع اور باقی رہے اور اہل باطل نے ہدایت سے حصہ نہ پایا اور ان کے سارے اعمال مثل جھاگ کے باطل اور بے کار گئے اور مرتے ہی دنیا کے تمام منافع اور فوائد زائل ہو گئے چنانچہ فرماتے ہیں جن لوگوں نے اپنے پروردگار کی دعوت کو قبول کیا اور جو آبِ ہدایت اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نازل کیا تھا اس کو نوش جان کیا اور شبہات اور وسواس کا جو میل و کچیل اور خس و خاشاک اس میں باہر سے آلگا تھا اب اس کو ہدایت کے اوپر سے اتار کر پھینک دیا ایسے لوگوں کے لیے آخرت میں بھلائی یعنی جنت مقرر ہے کما قال تعالیٰ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ اور جن لوگوں نے اللہ کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور اس نے آسمان سے ہدایت کا جو آبِ حیات نازل کیا تھا اس کو استعمال کرنے سے اعراض کیا قیامت کے دن اگر ان کے پاس وہ سب کچھ مال و متاع بھی ہو جو روئے زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی ہو تو اس سب کو آخرت کے عذاب سے جان چھڑانے کے لیے دے ڈالیں یعنی کافروں کے پاس قیامت کے دن اگر تمام روئے زمین کا خزانہ اور اتنا ہی اور بھی ہو تو وہ عذاب سے رہائی کے بدلے اس سب کو دے ڈالیں مگر وہاں ان کے پاس مال کہاں دھرا ہے اور اگر بفرض محال ہو بھی تو قبول کہاں ہو سکتا ہے آخرت کے عذاب سے رہائی کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ اس دنیا میں دعوتِ حق کو قبول کریں اور ان کے عقائدِ فاسدہ اور اعمال کاسدہ پانی کے جھاگ کی طرح سب اڑجائیں گے اور علاوہ ازیں قیامت کے دن ایسے لوگوں کے لیے برا حساب ہو گا یعنی سختی سے ان کے اعمال کا محاسبہ اور مناقشہ ہو گا اور ذرہ ذرہ پر مؤاخذہ اور باز پرس ہو گی جس کو دوسری آیت میں حساب عسیر فرمایا اور حساب کے بعد انکا ٹھکانا ہمیشہ کیلئے دوزخ ہے اور وہ بہت بری خوابگاہ ہے مگر کافر چونکہ چشم بصیرت سے عاری اور کور ہے اس لیے اس کو راہ ہدایت نظر نہیں آتی اور مؤمن بینا اور عاقل ہے وہ اپنی عقل سے حق اور باطل کا فرق سمجھتا ہے اور چشم بصیرت سے آیات بینات کو دیکھتا ہے اسلئے اب آئندہ بینا (مؤمن) اور نابینا (کافر) کے فرق کو واضح فرماتے ہیں۔ کیا تم کو ہدایت اور ضلالت کا فرق نظر نہیں آتا پس کیا وہ شخص جو یہ جانتا ہے کہ جو کچھ تیرے پروردگار کی طرف سے اتارا گیا ہے وہ حق ہے کیا ایسا شخص اس شخص کے مانند ہو سکتا ہے جو نابینا ہو اور اسے حق نظر نہ آتا ہو کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں، ہرگز نہیں اسی طرح سمجھو کہ مؤمن اور کافر برابر نہیں ہو سکتے لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ الآیۃ جز ایں نیست کہ نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جن کی عقلیں خالص ہیں اور شوائب وہم اور نفسیات سے پاک ہیں جن کی عقلیں خالص اور صاف ہیں وہی نور بصیرت سے اشیاء کے حقائق اور دقائق کو دیکھتے اور سمجھتے ہیں اولوا الالباب وہ لوگ ہیں جو پند

پذیر اور عبرت گیر ہوں۔

صفاتِ اہل عقل

اب آئندہ آیات میں اہل عقل کی صفات کو ذکر کرتے ہیں کیونکہ عقل تو دل کے اندر چھپی ہوئی ہے اس کا اندازہ صفات ہی سے ہو سکتا ہے کہ اندر عقل ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کس درجہ کی ہے۔

(وصف اول) "اولوا الالباب" وہ لوگ ہیں کہ جو اللہ کے عہد ربوبیت کو پورا کرتے ہیں جو انہوں نے روزِ میثاق اللہ سے باندھا تھا۔

(وصف دوم) اور عہد کو توڑتے نہیں یعنی نافرمانی سے باز رہتے ہیں۔

(وصف سوم) اور جن علاقوں کا اللہ نے ملانے کا حکم دیا ہے ان کو ملاتے اور جوڑتے ہیں یعنی صلہ رحمی کرتے ہیں اور اپنے عزیز واقارب اور رشتہ داروں کے ساتھ احسان اور نیک سلوک کرتے ہیں۔

(وصف چہارم) اور اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں کہ کوئی فعل ہم سے خلافِ عہد سرزد نہ ہو جائے۔

(وصف پنجم) اور ڈرتے ہیں حساب کی سختی سے یعنی سخت محاسبہ سے ڈرتے ہیں اس لیے کہ جس سے حساب میں مناقشہ اور چھان بین ہوئی وہ ہلاک ہوا۔

(وصف ششم) اور جن لوگوں نے محض اپنے پروردگار کی خوشنودی طلب کرنے کے لیے جادہ طاعت پر قائم رہنے میں صبر کیا یعنی شرائع عبودیت کی پابندی کی اور بوجہ مخالفت نفس جو مشقت پیش آئی اس کا تحمل کیا۔

(وصف ہفتم) اور ٹھیک وقت اور ٹھیک آداب کے ساتھ نماز کو ادا کیا۔

(وصف ہشتم ونہم) اور جو مال ومنال اور علم اور فضل وکمال ہم نے ان کو دیا اس میں سے کبھی پوشیدہ اور کبھی ظاہر جیسا موقع ہوا خرچ کیا۔

(وصف دھم) اور وہ بدی کو نیکی سے دفع کرتے ہیں یعنی برائی کا بدلہ بھلائی سے دیتے ہیں اور سیئہ کی ظلمت کو حسنہ کے نور سے زائل کر دیتے ہیں دیکھ لو عقلمند ایسے ہوتے ہیں۔

بدی را بدی سہل باشد جزاء ؛ اگر مردی أحسن إلیٰ من أساء

ایسے ہی عقلمندوں کے لیے دارِ آخرت ہے یعنی ان کے لیے خلود اور بقاء کے باغات ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے اور ان کے آباء واجداد اور ان کی بیویاں اور ان کی اولاد جو نیک ہیں وہ بھی ان کے ساتھ ان باغات میں داخل ہوں گے اگرچہ انکے اعمال اولوا الالباب جیسے نہ ہوں مگر معاملہ ان کے ساتھ ویسا ہی ہوگا یہ اولوا الالباب کی خاص کرامت ہے کہ ان کے طفیل میں ان کے قریبی رشتہ دار بھی ان کے ساتھ ہوں گے اگرچہ ان کے اعمال ان جیسے نہ ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ ان کا ایمان

اور ایقان ٹھیک ہوا ور درست ہو جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ اور فرشتے ان پر جنت کے ہر دروازے سے مبارک باد دینے کے لیے یہ کہتے ہوئے داخل ہونگے سلامتی ہو تم پر اس لیے کہ تم نے صبر کیا یعنی دین حق پر قائم رہے اور ثابت قدم رہے پس کیا ہی اچھا ہے دارِ آخرت جو تمام آفاتِ ظاہری اور باطنی سے سالم اور محفوظ ہے یہ جملہ دارِ آخرت کی ترغیب اور تشویق کے لیے ذکر فرمایا ہے یہاں تک تو اہل جنت اور سعداء کی صفت وکرامت کا بیان ہوا اب اس کے بالمقابل اشقیاء اور کافروں کی خرابیاں اور ان کے بُرے اعمال کا نتیجہ بیان فرماتے ہیں۔

اور جو لوگ نابینا اور نادان اور عقل سے کورے ہیں ان کا حال یہ ہے کہ اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں بعد اس کی مضبوطی کے اور جن رشتوں کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے ان کو توڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلاتے ہیں ہر معصیت فتنہ اور فساد ہے اور سب سے بڑا فساد کفر اور شرک ہے ایسے ہی بدعقلوں پر اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لیے بُرا گھر ہے جس کے مقابلہ میں یہ دنیا ان کے لیے بہشت ہے حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب قبور شہداء پر جاتے تو یہ کہتے سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ، اور اسی طرح حضرت ابو بکر اور عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی کہا کرتے تھے بہرحال ان آیات میں بدبختوں کا حال بیان کیا اور ان کے انجام سے خبر دی کہ ان کا حال اور مآل اہل ایمان کے بالکل برعکس ہے۔

اَللّٰهُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ؕ وَفَرِحُوْا

اللہ کشادہ کرتا ہے روزی جس کو چاہے اور تنگ اور وہ ریجھے ہیں

بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا

دنیا کی زندگی پر اور دنیا کی زندگی کچھ نہیں آخرت کے حساب میں مگر

مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾ ع

تھوڑا برتنا

جواب از شبہ عدم مبغوضیت کفار بنا بر وسعت رزق دنیاوی

قال اللہ تعالیٰ اَللّٰهُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ..... الیٰ ..... اِلَّا مَتَاعٌ

(ربط) گزشتہ آیات میں کافروں کا ملعون و مغضوب ہونا بیان کیا چونکہ اکثر کفار دنیوی مال و دولت اور ظاہری عزت و راحت کے اعتبار سے خوش حال تھے اس لیے دیکھنے والوں کو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ اگر کفار خدا کے نزدیک ملعون و مبغوض ہوتے تو ان پر دنیا میں رزق کی وسعت کیوں ہوتی تو اس آیت میں اس شبہ کا جواب دیتے ہیں کہ رزق کا کم یا زیادہ ہونا ایمان اور کفر پر موقوف نہیں ہم جسے چاہتے ہیں زیادہ رزق دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں کم دیتے ہیں اور دنیاوی زندگی کی عیش و عشرت کا کوئی اعتبار نہیں یہ تو چند روزہ ہے آخرت کا عیش جو ابدی ہے کافر اس سے محروم رکھے جائیں گے سعادت اور شقاوت کا فیصلہ آخرت میں ہوگا دنیا، دارِ امتحان ہے نہ کہ دارِ جزاء دنیا کی تنگی اور فراخی مقبول اور مردود ہونے کی دلیل نہیں بہت سے نیک اشخاص تنگدست ہوتے ہیں اور بہت سے اوباش عیش و عشرت میں ہیں رزق کی فراخی اور تنگی از راہِ حکمت و مصلحت ہے اور یہ کافر جس عیش و عشرت پر خوش ہو رہے ہیں وہ استدراج اور امہال ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِيْنَ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ لہذا کافروں کو چاہئے کہ اپنے مال وجاہ کو دیکھ کر مغرور نہ ہوں مال و دولت کی کثرت مقبولیت کی دلیل نہیں بلکہ یہ من جانب اللہ استدراج اور ڈھیل ہے کہ جرم کا پیمانہ خوب لبریز ہو جائے اور جو کرنا ہے وہ دل کھول کر کر لیں پھر یک لخت ان کو گرفتار کر کے تختۂ دار پر لٹکا دیا جائے

بناداں آں چناں روزی رساند ∴ کہ دانا اندراں حیراں بماند

اللہ تعالیٰ وسعت کے ساتھ رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے رزق کا کم اور زیادہ ہونا کفر اور ایمان پر موقوف نہیں اور کفار اترائے ہوتے ہیں دنیاوی زندگی پر اور اس کی عیش و عشرت پر اور ان کا یہ اترانا بالکل فضول ہے اس لیے کہ دنیاوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں مگر بہت تھوڑا سامان حدیث میں ہے کہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے کوئی اپنی انگلی سمندر میں ڈبو کر نکالے اور دیکھے کہ کیا لائی رواہ الامام احمد وقال اللہ تعالیٰ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۔

✤ ∴ ✤

وَيَقُوْلُ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	لَوْلَآ	اُنْزِلَ	عَلَيْهِ
اور کہتے ہیں	منکر	کیوں نہ	اُتری	اس پر	کوئی
اٰيَةٌ	مِّنْ	رَّبِّهٖ	قُلْ	اِنَّ	اللّٰهَ يُضِلُّ
نشانی	اس کے رب سے	کہہ		اللہ	بھٹکاتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ

جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو

اَنَابَ ﴿٢٧﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ

رجوع ہوا وہ یقین لائے اور چین پکڑتے ہیں ان کے دل اللہ کی یاد

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴿٢٨﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

سے سنتا ہے اللہ کی یاد ہی سے چین پاتے ہیں دل جو یقین لائے اور

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿٢٩﴾ كَذٰلِكَ

کی نیکیاں خوبی ہے ان کو، اور اچھا ٹھکانا اسی طرح

اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟

تجھ کو بھیجا ہم نے ایک امت میں کہ ہو چکی ہیں اس سے پہلے امتیں، تا

عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ۭ

سنا دے تو ان کو جو حکم بھیجا ہم نے تیری طرف اور وہ منکر ہوتے ہیں رحمٰن سے

قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ

تو کہہ وہی رب میرا ہے کسی کی بندگی نہیں اسکے سوا اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی

مَتَابِ ﴿٣٠﴾ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ

طرف آتا ہوں چھوٹ کر اور اگر کوئی قرآن ہوا ہوتا کہ چلے اس سے پہاڑ، یا

قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ۭ بَلْ لِّلّٰهِ

ٹکڑے ہووے اس سے زمین، یا بولے اس سے مردے بلکہ اللہ

الْاَمْرُ جَمِيْعًا ۭ اَفَلَمْ يَايْـــــَٔـسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَاۗءُ

کے ہاتھ میں ہیں سب کام سو کیا خاطر جمع نہیں ایمان والوں کو اس پر کہ اگر چاہے

اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيعًا ۭ وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا

اللہ راہ پر لاوے سب لوگ اور پہنچتا رہے گا منکروں کو اُن

تُصِيبُهُم بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةٌ أَوْ تَحُلُّ قَرِيبًا مِّن

کے کیے پر کھڑکا یا اُترے گا نزدیک اُن کے گھر

دَارِهِمْ حَتَّىٰ يَأْتِيَ وَعْدُ اللَّهِ ۭ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ

سے جب تک پہنچے وعدہ اللہ کا بے شک اللہ خلاف نہیں

الْمِيعَادَ ﴿٣١﴾ ع وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ ع ۵

کرتا وعدہ اور ٹھٹھا کر چکے ہیں کتنے رسولوں سے تجھ سے آگے

فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ قف فَكَيْفَ كَانَ

سو ڈھیل دی میں نے منکروں کو پھر اُن کو پکڑا، تو کیسا تھا

عِقَابِ ﴿٣٢﴾

میرا بدلا

رجوع بہ مبحث نبوّت وبیان حال اہلِ سعادت واہلِ شقاوت

قال اللہ تعالیٰ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ ... الیٰ .... فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ

(ربط) اوپر سے سلسلۂ کلام اہل حق اور اہل باطل کے بارے میں چلا آرہا ہے اور اس سے قبل وَإِن تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ میں نبوّت کے متعلق مضمون تھا اب پھر اسی مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کافروں کا وہی سابق قول کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر ہماری فرمائش کے مطابق معجزہ نازل کیوں نہیں ہوتا پھر نقل کرکے اس کا جواب دیتے ہیں کہ اللہ نے آپ پر بہت سی آیات ظاہرہ اور معجزات قاہرہ نازل کی ہیں لیکن ہدایت اور ضلال سب اللہ کے قبضہ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ نے معجزات اور بینات تو بہت نازل کیے ہیں مگر تمہیں

اللہ کی طرف سے ہدایت اور توفیق نہیں ہوتی تو میں کیا کروں باقی یہ ناممکن ہے کہ معجزات کا نازل ہونا تمہاری خواہشوں کے تابع ہو جائے بعد ازاں اہلِ سعادت اور اہلِ شقاوت کا حال بیان فرمایا۔

اور یہ کافر لوگ آپ کی نبوت پر طعن اور اعتراض کے لیے یہ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی ایسی نشانی جیسی ہم چاہتے ہیں کیوں نہیں اتاری گئی فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ اے نبی! آپ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہے اور راہ بتاتا ہے اس کو جو اس کی طرف رجوع کرے یعنی نشانیاں تو بہت اتاری گئی ہیں مگر خدا نے تم کو گمراہ کر دیا ہے کہ معجزات تمہارے سامنے ہیں مگر تم کو نظر نہیں آتے جو شخص ان نشانیوں کو دیکھ کر بھی راہِ راست پر نہ آئے تو سمجھ لو کہ اللہ کی مشیت یہی ہے کہ وہ راہِ راست پر نہ آئے اللہ کی ہدایت اور توفیق اسی شخص کو نصیب ہوتی ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرے اور حق کا طالب ہو ایسا شخص بلا معجزہ دیکھے ہوئے بھی ایمان لے آتا ہے کیونکہ خدا کی طرف رجوع کرنے والوں کا حال یہ ہے کہ یہ لوگ صدقِ دل سے اللہ پر ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے تسلی اور آرام پاتے ہیں آگاہ ہو جاؤ کہ جو دل حقیقت میں دِل ہیں وہ اللہ ہی کی یاد سے مطمئن ہوتے ہیں اللہ کے ذکر کی خاصیت ہی یہ ہے کہ اس سے دِل کو سکون اور اطمینان حاصل ہو یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ کیے ان کے لیے پاکیزہ زندگی اور اچھا ٹھکانا ہے سکون اور اطمینان دنیاوی مال و دولت سے حاصل نہیں بلکہ تعلق مع اللہ سے حاصل ہوتا ہے۔

ف لغت عرب میں طوبیٰ کے معنی نہایت درجہ کی خوشی اور شادمانی کے ہیں اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے۔

شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں" یعنی حق تعالیٰ کو ضرور نہیں کہ سب کو راہ پر لادے یا نشانیاں بھیج کر ہر طرح ہدایت دے بلکہ یہی منظور ہے کہ کوئی بچلے کوئی راہ پاوے سو جس کے دِل میں رجوع آئے نشان ہے کہ اس کو سوجھانا چاہا" (انتہیٰ)

اب آگے ان لوگوں کا رد فرماتے ہیں کہ جو نبوت و رسالت کو انوکھی چیز سمجھتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اے نبیؐ! جس طرح ہم نے آپ سے پہلے پیغمبروں کو ان کی امتوں کی طرف بھیجا اسی طرح ہم نے تجھ کو ایک امت میں بھیجا ہے جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں تاکہ تو ان کو وہ کتاب پڑھ کر سناوے کہ جو ہم نے تیری طرف وحی کے ذریعے بھیجی ہے جو آپ کی نبوت کی سب سے بڑی نشانی ہے اور اللہ کی عظیم رحمت ہے ان کو چاہیئے تھا کہ اس نعمتِ عظمیٰ کی قدر کرتے اور اس پر ایمان لاتے مگر ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ رحمٰن کے منکر ہیں اسی لئے قرآن پر ایمان نہیں لاتے ان جاہلوں کو اللہ کا نام "رحمٰن" معلوم نہیں چنانچہ ابو جہل ملعون نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس طرح دعا کرتے سنا یا اللہ، یا رحمان! تو اپنی قوم سے جا کر کہنے لگا کہ اب تو محمد صلے اللہ علیہ وسلم دو خدا کو پکارنے لگا ایک معبود کو چھوڑ کر دوسرا معبود پکڑ لیا ایک تو اللہ کو پکارتا

ہے اور ایک رحمٰن کو پکارتا ہے ہم تو سوائے رحمان یمامہ (مسیلمہ کذاب) کے علاوہ اور کسی رحمٰن کو نہیں جانتے اے نبی آپؐ کہہ دیجئے کہ وہ رحمٰن جس کے تم منکر ہو وہی میرا پروردگار ہے اور وہی اللہ ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں کبھی کسی نام سے اور کبھی کسی نام سے اسی ایک رب کو پکارتا ہوں قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ط اَیًّامَّا تَدْعُوْا فَلَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے اور اگر کوئی کتاب الٰہی اس عالم میں ایسی ہوتی کہ جس کے سبب پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹا دیئے جاتے اور زمین ہموار کردی جاتی یا اس کے ذریعہ سے زمین شق کردی جاتی کہ اس سے نہریں جاری ہو جائیں یا اس کے ذریعے مردوں سے باتیں کرائی جائیں کہ مردے اپنی قبروں میں بولنے یا اٹھ کر قبر سے باہر آتے اور لوگوں سے باتیں کرتے تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے۔ کفار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کے معجزات کی فرمائش کیا کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر قرآن کے ذریعے ان کے یہ فرمائشی معجزات بھی دے دیئے جائیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے خوب سمجھ لو کہ ایمان اور ہدایت کسی کے اختیار میں نہیں بلکہ سب اختیار اللہ ہی کو ہے جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہ کرے۔

ف اس آیت میں قرآن سے مطلق کتاب الٰہی مراد ہے جیسا کہ ایک حدیث میں زبور پر بھی لفظ قرآن کا اطلاق کیا ہے۔

بعض مسلمانوں کو از راہِ شفقت و ترحم یہ خیال ہوا کہ کاش کہ کوئی بڑی نشانی اور یہ معجزات ظاہر ہو جاتے تو شاید یہ لوگ ایمان لے آتے اس لیے ان کے جواب اور تسلی کے لیے آئندہ آیت نازل ہوئی کیا مسلمان ان کافروں کے ایمان سے ناامید نہیں ہوتے جو ایسے معجزات مانگتے ہیں جب کہ وہ جان چکے ہیں کہ سب اختیار اللہ ہی کو ہے اگر اللہ چاہے تو سب لوگوں کو ہدایت دیدے تو اے مسلمانو! تم ان کے ایمان سے مایوس ہو جاؤ یہ کسی طرح ایمان نہیں لائیں گے اللہ ہی کو ان کی ہدایت منظور نہیں پھر تم ان معاندین کی فکر میں کیوں لگے ہو اور ہمیشہ پہنچتی رہے گی ان کافروں کو ان کی کرتوتوں کی سزائیں ایک نہ ایک مصیبت جو ان کو ہلاتی رہے اور دھمکاتی رہے یا ان کے گھروں کے قریب ان کے گردونواح والوں پر کوئی مصیبت نازل ہوتی رہے جسے دیکھ کر یہ لوگ عبرت پکڑیں اور نصیحت پاویں اسی طرح مسلمانوں کے جہاد اور غزوات کا اور کافروں پر مصیبتوں اور آفات کا سلسلہ جاری رہے گا یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آپہنچے اور اسلام تمام دینوں پر غالب آجائے جس کا خدائے تعالیٰ نے وعدہ کر رکھا ہے بے شک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا اور آپؐ ان کافروں کے استہزاء اور تمسخر سے رنجیدہ نہ ہوں یہ آپؐ کے ساتھ خاص نہیں اس لیے کہ تحقیق آپؐ سے پہلے بہت سے رسولوں کے ساتھ تمسخر کیا گیا بس میں نے ان مسخروں کو فوراً نہیں

پکڑا بلکہ ان منکروں کو مہلت دی تاکہ دل کھول کر انبیاء کا مذاق اڑالیں پھر جب ان کے جرم کا پیمانہ لبریز ہو گیا تب میں نے ان کو اچانک پکڑ لیا پس سمجھ لو کہ میرا عذاب کیا ہوتا ہے اور کس طرح آتا ہے اس دنیاوی عذاب پر اخروی عذاب کو قیاس کر لو جو دار جزاء ہے جس درجہ کا عناد ہوگا اسی درجہ کی سزا ملے گی حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں کہ "مسلمان چاہتے ہوں گے کہ ایک نشانی بڑی سی آوے تو کافر مسلمان ہو جاویں سو فرمایا اگر کسی قرآن سے یہ کام ہوتے تو البتہ اس سے پہلے ہوتے لیکن اختیار اللہ کا ہے اور خاطر جمع اسی پر چاہیئے کہ اللہ نے نہیں چاہا اگر وہ چاہتا تو حکم کافی تھا لیکن کافر مسلمان یوں ہوں گے کہ ان پر آفت پڑتی رہے گی ان پر پڑے یا ہمسایہ پر جب تک سارے عرب ایمان میں آجاویں وہ آفت یہی تھی جہاد مسلمانوں کے ہاتھ سے"، (انتہے)

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۚ

بھلا جو شخص لیے کھڑا ہے ہر کسی کے سر پر اس کا کیا

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ۭ قُلْ سَمُّوْهُمْ ۭ اَمْ تُنَبِّـــُٔـوْنَهٗ بِمَا

اور ٹھہراتے ہیں اللہ کے شریک کہہ اُن کا نام لو یا اللہ کو جتاتے ہو جو وہ

لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۭ بَلْ

نہیں جانتا زمین میں یا کرتے ہو اوپر اوپر باتیں کوئی نہیں

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ۭ

بر بھلے سوجھاتے ہیں، منکروں کو اُن کے فریب اور روکے گئے ہیں راہ سے

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ عَذَابٌ

اور جس کو بچلاوے اللہ سو کوئی نہیں اس کو بتانے والا اُن کو مار پڑتی ہے

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا

دنیا کی زندگی میں اور آخرت کی مار تو بہت سخت ہے اور کوئی

لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ

نہیں ان کو اللہ سے بچانے والا احوال جنت کا جو کہ وعدہ ملا ہے

الْمُتَّقُوْنَ ۭ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اُكُلُهَا
ڈر والوں کو جنتی ہیں اس کے نیچے نہریں میوہ اس کا

دَاۗىِٕمٌ وَّظِلُّهَا ۭ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ڰ وَّعُقْبَى
ہمیشہ ہے اور سایہ بھی بدلہ رہے ان کا جو بچتے رہے اور بدلہ

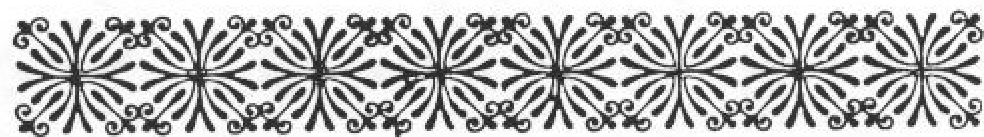
الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ۳۵
منکروں کا آگ ہے۔

تقبیح و تشنیع اہل باطل و سزائے معاندین و جزائے مطیعین

قال اللہ تعالیٰ اَفَمَنْ هُوَ قَاۗىِٕمٌ عَلٰي كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ... الیٰ ... وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ۝
(ربط) اوپر کی آیتوں میں توحید کا ذکر تھا اب ان آیات میں اہل شرک کی تقبیح و تشنیع اور اہل ایمان اور اہل کفر کی جزاء و سزا کا ذکر فرماتے ہیں۔

پس کیا وہ ذات جو ہر شخص کے سر پر قائم ہے اور اس کی قیوم ہے اور اس کے تمام اعمال پر مطلع ہے ان کے بتوں کی مثل ہو سکتی ہے ہرگز نہیں یعنی کیا وہ ذات پاک جو ہر ایک کی حافظ اور نگہبان ہے اور لوگوں کے نیک اور بدعمل سے باخبر ہے کیا وہ ان بتوں کے برابر ہو سکتی ہے جو محض عاجز اور بے خبر ہیں ہرگز نہیں اور ان لوگوں نے اللہ کے شریک ٹھہراتے ہیں اے نبی! آپ ان سے کہیے کہ ذرا ان شرکاء کا نام تو لو، دیکھیں کیسے ہیں ان میں کوئی صفت الوہیت کی بھی ہے یا نہیں اور اوپر جو خداوند قدوس کی صفات بیان کی گئی ہیں کیا کوئی حیادار ان پتھروں میں ان کا کوئی نام و نشان بتا سکتا ہے یا تم خدا کو اس چیز کے وجود سے مطلع کرتے ہو جس کے زمین میں ہونے کی اس کو خبر نہیں بفرض محال اگر زمین میں کوئی اس کا شریک ہوتا تو اس کو ضرور معلوم ہوتا یہ ناممکن ہے کہ کوئی چیز واقع میں موجود ہو اور اللہ کو اس کا علم نہ ہو اور زمین کی قید اس لیے لگائی کہ بت پرستوں نے جس قدر شرکاء ٹھہراتے ہوئے تھے وہ سب زمین میں ہی کے تھے یا بے سوچے سمجھے اور بے دلیل محض سرسری اور ظاہری بات کہتے ہو جس کی واقع میں کوئی حقیقت اور مصداق نہیں جیسے حبشی کا نام کافور رکھ لیا جائے اس طرح تمام بتوں کو الٰہ کہنا بے معنی الفاظ ہیں تم نے محض اپنے خیال سے ان کو معبود ٹھہرا لیا ہے جس پر کوئی دلیل نہیں اِنْ هِىَ اِلَّآ اَسْمَاۗءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ؕ بلکہ حق یہ ہے کہ کچھ بھی نہیں کافروں کے لیے ان کا مکر و فریب ان کی نظروں میں آراستہ کر دیا گیا یعنی ان کا کفر و شرک محض ایک ملمع کاری ہے جس کو شیطان نے ان کی نظروں میں خوب صورت کرکے دکھلا یا ہے، سب دھوکہ اور فریب ہے اور اسی ملمع کاری کی وجہ سے یہ لوگ سیدھے راستے سے روک دیئے گئے ہیں شیطان نے ان کو غلط راستے پر ڈال دیا اور جس کو خدا گمراہ کرے اس کو کوئی راہ دکھلانے والا نہیں ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں بھی عذاب ہے مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل اور قید یا طرح طرح کی ذلتیں اور مصیبتیں اور البتہ آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے کیونکہ وہ شدید بھی ہے اور دائم و مدید بھی ہے اور ان کو اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی صفت یہ ہے کہ اس کے درختوں اور مکانوں کے نیچے نہریں جاری ہیں میوہ اس کا دائم ہے کبھی منقطع نہ ہوگا اور اس کا سایہ بھی دائم ہے وہ بھی منقطع نہ ہوگا جنت میں نہ سورج ہے نہ چاند اور نہ تاریکی لیکن دور دور تک سایہ پھیلا ہوا ہے یہ جنت جزاء ہے متقیوں کے لیے اور کافروں کی جزاء آگ ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگی



وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ

اور جن کو ہم نے دی ہے کتاب خوش ہوتے ہیں اس سے جو اُترا

اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ

تیری طرف اور بعضے فرقے نہیں مانتے اس کی بعضی بات

قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ

کہہ مجھ کو یہی حکم ہوا کہ بندگی کروں اللہ کی اور شریک نہ کروں اس کے

اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا

ساتھ اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف میرا ٹھکانا اور اسی طرح اُتارا ہم نے یہ کلام

عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ

حکم عربی زبان میں اور اگر تو چلے اُن کے شوق پر بعد اس علم کے جو تجھ کو



مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾
پہنچا کوئی نہیں تیرا اللہ سے حمایتی اور نہ بچانے والا

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ
اور بھیجے ہیں ہم نے کتنے رسول تجھ سے آگے اور دی تھیں ان کو

اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۭ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ
جورو ئیں اور لڑکے اور نہ تھا کسی رسول کو کہ لے آوے کوئی نشانی

اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا
مگر اللہ کے اذن سے ہر وعدہ ہے لکھا ہوا مٹاتا ہے اللہ جو

يَشَاۗءُ وَيُثْبِتُ ښ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ
چاہے اور رکھتا ہے اور اسی پاس ہے اصل کتاب اور یا کبھی دکھاویں ہم

بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ
تجھ کو کوئی وعدہ جو دیتے ہیں اُن کو یا تجھ کو بھر لیویں سو تیرا ذمہ تو پہنچانا ہے

الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي
اور ہمارا ذمہ حساب لینا کیا نہیں دیکھتے ؟ کہ ہم چلے آتے ہیں

الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا
زمین پر گھٹاتے اس کو کناروں سے اور اللہ حکم کرتا ہے کوئی نہیں

مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۭ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾ وَقَدْ مَكَرَ
کہ پیچھے ڈالے اُس کا حکم اور وہ شتاب لیتا ہے حساب اور فریب کرچکے

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ۭ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ
ہیں اُن سے اگلے ، سو اللہ کے ہاتھ ہیں سب فریب جانتا ہے جو کماتا ہے

كُلُّ نَفْسٍ ۚ وَسَيَعْلَمُ الْكُفَّرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٤٢﴾ وَ

ہر جی اور اب معلوم کریں گے منکر کس کا ہوتا ہے پچھلا گھر اور

يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا ۚ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ

کہتے ہیں منکر تو بھیجا نہیں آیا کہہ اللہ بس ہے

شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِندَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ﴿٤٣﴾ ع

گواہ میرے تمہارے بیچ اور جس کو خبر ہے کتاب کی

ع ۶ ۱۲

خطاب بہ اہل کتاب دربارۂ نبوت

قَالَ اللّٰهُ تعالیٰ وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَفْرَحُونَ ...... الیٰ ...... وَمَنْ عِندَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ

(ربط) اوپر کی آیتوں یعنی وَإِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ (الخ) وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا میں نبوت کی بحث گزری، اب ان آیات میں اہل کتاب کی حالت اور منکرین نبوت کے چند شبہات کا جواب دیتے ہیں کفار عرب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں زیادہ یہ شبہات کیا کرتے تھے ایک[۱] شبہ یہ تھا کہ پیغمبر کو تو فرشتوں کی طرح زن و فرزند سے اور علائق بشریہ سے پاک ہونا چاہیئے۔ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ میں اس شبہ کا جواب دیا گیا کہ آپؐ سے پہلے جو نبی بھیجے گئے اور جن کی نبوت کو اہل کتاب بھی مانتے ہیں جیسے حضرت ابراہیمؑ وغیرہ وہ بھی اہل و عیال والے تھے دوسرا[۲] شبہ یہ کرتے تھے کہ یہ کیسے نبی ہیں کہ جو ہماری خواہش کے مطابق معجزات نہیں دکھلا سکتے وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَن يَأْتِيَ بِآيَةٍ میں اس شبہ کا جواب دیا گیا کہ یہ بات رسول کے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ کے اختیار میں ہے تیسرا[۳] شبہ ان کا یہ تھا کہ ہماری تکذیب اور مخالفت پر جن مصائب اور آفات سے ہم کو ڈراتے ہیں وہ ہم پر نازل کیوں نہیں ہوتیں لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ سے اس شبہ کا جواب دیا کہ خدا کے یہاں ہر شئے کا وقت مقرر ہے جو پہلے سے لکھا جا چکا ہے اور اس لفظ سے ان کے ایک اور شبہ کا اجمالاً جواب ہو گیا کہ یہ کیسے نبی ہیں کہ تورات و انجیل کے احکام کا اور خود اپنی شریعت کے احکام کا نسخ جائز رکھتے ہیں معلوم ہوا کہ یہ قرآن خدائی کلام نہیں پھر آئندہ آیت میں اسی جواب کی تفصیل فرمائی يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ کہ حسب مصلحت احکام بدلتے رہتے ہیں ان شبہات کی تفصیل کے لیے تفسیر کبیر صفحہ ۳۱۴ جلد پانچ دیکھیں اب آئندہ آیات میں ان تمام شبہات کا جواب دیتے ہیں

چنانچہ فرماتے ہیں ۔
اور جن لوگوں کو ہم نے آسمانی کتاب دی یعنی توریت وانجیل جیسے عبداللہ بن سلامؓ اور نصارائے نجران وبمن۔ مراد اس سے وہ اہل کتاب ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس عطیہ کو قبول کیا اور اس سے منتفع ہوئے ایسے لوگ خوش ہوتے ہیں اس کتاب سے جو آپ کی طرف نازل کی گئی کیونکہ نور عقل سے قرآن کو علم ومعرفت کا منبع پاتے اور اس کی خبر اپنی کتابوں میں پاتے ہیں اور بعضے فرقے اس قرآن کی بعض باتوں کو نہیں مانتے جو ان کی دنیوی اغراض ومنافع میں حائل اور مانع بنتی ہیں آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تمہیں اپنا اختیار رہے کہ تم اپنے احمقانہ عقائد "تثلیث" اور "کفارہ" پر قائم رہو جز ایں نیست کہ مجھ کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں صرف ایک اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں کسی کو خدا کا بیٹا ماننا یا جورو بنانا یہ شرک ہے اور میں لوگوں کو صرف اللہ ہی کی طرف بلاتا ہوں نہ کسی غیر کی جانب کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں اور اسی کی طرف دعوت دینے کے لیے مبعوث ہوا ہوں اور اسی کی طرف مجھے واپس جانا ہے اس سرائے فانی کا قیام چند روزہ ہے مطلب یہ ہے کہ قیامت حق ہے اور اس پر میرا ایمان ہے اور یہ امور اہل کتاب کے نزدیک بھی مسلم ہیں اس لیے کہ اصولاً اہل کتاب توحید اور رسالت اور قیامت کے قائل ہیں اور جس طرح ہم نے قرآن سے پہلی کتابوں کو صاحب کتاب کی زبان میں اتارا اسی طرح ہم نے اس کتاب کو حکم عربی بنا کر آپ کی زبان میں اتارا جو حد اعجاز کو پہنچا ہوا ہے اور پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور یہ قرآن اللہ کی آخری کتاب ہدایت ہے۔
اس لیے اہل کتاب پر اس کا اتباع واجب ہے کیونکہ یہ آخری کتاب ہونے کی وجہ سے تمام پہلی کتابوں کی ناسخ ہے اور ناسخ کے بعد منسوخ کا اتباع ھُدیٰ نہیں بلکہ ہوائے نفس ہے اس لیے اے نبیؐ! اگر بفرض محال آپ نے اس علم الٰہی کے آجانے کے بعد ان کی خواہشوں کا اتباع کیا تو اللہ کے مقابلہ میں آپ کا کوئی مددگار اور عذاب الٰہی سے بچانے والا نہیں مطلب یہ کہ اللہ کے احکام کو صاف صاف بیان کرو کسی بات میں ان کی پیروی اور رعایت نہ کرو اور ان سے نہ ڈرو ظاہر میں یہ خطاب اگرچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر اصل مقصود اہل کتاب مشرکین اور منکرین کو سنانا ہے اور اگر کوئی آپؐ کی نبوت میں یہ طعن کرے کہ رسول کو نکاح اور بیوی بچوں اور کھانے پینے سے کیا مطلب، نبی کو ان دنیوی مرغوبات اور لذات سے کیا تعلق تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات نبوت کے منافی نہیں اس لیے کہ تحقیق ہم نے آپ سے پہلے کتنے ہی رسول بھیجے جو کھاتے اور پیتے تھے اور ہم نے ان کو بیبیاں اور اولاد بھی دی نکاح اور اولاد سے نبوّت میں کوئی فرق نہیں آتا بلکہ اس سے بشریت کی تکمیل اور تنزیہ ہو جاتی ہے اسلام ہمیں رہبانیت نہیں سکھاتا حضرات انبیاءؑ جسمانیت اور روحانیت دونوں اعتبار سے کامل ہوتے ہیں اس لیے اہل وعیال ان کے فرائض رسالت کی ادائیگی میں حارج اور مزاحم نہیں ہوتے اور اگر کوئی آپؐ کی نبوّت میں یہ شبہ کرے کہ اگر آپؐ

اللہ کے نبی ہیں تو ہماری خواہش کے مطابق معجزات کیوں نہیں دکھلاتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی رسول کے امکان میں یہ نہیں کہ بغیر حکم خداوندی اپنی طرف سے کوئی معجزہ اور نشانی لا سکے بغیر خدا کی مرضی کے پیغمبر معجزہ نہیں دکھا سکتا معجزہ کا ظہور اللہ کے ارادہ اور مشیت اور اس کی حکمت اور مصلحت پر موقوف ہے نہ کسی خواہش اور رغبت پر وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر وقت موعود اور موت معینہ کے لیے ایک خاص حکم لکھا ہوا ہے اور ہر دور دورہ کے لیے اس کے یہاں ایک کتاب اور خاص تحریر ہوتی ہے جو مقتضائے حکمت و مصلحت اس مدت اور قرن کے لیے مناسب ہوتی ہے اور وہ کتاب کارکنان قضاء و قدر یعنی ملائکہ مدبرات کو دے دی جاتی ہے جب تک اس کی میعاد باقی رہتی ہے اس وقت تک وہ حکم جاری رہتا ہے جب اس کی میعاد ختم ہو جاتی ہے تب دوسرے زمانہ اور قرن کے مناسب دوسرا حکم آتا ہے اس جگہ اجل سے ازمنۂ موجودات مراد ہیں ہر موجود کے لیے ایک محدود اور معین زمان چاہیئے جس میں وہ محدود ہو کر پایا جائے نہ بڑھے نہ گھٹے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو وقت کسی کام کے لیے مقرر کر دیا ہے وہ اس کے یہاں لکھا ہوا جب وہ وقت آتا ہے تو جو حکم اس وقت کے مناسب ہونا ہے وہ ظاہر ہوتا ہے ہر زمانہ کے لیے اس کے یہاں ایک مخصوص کتاب ہے اس نے کمال علم و حکمت سے ہر زمانہ کے لیئے ایک حکم معین اور مقدر فرما دیا ہے جو ان پر اپنے وقت پر ظاہر ہوتا ہے اسی طرح سمجھو کہ کوئی نشان اپنے لکھے ہوئے وقت سے پہلے ظاہر نہیں ہو سکتا اللہ کا کارخانہ لوگوں کی فرمائشوں اور پبلک کے مطالبات پر نہیں چلتا اللہ نے اپنی حکمت اور مصلحت سے ہر کام کے لیے وقت مقرر کر کے لکھ دیا ہے جب تک وہ مقرر وقت نہ آ جائے وہ کام نہیں ہو سکتا مطالبہ اور جلد بازی سے کچھ نہیں ہوتا اس ارشاد سراپا رشاد سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ ہر قضائے الٰہی اور وعدۂ خداوندی کا وقت لکھا ہوا ہے اور ہر قرن اور زمانہ کے لیے جدا حکم ہے جو اس کے مناسب ہے اور ہر حکم اپنے لکھے ہوئے کے مطابق اپنے وقت پر ظاہر ہوتا ہے۔

اس آیت سے مشرکین کے اس شبہ کا جواب ہو گیا جو مشرکین کہتے تھے کہ آپ اپنے کفر اور تکذیب کی بناء پر جن بلاؤں اور عذابوں سے ہم کو ڈراتے ہیں وہ کہاں ہیں اس کے جواب میں فرمایا کہ ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر ہے اور معین ہے جو اللہ کے یہاں لکھا ہوا ہے اپنے اپنے وقت پر اس کا ظہور ہوتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ، میں اجل سے وقت موعود اور مدت معینہ مراد ہے اور کتاب سے نامۂ خداوندی اور نوشتۂ خداوندی مراد ہے اور آیت اپنے ظاہر پر ہے جمہور مفسرین نے اسی

ؔ اس آیت کی یہ تفسیر، تفسیر بیضاوی اور تفسیر ابوالسعود اور تفسیر روح المعانی سے ماخوذ ہے حضرات اہل علم ان تفسیروں سے مراجعت فرمائیں (واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم)

کو اختیار فرمایا ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہر وہ وقت جس میں اللہ نے کسی امر کے وقوع کو مقدر کیا ہے اللہ کے یہاں اس کے جاری ہونے کا وقت لکھا ہوا ہے اسی لکھے ہوئے کے مطابق اس کا وقوع اور ظہور ہوتا ہے اور فراء نحوی رح یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے اور اصل کلام اس طرح ہے لِكُلِّ كِتَابٍ أَجَلٌ، یعنی امر جس کو خدا تعالیٰ نے لکھ رکھا ہے اس کے لیے ایک اجل مؤجل اور وقت معلوم ہے کما قال اللہ تعالیٰ لِكُلِّ نَبَإٍ مُّسْتَقَرٌّ (دیکھو تفسیر[۱] قرطبی ص ۳۲۸ نیز تفصیل کے لیے تفسیر کبیر ص ۲۱۵ جلد ۵ دیکھیں)

اب آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مالک و مختار ہے اسی نے اپنی حکمت اور ارادہ اور مشیت سے ہر چیز کا ایک وقت مقرر کر دیا ہے مگر وہ اس پر لازم نہیں اس میں جس طرح چاہے تغیر و تبدل کر سکتا ہے اس لیے کہ اللہ اپنی قدرت اور حکمت سے جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے اس کو ثابت اور برقرار رکھتا ہے وہ لکھے ہوئے میں تغیر و تبدل پر قادر ہے اس کو اختیار ہے کہ جس حکم کو چاہے منسوخ کر دے اور جس کو چاہے باقی رکھے یہ اس لیے فرمایا کہ یہود یہ کہتے تھے کہ یہ کیسا نبی ہے کہ جو توریت اور انجیل میں اور اپنی شریعت کے احکام میں نسخ کو جائز رکھتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ اللہ اپنی حکمت اور مصلحت کے موافق نازل کرتا ہے اور جب وہ مصلحت نہیں رہتی تو اس حکم کو محو کر دیتا ہے یعنی منسوخ کر دیتا ہے اس سے یہود و نصاریٰ کے اس شبہ کا جواب ہو گیا جو وہ نسخ احکام کے متعلق کرتے تھے۔

جاننا چاہیے کہ اس آیت میں جو محو و اثبات کا ذکر کیا گیا اس میں ہر قسم کی تغییر و تبدیل داخل ہے مثلاً حکومتوں کا فناء و زوال اور قوموں کا ادبار و اقبال اور سعادت و شقاوت کا بدلنا اور رزق میں فراخی اور تنگی ہونا اور عالم سفلی میں کون و فساد کا ہونا اس قسم کے تمام تغیرات اور انقلابات محو و اثبات کے عموم میں داخل ہیں اور مطلب یہ ہے کہ وہ مالک و مختار ہے کبھی موجود کرتا ہے اور کبھی معدوم کبھی زندہ کرتا ہے اور کبھی مارتا ہے کبھی مالدار بناتا ہے اور کبھی فقیر وغیرہ وغیرہ پس اسی طرح اس کو اختیار ہے کہ جس حکم کو چاہے کسی وقت منسوخ کر دے اور جس حکم کو چاہے برقرار رکھے وہ علیم و حکیم ہے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں غرض یہ کہ[۲] ہر قسم کی تغییر و تبدیل اور ہر قسم کا محو و اثبات اور نسخ احکام سب اسی کے ہاتھ میں ہے اور محو و اثبات اور

---

۱ : قال القرطبی قولہ تعالیٰ لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ ای لکل امر قضاہ اللہ کتاب عند اللہ قال الحسن وقیل فیہ تقدیم وتاخیر المعنی لکل کتاب اجل قال الفراء والضحاک المعنی لکل امر کتبہ اللہ اجل مؤجل و وقت معلوم نظیرہ لِكُلِّ نَبَإٍ مُّسْتَقَرٌّ (تفسیر قرطبی ص ۳۲۸ جلد ۹)

۲ دیکھو تفسیر کبیر ص ۲۱۶ جلد ۵ امام رازی رح نے اسی کو اختیار فرمایا ہے کہ محو و اثبات سے کسی خاص شیٔ کا محو و اثبات مراد نہیں بلکہ عام معنی مراد ہیں ۱۲

تغیر و تبدیل "بدا"، نہیں (جیساکہ روافض کا گمان ہے) بلکہ بطریق حکمت و مصلحت ہے اس لیے کہ اس کے پاس اصل کتاب ہے جس کا نام لوح محفوظ ہے جس میں اس محو و اثبات و تغیر و تبدیل کی تمام تفصیل درج ہے اور یہ لوحِ محفوظ قضا و قدر کے تمام دفاتر کی جڑ ہے اور تغیر و تبدیل اور محو و اثبات سے منزہ اور مبرّیٰ ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں "دنیا میں ہر چیز اسباب سے ہے بعضے اسباب ظاہر ہیں بعضے اسباب کی تاثیر کا ایک اندازہ ہے جب اللہ چاہے اس کی تاثیر اندازہ سے کم یا زیادہ کر دے جب چاہے ویسی ہی رکھے آدمی کبھی کنکر سے مرتا ہے اور کبھی گولی سے بچتا ہے اور ایک اندازہ ہر چیز کا اللہ کے علم میں ہے وہ ہرگز نہیں بدلتا اندازے کو تقدیر کہتے ہیں یہ دو تقدیریں ہیں ایک بدلتی ہے ایک نہیں بدلتی۔ جو تقدیر بدلتی ہے اس کو معلق کہتے ہیں اور جو نہیں بدلتی اس کو مبرم کہتے ہیں" اھ (کذا فی موضح القرآن)

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ ان آیات کے ترجمہ میں تحریر فرماتے ہیں ہر قضائے موقت را نامہ ہست یعنی چوں قضائے الٰہی بوجہے متحقق شود آنرا در عالم ملکوت ثبت می کنند نابود می سازد خدا ہر چہ می خواہد و ثابت می کند ہر چہ خواہد و نزدیک اوست ام الکتاب یعنی لوح محفوظ مترجم گوید صورت حادثہ در عالم ملکوت خلق می فرماید بعد ازاں اگر خواہد محو کند و ثابت دارد و شاید کہ معنی چنیں باشد ہر زمانے را شریعتے ہست نسخ می کند، خدائے تعالیٰ آنچہ می خواہد و ثابت می گذارد آنچہ خواہد و نزدیک اوست لوح محفوظ" واللہ اعلم (فتح الرحمٰن)

حاصل کلام یہ کہ ان آیات میں حق تعالیٰ نے اپنی صفت تقدیر اور علم ازلی کو بیان کیا کہ حق تعالیٰ نے حوادث اور واقعات کے لیے ایک وقت مقدر اور مقرر فرمایا ہے ان میں خدا کی مرضی سے رد و بدل بھی ہوتا رہتا ہے اور ایک حکم قطعی ہے وہ کبھی نہیں بدلتا پہلے کو قضاء معلق اور دوسرے کو مبرم کہتے ہیں۔

مسئلۂ بدا کی مختصر تشریح

شیعہ آیت مذکورہ یعنی يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ سے بدا ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں جس محو اور اثبات کا ذکر ہے اس سے بطریق بدا محو اور اثبات مراد ہے اللہ تعالیٰ ان کو عقل اور فہم دے اہل سنت کہتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی تغیر و تبدیل اور محو و اثبات سب اللہ کے ہاتھ میں ہے عالم میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ سب اس کے علم ازلی اور ارادہ اور مشیّت سے ہو رہا ہے اور اللہ کا علم اور ارادہ بدا سے پاک اور منزّہ ہے شیعوں کے اس خیال سراپا خبال کے اختلال ظاہر کرنے کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ

مسئلہ بدا کی مختصر سی تشریح کر دی جاتے۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بدا جائز نہیں اس لیے کہ بدا کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ ایک چیز کا ارادہ فرمائے پھر اس کو کسی دوسری چیز میں مصلحت ظاہر ہو جو اس سے قبل ظاہر نہ تھی پس ارادۂ اول کو فسخ کر کے دوسری چیز کا ارادہ کر لے تو یہ بدا ہے شیعہ کہتے ہیں کہ اللہ کے لیے بدا جائز اور واقع ہے اور آیت مذکورہ یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ کو استدلال میں پیش کرتے ہیں یعنی اللہ مٹاتا ہے جو چاہتا ہے۔ اور جو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے شیعہ کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جب اللہ کو دوسری مصلحت ظاہر ہوتی ہے تو پہلے ارادہ کو بدل دیتا ہے اور یہ ہی معنی بدا کے ہیں علماء شیعہ اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں ان معنی قولنا بدالله تعالیٰ انہ ظهر له ما لم یکن ظاهرا یعنی ہمارے اس قول کہ اللہ تعالیٰ کو بدا واقع ہوا اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کو ایسی بات ظاہر اور معلوم ہوتی جو پہلے ظاہر نہ ہوئی تھی۔

اہل سنت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بدا کا واقع ہونا ناممکن اور محال ہے کیونکہ نصوص متواترہ سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ اللہ کا علم ازل تمام کائنات کو محیط ہے ازل سے ابد تک تمام کائنات اور ممکنات کو برابر اور یکساں جانتا ہے کوئی چیز ایسی نہیں کہ جس کو پہلے سے نہ جانتا ہو اور بعد میں اس کو جانے عقلاً یہ بات محال ہے کہ اللہ پر کوئی ایسی چیز اور منکشف ہو جو پہلے اس پر ظاہر اور منکشف نہ تھی اور سورۂ طٰہٰ میں ہے لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسٰی، اللہ کا علم غلطی اور نسیان سے پاک ہے معاذ اللہ اگر حق تعالیٰ کے لیے بدا جائز ہے۔ تو لازم آتے گا کہ حق تعالیٰ ناعاقبت اندیش ہے اور اس کو انجام کا علم نہیں تَعَالَی اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔

عجیب بات ہے کہ شیعوں کے نزدیک ایمہ کو تو علم ما کان وما یکون ہو اور خداوند علام الغیوب کو نہ ہو کہ جس کو بدا کی ضرورت لاحق ہو کہ مصلحت ظاہر ہوتے پر پہلے ارادہ کو فسخ کرے اور دوسری چیز کا ارادہ کرے۔

شیعہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں خلفاء ثلاثہ اور مہاجرین اور انصار کی مدح کی مگر بعد میں بدا واقع ہوا کہ یہ ساری تعریفیں اور سارے وعدے غلطی سے اوّل ظہور میں آتے اور بعد میں حقیقۃ الامر صحابہ کی جناب باری کو معلوم اور ظاہر ہو گئی مگر حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں کسی جگہ بھی اشارتاً اور کنایۃً یہ نہیں بتلایا کہ صحابہ کے بارہ میں مجھے بدا واقع ہو گیا ہے شیعوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو صحابہ کے بارہ میں قدر قلیل بدا واقع نہیں ہوا بلکہ بمقدار عظیم و کثیر بدا واقع ہوا کہ بے شمار آیتوں میں صحابہ کی مدح فرما گئے اور بعد میں ظاہر ہوا کہ یہ سب خلاف مصلحت تھا اور معاذ اللہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تو ساری ہی عمر اسی غلطی میں مبتلا رہے جس سے خداوند کریم کو بدا واقع ہوا شاید حسب زعم شیعہ جو قرآن امام غائب کے پاس ہے اس میں کوئی آیت ایسی ہو جو اس بات پر دلالت کرتی ہو

کہ اللہ تعالیٰ کو صحابہؓ کے بارہ میں بدا واقع ہوا۔

بدا کی اقسام

شیعوں کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بدا کی تین قسمیں ہیں۔

قسم اول: بدا فی العلم وَھُوَ اَن یظھر لہٗ خلاف ماعلم، یعنی بدا در علم یہ ہے کہ پہلے علم کے خلاف کوئی چیز ظاہر ہو یعنی خدا تعالیٰ نے پہلے سے جو جان رکھا تھا بعد میں حقیقۃ الامر اس کے خلاف معلوم ہوئی اور منکشف ہوئی۔

قسم دوم بدا فی الارادہ وَھُوَ ان یظھر لہٗ علیٰ خلاف ما ارادہ۔ یعنی بدا در ارادہ یہ ہے کہ پہلے کچھ ارادہ تھا پھر بعد میں یوں معلوم ہوا کہ یہ ارادہ ٹھیک نہیں تھا۔

قسم سوم: بدا فی الامر وھو ان یامر بشیئ ثم یامر بشیئ بعدہ یعنی بدا فی الامر یہ ہے کہ پہلے کچھ حکم دیا پھر بعد ازاں یہ معلوم ہوا کہ پہلے حکم میں کچھ غلطی تھی اس حکم کو بدل کر دوسرا حکم ایسا دیا کہ جس میں یہ غلطی نہ ہو بلکہ مصلحت وقت کے مطابق ہو۔

اور شیعہ ان تینوں معنی پر خدا تعالیٰ کے بدا کو جائز قرار دیتے ہیں اور بدا کی پہلی قسم کو شیعہ اپنے عرف میں بدا در اخبار کہتے ہیں اور دوسری قسم کو بدا در تکوین کہتے ہیں اور تیسری قسم کو بدا در تکلیف کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اہل سنت نے بھی بدا کی اس تیسری قسم کو جائز رکھا ہے چونکہ بدا کی تیسری قسم یعنی بدا فی الحکم اور بدا فی التکلیف بظاہر نسخ کے مشابہ معلوم ہوتی ہے جس کے اہل سنّت قائل ہیں اس لیے شیعوں نے یہ کہدیا کہ اہل سنت بھی بدا کی تیسری قسم یعنی بدا فی الحکم کو جائز رکھتے ہیں اور بدا کو جائز نہیں رکھتے اور نسخ اور بدا فی الامر میں فرق ہے اور ہر ایک کی حقیقت دوسرے سے مغایر اور جدا ہے۔

نسخ اور بدا فی الحکم میں فرق اہل سنت کہتے ہیں کہ نسخ کی حقیقت اور ہے اور بدا کی حقیقت اور ہے نسخ کی حقیقت یہ ہے کہ ایک حکم کا زمانہ ختم ہو جائے اور دوسرے حکم کا زمانہ آجائے معاذ اللہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ پہلے حکم میں کچھ غلطی تھی اس لیے وہ حکم موقوف ہو گیا بلکہ وہ حکم اسی زمانہ تک تھا اس کے بعد دوسرے حکم کا زمانہ آگیا چاہے بندوں میں سے کسی کو پہلے سے زمانۂ حکم اول کی مقدار اور مدت معلوم ہو یا نہ ہو اللہ کے یہاں ہر حکم کی ایک میعاد اور وقت مقرر ہے وہ حکم اس میعاد اور مدّت تک برقرار رہتا ہے اور یہ سب کچھ اس حکم ازلی میں ہوتا ہے اور ہر حکم اپنے اپنے وقت میں عین حکمت اور عین

مصلحت ہوتا ہے اور غلطی اور خطاء سے پاک اور مبرا ہوتا ہے اور بدا کی حقیقت یہ ہے کہ پہلے ایک حکم دیا پھر جب اس میں کوئی نقصان معلوم ہوا تو اس کو بدل دیا تو خطا اور غلطی بدا کے مفہوم اور اس کی حقیقت میں داخل ہے ورنہ پھر وہ بدا نہیں تمام کتب شیعہ سے یہ ہی ظاہر ہوتا ہے کہ بدا کی حقیقت یہ ہی ہے کہ پہلی بات میں کوئی غلطی اور چوک ظاہر ہو جاتے اور نیا علم پیدا ہو۔

اہل سنت اس کو محال اور ناممکن قرار دیتے ہیں کہ اللہ کے علم میں اور اس کے ارادہ میں اور اس کے حکم میں کسی خطا اور نسیان کا ذرہ برابر امکان نہیں اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے علیم اور حکیم ہے اس کو کوئی نیا علم ظاہر نہیں ہوتا اور لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسٰى اس کی شان ہے اس کے علم میں کسی غلطی اور بھول چوک کا امکان نہیں اور اللہ تعالیٰ کا بندوں کی مصلحت اور ان کے فائدہ اور منفعت کے لیے احکام کو بدلنا یہ نسخ ہے بدا نہیں اللہ تعالیٰ کا ہر حکم ہر زمان اور مکان میں حق اور درست ہے اور اس کے علم قدیم اور حکمت ازلیہ پر مبنی ہے اور خطا اور نسیان سے پاک اور منزہ ہے نسخ میں حکم اوّل کی تبدیلی اس بنا پر نہیں کہ کوئی جدید مصلحت ظاہر ہوئی جو پہلے ظاہر نہ تھی بلکہ مصالح مکلفین کی تبدیلی کی بناء پر احکام میں تبدیلی ہوئی ہے اور اللہ کے علم ازلی میں پہلے سے تھا کہ یہ حکم فلاں وقت تک رہے گا اس لیے اہل سنت نسخ کے قائل ہیں اور بدا کے قائل نہیں کیونکہ بدا کے معنی یہ ہیں کہ جب غلطی معلوم ہو تو اس کو بدل دیا جائے یہ اہل سنت کہتے ہیں کہ اللہ کا علم محیط ہے اور کوئی چیز ایسی نہیں کہ جس کو حق تعالیٰ قبل ہونے کے اور بعد ہونے کے برابر نہ جانتا ہو۔

بر و علم یک ذرہ پوشیدہ نیست ❊ کہ پیدا و پنہاں بنزدش یکیست

اور آیت يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ میں محو اور اثبات سے نامہائے اعمال سے حسنات اور سیئات کا محو و اثبات مراد ہے یا احکام اور شرائع میں تغیر و تبدل مراد ہے علم الٰہی میں محو اور اثبات مراد نہیں کیونکہ اسی آیت کے بعد متصلاً یہ وارد ہے وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ اور اللہ کے پاس اصل کتاب ہے یعنی لوح محفوظ ہے اس میں نہ تغیر ہے اور نہ تبدل ہے اور علم الٰہی میں محو اور اثبات اور تغیر و تبدل عقلاً محال ہے عالم میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ سب اس کے علم ازلی کے مطابق اور موافق ہو رہا ہے۔

اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ کے یہاں دو دفتر ہیں ایک بڑا دفتر ہے جس کی طرف ام الکتاب کا لفظ اشارہ کرتا ہے دوسرا چھوٹا دفتر ہے اور لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ سے چھوٹے دفتر کی طرف اشارہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کے یہاں ہر دور اور مدت کے لیے ایک جدا کتاب ہے اس میں سے جو چاہے مٹا دے اور جو چاہے باقی رکھے اور یہ محو و اثبات اس چھوٹے دفتر میں ہوتا ہے بڑے دفتر میں نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ جملہ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ چھوٹے دفتر یعنی لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ کے بعد واقع ہے اور یہ ہی مذہب اہل سنت کا ہے وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ بڑا دفتر علم خداوندی کے موافق ہے

یا خود علم خداوندی ہے اس میں گھٹاؤ بڑھاؤ نہیں ہوتا پھر شیعہ کس خوبی پر یہ دعوی کرتے ہیں کہ بدا کلام اللہ سے ثابت ہے۔

مسئلہ بدا کے متعلق ہم نے بقدر ضرورت یہ مختصر کلام ہدیۂ ناظرین کیا ہے جو تحفۂ اثنا عشریہ مصنفہ حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ اور ہدیۃ الشیعہ مصنفہ حضرت مولینا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ سے ماخوذ ہے حضرات اہل علم اصل کی مراجعت فرمائیں۔

کفر کا زوال اور اسلام کا اقبال

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاِنْ مَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُھُمْ۔۔۔ الیٰ۔۔۔ وَمَنْ عِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتٰبِ

(ربط) گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ نے اپنی شان محو و اثبات اور صفت تغییر و تبدیل کا ذکر فرمایا اب آئندہ آیات میں کفر کے زوال اور اسلام کے عروج اور اقبال کو بیان فرماتے ہیں کہ اس کے آثار شروع ہو گئے ہیں نیز گزشتہ آیات میں کافروں پر دنیوی آفات اور مصائب کے نزول کی خبر دی تھی کما قال تعالیٰ وَلَا یَزَالُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا تُصِیْبُھُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَۃٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِیْبًا مِّنْ دَارِھِمْ الخ اور فرمایا تھا لَھُمْ عَذَابٌ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَۃِ اَشَقُّ اب ان آیات میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ اب ان مواعید کے آثار ظاہر ہونے لگے ہیں ان منکرین نبوت کو چاہیئے کہ کفر کے زوال اور اختلال کے اور اسلام کے عروج اور اقبال کے جو آثار من جانب اللہ نمودار ہو رہے ہیں نظر اٹھا کر ان کو دیکھیں چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر ان لوگوں کو آپ کی نبوت میں اس بناء پر شبہ ہے کہ کفر و تکذیب کی بناء پر جس عذاب کی دھمکی دی جاتی ہے وہ نازل کیوں نہیں ہوتا تو اسکے متعلق سن لیجئے۔

اے نبی! اگر ہم آپ کو اس عذاب میں سے جس کا کافروں کو وعدہ دیتے ہیں اس کا کچھ حصہ آپ کو آپ کی زندگی ہی میں دکھلا دیں یعنی آپ کی زندگی ہی میں ان پر کوئی عذاب نازل ہو جاتے اور اہل کفر کی ذلت و خواری آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں یا ان وعدوں کے وقوع سے پہلے آپ کو دُنیا سے اٹھا لیں اور آپ کی وفات کے بعد آپ کے جانشینوں اور خادموں کے ہاتھ پر باقی ماندہ وعدوں کو پورا کریں، بہرحال جو بھی صورت ہو آپ فکر میں نہ پڑیں آپ سے کوئی باز پرس نہ ہوگی بہرحال آپ کے ذمہ تو ہمارا پیغام پہنچا دینا ہے اور ہمارے ذمہ ہے ان سے حساب لینا اور ان کو سزا دینا خدا نے اسلام کی فتح و نصرت اور غلبہ کا اور کفر کی ذلت کا جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا خواہ دیر سے ہو یا سویرے سے باقی ان منکرین کو تاخیر اور مہلت سے بے خبر نہیں ہونا چاہیئے کفر کے زوال اور اسلام کے عروج کے آثار شروع ہو گئے ہیں کیا یہ منکرین نبوت اس بات کو نہیں دیکھتے کہ ہم زمینِ کفر کو اطراف و جوانب سے گھٹاتے چلے آرہے ہیں دن بدن ملک میں اسلام بڑھتا اور پھیلتا جا رہا

ہے اور کفر گھٹتا جا رہا ہے اور سرداران کفر اسلام کے حلقہ بگوش بنتے جا رہے ہیں اور روز بروز اسلام کی شوکت بڑھ رہی ہے اور کفر و شرک ذلیل و خوار ہو رہا ہے تو اعدائے اسلام اس سے عبرت کیوں نہیں حاصل کرتے بعض مفسرین نے اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا سے فتوحات اسلامیہ مراد لی ہیں اس بناء پر ان کو اشکال پیش آیا کہ یہ سورت تو مکی ہے ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اور ہجرت سے پہلے فتوحات اسلامیہ نہ تھیں تو اس اعتراض سے بچنے کے لیے یہ کہہ دیا کہ یہ سورت مدنی ہے مگر آیت کا صحیح مطلب وہ ہے جو ہم نے عرض کیا اور اس پر یہ اشکال ہی وارد نہیں ہوتا کہ جواب کی ضرورت پیش آئے حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے اپنے اردو فائدہ میں اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فارسی فائدہ میں اسی مطلب کو اختیار کیا وہی راجح اور مختار ہے اور اشکال سے خالی ہے حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں۔

یعنی روز بروز شوکت اسلام بزمین عرب منتشر می شود و دارالحرب ناقص می گردد از اطراف آں عامہ مفسرین ایں آیت را مدنی دانند و نزدیک مترجم لازم نیست کہ مدنی باشد و مراد از نقصان دارالحرب اسلام اسلم و غفار و جہینہ و مزینہ و قبائل یمن است پیش از ہجرت، انتہٰی۔

اور شاہ عبدالقادر صاحبؒ لکھتے ہیں "ہم چلے آتے ہیں زمین پر گھٹاتے یعنی اسلام پھیلتا جا رہا ہے عرب کے ملک میں اور کفر گھٹتا ہے" اھ۔

مقصود اس آیت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے کہ اگر یہ معاندین آپؐ کی نبوت اور دعوت کو قبول نہ کریں تو رنجیدہ نہ ہوں آپؐ کا جو کام تھا وہ آپؐ نے کر دیا اور آیت لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ لَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ میں ہم نے عذاب کا وعدہ کیا ہے کہ وہ اپنے وقت پر آئے گا اس کا کچھ حصہ آپؐ کی زندگی میں آپؐ کو دکھلا دیں گے اور باقی ماندہ حصہ آپؐ کی وفات کے بعد پورا ہوگا آپ بے فکر رہیں قضاء الٰہی میں بعض فتوحات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی واقع ہونے والے تھے اور بعض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے خلفاء کے ہاتھ پر واقع ہونے والے تھے۔ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے جو وعدہ فتوحات اور غلبۂ اسلام کا کیا اس کا پورا کرنا ہمارے ذمہ ہے ان میں سے بعض دکھلا دیں گے اور بعض آپؐ کے اٹھا لینے کے بعد آپ کے خادموں کے ہاتھ پورے ہوں گے کیا مسلمانوں کو معلوم نہیں ہے کہ ہم دن بدن کفار کی زمین اطراف و جوانب سے کم کرتے جاتے ہیں اور مسلمانوں کو اس کا وارث بناتے جاتے ہیں۔

اور اللہ حکم دیتا ہے جو چاہتا ہے کوئی اس کے حکم کو پیچھے ہٹانے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے کافروں کو جلد سزا دے گا اور مومنوں کو جلد جزاء دے گا اور یہ لوگ جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں تو خوب سمجھ لیں کہ تحقیق گزشتہ کافروں نے بھی اپنے انبیاء کے ساتھ مکر و فریب کیا مگر سب بے کار گیا اس لیے کہ سب مکر و فریب اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے مکر کے معنی یہ ہیں کہ کسی کو ایسے طریقہ سے برائی پہنچانا کہ خبر نہ ہو سو یہ امر حقیقتاً اللہ ہی کے اختیار میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کافروں کے مکر کو چلنے نہیں دے گا ہر شخص جو بھی کام اور تدبیر کرتا ہے اللہ اس کو خوب

جانتا ہے اور یہ مکر کرنے والے اللہ کی ڈھیل سے دھوکہ میں نہ پڑیں ان کافروں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ دار آخرت کا اچھا انجام کس کیلئے ہے۔

اور کافر یہ کہتے ہیں کہ آپ خدا کے بھیجے ہوئے نہیں آپ کہہ دیجئے کہ تمہارے انکار سے کیا ہوتا ہے میرے اور تمہارے درمیان اللہ کافی گواہ ہے خداوند قدوس نے میری صداقت کے بڑے بڑے نشانات تم کو دکھلائے، شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کی گواہی کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سچ کو بڑھاتا ہے اور جھوٹ کو مٹاتا ہے اور جس کے پاس کتاب الٰہی کا صحیح علم ہے۔ وہ بھی میری نبوّت کا کافی گواہ ہے یعنی جن یہودیوں اور عیسائیوں کو توریت اور انجیل کا صحیح اور واقعی علم ہے اور وہ طالب دنیا اور حق کو چھپانے والے نہیں تو وہ میری نبوت کو خوب جانتے ہیں چنانچہ ایسے یہودیوں اور عیسائیوں نے آپؐ کی نبوت کی شہادت دی قال اللہ تعالیٰ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

اللّٰھم انی اشھد انک انت اللہ لا الٰہ الا انت وحدک لا شریک لک واشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدک ورسولک ربنا اٰمنا بما انزلتنا واتبعنا الرسول فاکتبنا مع الشاھدین واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ اٰلہ واصحابہ اجمعین وعلینا معھم یا ارحم الراحمین۔

خاتمہ

الحمد للہ آج بتاریخ ۱۵ شوال المکرم یوم یکشنبہ بوقت چاشت سورۃ رعد کی تفسیر سے فراغت ہوئی فللہ الحمد اولاً وآخراً۔ اے اللہ اپنی رحمت کاملہ سے بقیہ تفسیر کے اتمام کی توفیق عطا فرما اور اس کو قبول فرما، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ وَتُبْ عَلَيْنَآ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ؕ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تفسیر سورۂ ابراہیم

یہ سورت مکی ہے ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اس میں باون آیتیں اور سات رکوع ہیں چونکہ اس سورت میں خانہ کعبہ اور حج بیت اللہ کے متعلق حضرت ابراہیمؑ کی دعاؤں کا ذکر ہے جو خانہ کعبہ کی عظمت اور فضیلت پر دلالت کرتی ہیں اسی لیے یہ سورت انھیں کے نام سے موسوم ہوئی کیوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی یہ دعائیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور سراپا نور سے پوری ہوئیں اور خانہ کعبہ قبلۂ صلوات قرار دیا گیا اور حج بیت اللہ جو اسلام کا چوتھا رکن ہے وہ فرض ہوا اور یہ سب حضرت ابراہیمؑ کی فضیلت اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے۔

(ربط) سورت سابقہ کی طرح اس سورت میں بھی توحید اور رسالت اور قیامت کے مضامین کا ذکر ہے گزشتہ سورت کے شروع میں نزولِ قرآن کا ذکر تھا اور اس سورت کے شروع میں نزولِ قرآن کی حکمت کا بیان ہے کہ لوگ اس قرآن کے ذریعہ ظلمت سے نکل کر نور میں آئیں۔

نیز گزشتہ سورت میں وَمَا كَانَ لِرَسُوۡلٍ اَنۡ يَّاۡتِىَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ کا مضمون تھا اسی طرح اس سورت میں انبیاء و رسلؑ کا جواب مذکور ہے وَمَا كَانَ لَنَاۤ اَنۡ نَّاۡتِيَكُمۡ بِسُلۡطٰنٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ دونوں آیتوں کا ایک ہی مطلب ہے نیز گزشتہ سورت میں کافروں کے مکر کا ذکر تھا اسی طرح اس سورت میں بھی کافروں کے مکر کا ذکر ہے۔

«««««««««««««««««««««««««

آیاتها ۵۲	۱۴ سُوۡرَةُ اِبۡرٰهِيۡمَ مَكِّيَّةٌ : ۷۲	رکوعاتها ۷

سورۂ ابراہیم مکیّ ہے اور اس میں باون آیتیں اور سات رکوع ہیں

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بخشنے والا نہایت مہربان ہے

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَيۡكَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ

ایک کتاب ہے کہ ہم نے اُتاری تیری طرف، کہ تو نکالے لوگوں کو اندھیروں سے

إِلَى النُّورِ ۙ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ﴿١﴾
اجالے کو، اُن کے رب کے حکم سے، راہ پر اس زبردست سراہے اللہ کی

اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَ
جس کا ہے سب، جو کچھ آسمانوں و زمین میں اور

وَيْلٌ لِّلْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ﴿٢﴾ الَّذِينَ
خرابی ہے منکروں کو ایک سخت عذاب سے جو پسند

يَسْتَحِبُّونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَيَصُدُّونَ
رکھتے ہیں زندگی دنیا کی آخرت سے اور روکتے ہیں

عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا ۚ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ
اللہ کی راہ سے، اور ڈھونڈھتے ہیں اس میں کجی وہ بھول پڑے ہیں

بَعِيدٍ ﴿٣﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ
دور ∴ اور کوئی رسول نہیں بھیجا ہم نے، مگر بولی بولتا اپنی قوم کی

لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۖ فَيُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي
کہ اُن کے آگے کھولے پھر بھٹکاتا ہے اللہ جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے

مَنْ يَشَاءُ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٤﴾
جس کو چاہے اور وہ ہے زبردست حکمتوں والا

آغاز سورت بہ بیان مقصد بعثت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی الٓرٰ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ... الٰی.. وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ

گزشتہ سورت کی طرح اس سورت کا آغاز بھی قرآن کریم کی عظمت سے کیا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ یہ

بتلا دیا گیا کہ قرآن کے نازل کرنے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے مقصد یہ ہے کہ آپؐ اس کتاب کے ذریعے سے لوگوں کو اندھیرے سے روشنی کی طرف نکالیں اور جو لوگ دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں ان کو آخرت کا راستہ بتلائیں دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے اور "ظلمات" یعنی اندھیروں سے کفر اور شرک اور معصیت کے انواع و اقسام مراد ہیں اور "نورِ حق" سے دین حق مراد ہے چنانچہ فرماتے ہیں الٓر، اسکے معنیٰ اللہ ہی کو معلوم ہیں یہ کتاب ایک قرآن ہے جو ہم نے تجھ پر اتاری ہے تاکہ تو اس کے ذریعہ سے لوگوں کو کفر اور معصیت کی تاریکیوں سے ایمان اور ہدایت کی روشنی کی طرف نکالے ان کے پروردگار کے حکم سے یعنی خدا کی توفیق اور ہدایت سے جس کے لیے ہدایت مقدر کی ہے وہ رسولؐ کی دعوت سے ہدایت قبول کرے گا کیونکہ اصل ہادی اللہ تعالیٰ ہیں اور رسول داعی ہیں اپنی دعوت کے ذریعہ ظلمتوں سے نکال کر روشنی کی طرف یعنی ایسے خدا کے راستہ کی طرف لے جاتے ہیں جو غالب اور ستودہ ہے اور وہ راہ دین اسلام ہے اس اللہ کے راستہ کی طرف کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کی ملک ہے اور خرابی اور بربادی ہے کافروں کے لیے کہ جو راہ کج کی طرف مائل ہیں اور اس سیدھی راہ میں حائل ہیں ایسوں کے لیے بڑا سخت عذاب ہے کیونکہ یہ لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے دنیاوی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں محبوب رکھتے ہیں ان کی تمام جدوجہد صرف دنیا کے لیے ہے اور آخرت کو طاق نسیان میں رکھ دیا ہے خود کا تو یہ حال ہے اور دوسروں کو بھی راہِ خدا سے روکتے ہیں اور راہ حق میں کجی کے متلاشی رہتے ہیں یعنی دین اسلام میں طرح طرح کے عیب نکالتے رہتے ہیں تاکہ اسی سیدھے راستے کو ٹیڑھا ثابت کر سکیں ایسے ہی لوگ ایسی گمراہی میں جا پڑے ہیں جو حق اور نور ہدایت سے بہت دور ہے بظاہر اب راہِ ہدایت کی طرف آنے کی کوئی امید نہیں۔

کفار کا ایک شبہ اور اس کا جواب

کفار یہ کہتے تھے کہ یہ قرآن تو آپؐ کی زبان میں اترا اگر کسی اور زبان میں ہوتا تو ہم یقین کرتے کہ یہ منزل من اللہ ہے یہ قرآن تو آپؐ ہی کی زبان میں ہے اس لیے یہ احتمال ہے کہ شاید یہ قرآن خود آپؐ ہی کا بنایا ہوا ہے اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اسی قوم کی بولی اور زبان میں تاکہ احکام الٰہیہ کو بخوبی ان کی زبان میں بیان کر سکے اور قوم اس کی بات کو بآسانی سمجھ سکے اور وہ نبی ان کو خدا کا راستہ بتاتے اور ظلمت سے ان کو نور کی طرف نکالے پھر اس انداز اور بیان کے بعد جب ان پر حجت الٰہیہ قائم ہو جاتی ہے تو اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے کہ ہدایت کا نور اس کے دل تک نہیں پہنچتا اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے کہ اس کے دل میں نور پیدا کرتا ہے اور وہ ایسا غالب اور زبردست ہے کہ کوئی اس کی مشیت کو روک نہیں سکتا بڑا حکمت والا ہے

کسی کو ہدایت دینا اور کسی کو گمراہ کرنا یہ اس کی حکمت ہے جہاں عقل کی رسائی نہیں

فائدۂ جلیلہ بعض لوگوں کو بِلِسَانِ قَوْمِہٖ کے لفظ سے خصوص بعثت کا شبہ ہو گیا اور یہ وہم ہو گیا کہ آپؐ کی نبوت صرف عرب کے لیے تھی جیسا کہ بعض یہود کہتے تھے کہ آپؐ فقط قوم عرب کے لیے مبعوث ہوتے ہیں۔

یہ بیان اور خیال قطعًا غلط ہے اس لیے کہ بے شمار آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ سے یہ امر ثابت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم عرب اور عجم اور تمام عالم کی طرف مبعوث ہوتے اور اس آیت میں قوم سے شہر اور قبیلہ اور خاندان کے لوگ مراد ہیں نہ کہ امت مراد ہے اور قوم اور امت میں زمین و آسمان کا فرق ہے قوم خاص ہے اور امت عام ہے قوم تو اس قبیلہ اور خاندان کو کہتے ہیں جس میں آپؐ پیدا ہوتے اور عرب اور عجم اور کل عالم آپؐ کی امت ہے جن کی ہدایت کے لیے آپؐ مبعوث ہوتے پہلے زمانہ میں ہر نبی صرف اپنی قوم کے لیے مبعوث ہوتا تھا اس لیے انبیاء سابقینؑ میں قوم اور امت کا مصداق ایک ہی تھا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت چونکہ عام ہے اس لیے آپؐ کی قوم کا مصداق تو خاص ہے اور امت کا مصداق عام ہے اور آیت میں جو قصر ہے وہ فقط باعتبار لسان اور زبان کے ہے یعنی ارسال بزبان قوم مخصوص ہے اور مطلب یہ ہے کہ نبی کی زبان وہی ہوتی ہے جس قوم میں نبی پیدا ہوا اور یہ مطلب نہیں کہ نبی کی امت صرف وہی قوم ہے اور جو اس کی ہم زبان ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم چونکہ تمام اقوام عالم کی طرف مبعوث ہوتے اس لیے یہ تو مناسب نہ تھا کہ ہر قوم کی زبان میں علیحدہ علیحدہ قرآن اترتا اس صورت میں نزاع اور اختلاف کا دروازہ کھل جاتا اور ہر قوم اپنی زبان کے اعتبار سے ایسے معنی کی مدعی بنتی جسے دوسری قوم نہ سمجھ سکتی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم چونکہ قوم عرب میں مبعوث ہوتے اور لغت عرب تمام لغات عالم میں سب سے اشرف، اور اکمل اور افصح اور ابلغ ہے اسلیئے آپؐ پر عربی زبان میں کتاب الٰہی کا نزول اولیٰ اور انسب ہوا اور حضور پُر نورؐ چونکہ اشرف الرسل اور اکمل الرسل ہیں اس لیے آپؐ پر کتاب اسی زبان میں نازل کی گئی کہ جو تمام لغات میں سب سے اشرف اور اکمل ہے کسی زبان میں عربی زبان جیسی نہ لغت تھی اور نہ صرف و نحو اور نہ بلاغت ہے کافیہ اور شافیہ اور تلخیص المفتاح کا تو کیا ذکر کریں امریکہ اور برطانیہ کے پاس انگریزی زبان کے قواعد کی میزان منشعب اور پنج گنج اور نحو میر بھی نہیں اگر ہے تو لائے اور دکھلاتے۔

<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<<

وَلَقَدْ	اَرْسَلْنَا	مُوْسٰى	بِاٰيٰتِنَآ	اَنْ	اَخْرِجْ
اور بھیجا تھا	ہم نے	موسیٰ	اپنی نشانیاں دے کر،	کہ	نکال اپنی

قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ۵

قوم کو اندھیروں سے اُجالے کو

وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اور یاد دلا اُن کو دِن اللہ کے البتہ اس میں

لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۵ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ

نشانیاں ہیں اس کو جو ثابت رہنے والا حق ماننے والا اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو

اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ

یاد کرو اللہ کا احسان اپنے اوپر، جب چھڑایا تم کو فرعون کی قوم سے

يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ

وہ دیتے تھے تم کو بری مار، اور ذبح کرتے بیٹے تمہارے اور

يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

اور جیتی رکھتے عورتیں تمہاری اور اس میں مدد ہوئی تمہارے رب کی

عَظِيْمٌ ۶ ع وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ

بڑی اور جب سنا دیا تمہارے رب نے، کہ اگر حق مانوگے تو اور دوں گا تم کو

وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۷ وَقَالَ مُوْسٰٓى

اور اگر ناشکری کروگے تو میری مار سخت ہے اور کہا موسیٰ نے

اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ

اگر منکر ہوگے تم اور جو لوگ زمین میں ہیں سارے تو اللہ

لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۸

بے پرواہ ہے سب خوبیوں سراہا

ذکر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی، وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ ....اِلٰی...... فَاِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ حَمِیْدٌ

(ربط) گزشتہ آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض وغایت کو ذکر کیا اب آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرامؑ کے کچھ واقعات ذکر کرکے بتلاتے ہیں کہ اور انبیاء کی بعثت سے بھی یہی مقصود تھا کہ وہ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائیں اور ان کو آخرت کا بھولا ہوا سبق یاد دلائیں اور اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں کہ انسان ظلمت سے نکل کر نور میں آجاتے اور اس کو خدا کا راستہ نظر آنے لگے اور جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم کی زبان عبرانی میں کتاب دی اسی طرح ہم نے آپؐ کو قرآن آپؐ کی قوم کی زبان عربی میں دیا چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور البتہ بھیجا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں دے کر اپنی قوم کو کفر کی تاریکیوں سے نور ایمان کی طرف نکال اور ان کو یاد دلا کہ وہ دن جس میں اللہ نے قوم نوح اور قوم عاد اور قوم ثمود سے اپنے پیغمبروں کا بدلہ لیا یا یہ مطلب ہے کہ ان کو اللہ کے انعام اور انتقام کے واقعات اور معاملات یاد دلا ؤ بے شک اس قسم کے معاملہ میں ہر صابر و شاکر کے لیے نشانیاں ہیں اور یاد کرو اس وقت کو جب کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے اے میری قوم! یاد کرو اللہ کے انعامات اور احسانات کو جو تم پر ہوئے خاص کر جب کہ اس نے رہائی دی تم کو آل فرعون کے ظلم وستم سے، وہ تم کو بری طرح عذاب دیتے اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری لڑکیوں، بیٹیوں کو عورتوں کو زندہ چھوڑتے بلکہ چاہتے تھے کہ لڑکیاں زندہ رہیں تاکہ ان کو باندیاں بنا کر ان سے خدمت لیں اور اس معاملہ میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی یا یہ معنی ہیں کہ ایسی بلا سے نجات دینا اور پھر اسے عروج میں بدلنا حق تعالیٰ کی بڑی نعمت تھی اور موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ اے میری قوم وہ وقت یاد کرو جب میرے پروردگار نے میرے ذریعہ تم کو خبردار اور آگاہ کر دیا تھا کہ اگر تم میری نعمتوں کا شکر کرو گے تو البتہ میں تم کو اور زیادہ دوں گا اور اگر تم نے میری ناشکری کی تو سمجھ رکھو بے شک میرا عذاب سخت ہے تو تم کو ڈرنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ ناراض ہو کر اپنی نعمت نہ واپس لے لے شیخ عطارؒ فرماتے ہیں۔

شکر نعمت نعمتت افزوں کند ؛ کفر نعمت نعمتت بیروں کند

اس لیے بعض بزرگوں کا قول ہے کہ اگر اسلام اور ایمان کی نعمت کا شکر کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس میں زیادتی فرمائے گا اور مقام احسان اور مشاہدہ تک پہنچا دے گا اور موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی کہا اے قوم اگر تم اور تمام روئے زمین کے باشندے مل کر بھی خدا کی ناشکری کرنے لگو تو خوب سمجھ لو کہ تحقیق اللہ بے نیاز ہے اسے کسی کے شکر کی ذرہ برابر ضرورت نہیں اور نہ تمام عالم کی ناشکری سے اس کا کوئی ضرر

ہے اور وہ ستودہ ہے اور کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی تسبیح و تحمید میں غرق ہے

بذکرش جملہ موجودات گویا ÷ ہمہ او راز روئے شوق جویا

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

کیا نہیں پہنچی تم کو خبر اُن کی جو پہلے تھے

قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۛ وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۛ

تم سے قوم نوح کی اور عاد اور ثمود اور جو ان سے پیچھے ہوئے،

لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ۭ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

اُن کی خبر نہیں مگر اللہ کو ÷ آئے ان پاس رسول اُن کے نشانیاں لے کر

فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا

پھر اُلٹے دیئے اُن کے ہاتھ اُن کے منہ میں اور بولے ہم نہیں مانتے

بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ

جو تمہارے ہاتھ بھیجا اور ہم کو شبہ ہے اس راہ میں جس طرف ہم کو بلاتے ہو

اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ⑨ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ

جس سے خاطر جمع نہیں بولے اُن کے رسُول کیا اللہ میں شبہ ہے جس نے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ

بنائے آسمان اور زمین تم کو بلاتا ہے کہ بخشے کچھ گناہ تمہارے

وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا

اور ڈھیل دے تم کو ایک وعدہ تک جو ٹھہر چکا ہے کہنے لگے تم تو یہی

بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۭ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ

آدمی ہو ہم سے، چاہتے ہو، کہ روک دو ہم کو اُن چیزوں سے جن کو پوجتے

آبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٠﴾ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ

رہے ہمارے باپ دادے، سولاؤ کوئی سند کھلی ان کو کہا ان کے رسولوں نے

اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ

ہم بھی آدمی ہیں جیسے تم لیکن اللہ احسان کرتا ہے

عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ

اپنے بندوں میں جس پر چاہے اور ہمارا کام نہیں کہ

نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ

لاویں تم پاس سند مگر اللہ کے حکم سے اور اللہ پر

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١١﴾ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ

بھروسہ چاہیئے ایمان والوں کو اور ہم کو کیا ہوا کہ بھروسا نہ کریں اللہ پر

وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ

اور وہ سمجھا چکا ہم کو ہماری راہیں اور ہم صبر کریں گے ایذا پر جو ہم کو دیتے ہو



وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿١٢﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ

اور اللہ پر بھروسا چاہیئے بھروسے والوں کو اور کہا منکروں نے

كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ

اپنے رسولوں کو ہم نکال دیں گے تم کو اپنی زمین سے یا پھر آؤ ہمارے

فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٣﴾

دین میں تب حکم بھیجا اُن کو، رب اُن کے نے ہم کھپا دینگے ان ظالموں کو

وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ

اور بسا دیں گے تم کو اس زمین میں اُن کے پیچھے یہ ملتا ہے اس کو جو ڈرا

مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ

کھڑے ہونے سے میرے سامنے اور ڈرا میرے ڈرسے اور فیصلہ لگے مانگنے اور نامراد ہوا جو

جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ

سرکش تھا ضد کرنے والا پیچھے اس کے دوزخ ہے اور پلاویں گے اس کو پانی

صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ

پیپ کا گھونٹ گھونٹ لیتا ہے اس کو اور گلے سے نہیں اُتار سکتا اور چلی آتی ہے

مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ

اس پر موت ہر جگہ سے اور وہ نہیں مرتا اور اس کے پیچھے مار ہے

غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾

گاڑھی

تذکیر بایام اللہ

قَالَ اللّٰهُ تعالیٰ، اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ .... اِلیٰ .... وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ

ربط، گزشتہ آیات میں موسیٰ علیہ السّلام کو حکم تھا کہ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ، کہ لوگوں کو اللہ کے دین یعنی اس کے معاملات کی یاد دلاؤ کہ کس طرح اللہ نے انبیاء سابقینؑ کے مکذبین اور منکرین کو ہلاک کیا تاکہ یہ منکرین ان سے عبرت پکڑیں ان آیات میں پہلی امتوں کا حال اور مآل یاد دلاتے ہیں کہ انہوں نے انبیاءؑ کے ساتھ کیا معاملہ کیا اور پھر خدا نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا گزشتہ قوموں نے اپنے مال و دولت پر بھروسہ کرتے ہوتے انبیاءؑ کی تحقیر و تذلیل میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اور انبیاء کرامؑ نے اپنے پروردگار پر بھروسہ کیا جس کا انجام یہ ہوا کہ انبیاء کرام اور ان کے اصحاب و احباب نے نجات پائی اور ان کے دشمن عذابِ خداوندی سے ہلاک ہوتے چنانچہ فرماتے ہیں کیا تم کو ان لوگوں کی ہلاکت کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے تھے یعنی قوم نوح اور عاد قوم ہود اور ثمود قوم صالح کی اور ان قوموں کی جو ان تینوں قوموں کے بعد گزریں جن کے مفصل حالات اور تعداد کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا مطلب یہ ہے کہ تم کو ان کے حال سے عبرت پکڑنی چاہیئے یہ کلام یا تو موسیٰ علیہ السّلام کے کلام کا تتمہ ہے یا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے لوگوں کو خطاب ہے اور ان قوموں کی خبران لوگوں میں معروف اور متواتر تھی اور ان کا آغاز اور انجام ان کو معلوم تھا اس لیے ان کو یاد دلایا تاکہ عبرت پکڑیں اللہ تعالی نے ان کا عبرت ناک حال اس طرح بیان کیا کہ ان کے رسول ان کے پاس اپنی رسالت کے کھلے ثبوت لے کر آئے پس ان کی قوموں نے ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا۔

(۱) کہ اپنے ہاتھ ان پیغمبروں کے منہ میں دے دیئے کہ چپ رہو اور کوئی حرف اس قسم کا منہ سے نہ نکالو یا یہ معنی ہیں کہ قوموں نے تعجب سے اپنے منہ میں دے دیئے یعنی انگشت بدنداں ہو گئے کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔

(۲) اور یہ کہا کہ ہم اس پیغام کو نہیں مانتے جو تم دے کر بھیجے گئے ہو یعنی جس چیز کو تم اپنے زعم میں پیغام خداوندی بتلاتے ہو ہم اس کو نہیں مانتے۔

(۳) اور جس راہ کی طرف تم ہم کو بلاتے ہو اس کے بارہ میں ہم شک میں ہیں جس نے ہم کو قلق اور اضطراب میں ڈال دیا ہے اور اس شک کا منشاء صرف ان کی جہالت اور بے خبری اور اغراض فاسدہ تھیں اس لیے رسولوں نے ان کے جواب میں کہا، کیا تم کو اللہ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے یعنی یہ آسمان اور زمین تمہاری نظروں کے سامنے ہیں جو اس امر کی روشن دلیل ہے کہ یہ اتنی بڑی عمارت خود بخود تو بن کر کھڑی نہیں ہوگئی یہ عجیب وغریب آفرینش اس کے صانع کی ہستی پر شاہد ہے پس جس خداوند ذوالجلال کا وجود اور ہستی اس قدر بدیہی ہے اس کا کیوں انکار کرتے ہو اس کے بعد اس کی کمال رحمت کو بیان کرتے ہیں وہ خدا تم کو ایمان اور ہدایت کی طرف اس لیے بلاتا ہے تاکہ تمہارے کچھ گناہ معاف کرے اور تاکہ تمہیں ایک مدت معینہ تک مہلت دے اور دنیا میں تم پر عذاب نہ کرے اس جواب پر قوم کفار کے لوگ بولے اور تین شبہے پیش کیے۔

پہلا شبہ

تو یہ کیا کہ تم ہم جیسے ایک آدمی ہو اور تمام انسان ماہیت انسانیہ اور حقیقت بشریہ میں مساوی اور برابر ہیں پھر کیسے ممکن ہے کہ ایک انسان تو اللہ کا رسول ہو جائے اور دوسرا اس پر ایمان لائے اور اس کا پیرو بنے تم صورت اور ہیئت میں ہم جیسے ہو تم کو ہم پر کیا فضیلت اور برتری ہے جو ہم تمہاری پیروی کریں۔

دوسرا شبہ

یہ کیا کہ ہم نے اپنے آباء واجداد کو اسی طریقہ پر پایا اور تم یہ چاہتے ہو کہ ہم کو ان چیزوں کی پرستش

سے روک دو جن کو ہمارے آباؤ اجداد پوجتے تھے ہم تمہارے کہنے سے اپنے آبائی طریقہ کو کیسے چھوڑیں ۔

تیسرا شبہ

یہ تھا کہ اگر تم دعوائے نبوت ورسالت میں سچے ہو تو ہمارے سامنے ایسی روشن دلیل لاؤ جس کو ہم بھی تسلیم کریں مطلب یہ تھا کہ تم نے جو معجزات ہم کو دکھلاتے ہیں ان پر ہم مطمئن نہیں ایسے معجزات قاہرہ دکھلاؤ جن کو دیکھ کر آدمی ایمان لانے پر مجبور ہو جائے ۔

رسولوں کا جواب

ان کے رسولوں نے ان کے جواب میں ان سے کہا کہ تمہارے یہ تینوں شبہے مہمل ہیں ۔

پہلے شبہ کا جواب

بے شک ہم تم جیسے بشر ہیں یعنی صورت اور ہیئت میں بلاشبہ تمہاری طرح ہیں اس سے ہم انکار نہیں کرتے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے اور نبوت ورسالت سے اس کو سرفراز کرتا ہے جنس انسانیت میں شریک ہونے سے یہ لازم نہیں کہ اس جنس کے تمام افراد فضائل وکمالات میں برابر ہو جائیں صورت اور ہیئت کے اعتبار سے عاقل اور غافل، جاہل اور فاضل سب برابر ہیں پس جس طرح ایک جنس کے افراد میں فضائل جسمانیہ کے اعتبار سے تفاوت ممکن ہے اسی طرح فضائل روحانیہ میں بھی تفاوت ممکن ہے جاہلوں نے انبیاءؑ کی صورت وشکل دیکھ کر یہ خیال کر لیا کہ ہم اور وہ یکساں ہیں حالانکہ دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے ۔

دوسرے شبہ کا جواب

اور اسی سے دوسرے شبہ کا بھی جواب ہو گیا کہ حق وباطل کی تمیز اور صدق وکذب کا فرق یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور اس کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے اس کو عطا کرتا ہے اور ایک کثیر جماعت کو اس سے محروم کرتا ہے تمہارے آباؤ اجداد جاہل اور نادان تھے اور بے بصیرت تھے ان کو حق وباطل کی تمیز نہ تھی اور جاہلوں کا اتفاق کسی عاقل پر حجت نہیں ۔ (تفسیر کبیر ص ۲۳۴ ج ۵)

تیسرے شبہ کا جواب

کفار کا تیسرا شبہ یہ تھا کہ ہم تمہارے ان پیش کردہ معجزات پر مطمئن نہیں ہماری خواہش کے مطابق معجزات لاؤ اس کا جواب دیتے ہیں اور ہماری طاقت نہیں کہ ہم بغیر اللہ کے حکم کے تمہارے پاس کوئی دلیل اور برہان لے آئیں یعنی تمہاری فرمائشیں پوری کرنا ہماری قدرت اور اختیار میں نہیں۔ باقی ہم اپنی نبوت کی سند اور روشن نشان پہلے دکھلا چکے ہیں وہ اطمینان کے لیے کافی اور وافی ہیں ضد اور عناد کا علاج ہمارے پاس نہیں حضرات انبیاء نے جب کفار کو ان کے شبہات کے شافی اور کافی جواب دے دیئے اور کفار ان کے جواب باصواب سے لاجواب ہو گئے تو جہالت اور نادانی پر اتر آئے اور انبیاء کرامؑ کو ڈرانے دھمکانے لگے تو حضرات انبیاءؑ کرامؑ نے کہا کہ ہم تمہاری تخویف سے خائف نہیں تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہمارا بھروسہ اللہ پر ہے اور مؤمنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے اور ہم کو کیا ہوا کہ اللہ پر بھروسہ نہ کریں حالانکہ اسی نے ہم کو نجات اور ہدایت کی راہیں بتلائیں وہی ہم کو تمہارے شر سے بچائے گا اور خدا کی قسم ہم ضرور صبر کریں گے اس ایذاء پر جو تم ہم کو پہنچاتے ہو اور توکل کرنے والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیئے سب کچھ اسی کے ہاتھ میں ہے اس تمام تر اتمام حجت کے بعد بھی کفار نرم نہ ہوئے بلکہ اور گرم ہو گئے اور کفار اپنی طاقت کے غرور میں رسولوں سے یہ کہنے لگے کہ اپنے توکل کو تو رہنے دو اور سن لو کہ البتہ ہم تم کو اپنے ملک سے نکال باہر کریں گے یا تو تم ہمارے مذہب میں واپس آجاؤ۔ جاننا چاہیئے کہ انبیاء کرامؑ نبوت سے پہلے کبھی اپنی قوم کے دین پر قائم نہیں ہوتے جن کو یہ کہا جا سکے کہ تم ہمارے مذہب میں واپس آجاؤ انبیاء کرام شروع ولادت سے لے کر شرک اور کفر کی آلودگی سے ہمیشہ پاک رہے ہیں بلکہ اصل یہ ہے کہ انبیاء کرام نبوت سے پہلے انہی کے ساتھ رہتے تھے اور قبل از بعثت ان کو تبلیغ و دعوت نہیں کرتے تھے اس لیے وہ لوگ انبیاء کو اپنا ہم مذہب جانتے تھے اور بعثت کے بعد جب انبیاءؑ قوم کو اللہ کے احکام سناتے تو وہ لوگ یہ سمجھتے کہ اب یہ ہمارے دین سے پھر گئے اور ان کو دھمکی دیتے کہ یا تو ہمارے مذہب میں آجاؤ ورنہ ہم تم کو اپنے ملک سے نکال دیں گے جس طرح قوم شعیب نے کہا تھا لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ۔ اور جس طرح قوم لوط نے کہا تھا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے قریش مکہ کے حال سے خبر دی ہے وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا۔ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبل از بعثت اپنی ملت پر سمجھتے تھے اسی وجہ

سے آپؐ کو "صابی" کہتے تھے یعنی آبائی دین سے پھر جانے والا کہتے تھے اور آپؐ کے قتل کے درپے تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قتل مرتد کا مسئلہ کافروں کے نزدیک بھی مسلّم ہے۔

خداوند عالم کی طرف سے جواب

کافر جب خدا کے پیغمبروں کو اس قسم کی دھمکیاں دینے لگے تو وحی بھیجی رسولوں کے رب نے کہ تم کافروں کے اس کہنے سے کہ ہم تم کو اپنی زمین سے نکال دیں گے خوف مت کرو البتہ تحقیق ہم انہی ظالموں کو ہلاک اور تباہ کریں گے اور ان کے ہلاک کرنے کے بعد تمہارے متبعین کو اسی زمین میں بسائیں گے کما قال اللہ تعالیٰ۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ۔ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ۔

آگے فرماتے ہیں میری طرف سے یہ وعدہ اس شخص کے لیے ہے جو قیامت کے دن میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے کہ اپنے پروردگار کو کیا منہ دکھاؤں گا اور میرے عذاب سے بھی ڈرے اس قسم کا خوف دینی اور دنیوی کامیابی کی علامت ہے۔

انبیاءؑ اور ان کی قومیںؑ خدا سے فیصلہ چاہنے لگے انبیاء اپنی فتح کے طلب گار ہوتے اور کافر اپنی فتح کے طلب گار ہوتے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ نوح علیہ السّلام نے دعا مانگی فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجِّنِي اور لوط علیہ السّلام نے یہ دعا مانگی، رَبِّ نَجِّنِي وَأَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ اور شعیب علیہ السلام نے یہ دعا مانگی رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وغیرہ وغیرہ غرض یہ کہ انبیاءؑ نے اپنی فتح کی دعا مانگی اور کافروں نے اپنی فتح کی دعا مانگی اَللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ هَٰذَا هُوَ

ـہ ۱ واستفتحوا کی ضمیر میں دو قول مشہور ہیں ایک یہ کہ یہ ضمیر رسولوں کی طرف راجع ہے کہ رسولوں نے اپنے رب سے اپنی فتح چاہی اور ایک قول یہ ہے کہ ضمیر کفّار کی طرف راجع ہے کہ کفار جہل مرکب میں مبتلا تھے اور ازراہ تمرد و عناد فیصلہ چاہتے تھے کما قال اللہ تعالیٰ حاکیا عنھم اَللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ هَٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ ضمیر انبیاء اور کفار دونوں کی طرف راجع ہے انبیاء نے اپنے لیے فتح طلب کی اور کافروں نے اپنے لیے فتح طلب کی (دیکھو روح المعانی ص ۱۸۰ جلد ۱۳)

هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ غرض یہ کہ دونوں طرف سے فیصلہ کی جلدی ہونے لگی اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کن عذاب نازل کر دیا اور جب وہ فیصلہ کن عذاب آیا تو انبیاء و رسل تو کامیاب ہوئے اور ہر سرکش معاند نامراد ہوا یہ تو دنیا میں ہوا اور اس کے علاوہ اس کے آگے دوزخ ہے اور وہاں اس کو پینے کے لیے پیپ لہو دیا جائے گا جو کافروں کی کھال وغیرہ سے بہہ کر جمع ہوگا جب وہ پیاس سے بے تاب ہوگا تو یہی کچھ لہو اس کو پینے کو دیا جائے گا وہ اسے بدمزگی اور بدبو اور حرارت کی وجہ سے گھونٹ گھونٹ کر کے پیئے گا اور بآسانی اس کو گلے سے نہیں اتار سکے گا لیکن چار و ناچار شدت پیاس کی وجہ سے بمشکل اس کو اتارے گا ترمذی میں ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کافر کے آگے صدید (پیپ) پیش کی جائے گی وہ اس سے کراہت کرے گا جب اس کے منہ کے قریب کی جائے گی تو اس کا چہرہ جھلس جائے گا اور سر کی کھال اتر کر گر پڑے گی اور جب پی جائے گا تو اس کی آنتیں کٹ کر پاخانہ کی راہ سے نکل پڑیں گی اور پھر آپ نے یہ آیت پڑھی وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَ سَآءَتْ مُرْتَفَقًا (رواہ احمد و نسائی ایضاً) اور دوسری جگہ ہے وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ غرض یہ کہ جب کافر جہنم میں پیاس سے بے تاب ہوگا تو اس کو پیپ جیسا پانی پلایا جائے گا اور ہر طرف سے اس کو موت آگھیرے گی یعنی موت کی کوئی نوع ایسی باقی نہ رہے گی جو اس کو نہ آوے مگر وہ مرنے والا نہیں کہ مر کر ان تکالیف اور شدائد سے نجات پا جائے کما قال اللہ تعالیٰ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا۔

آنتیں بھی کٹ کر گریں گی اور کھال بھی سڑ کر گرے گی مگر موت نہیں آئے گی بلکہ بدستور کھال اور آنتیں بحال کر دی جائیں گی تاکہ ہر بار اس کو نیا عذاب دیا جا سکے اور جس عذاب کا وہ دنیا میں منکر تھا ابد الآباد تک مزہ چکھتا رہے اور اس کے آگے اور سخت عذاب ہے جو ہر لحظہ شدید اور جدید ہوتا رہے گا جس کی کوئی انتہا نہیں۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ

احوال ان کا جو منکر ہوئے اپنے رب سے، ان کے کیے جیسے راکھ

ِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ

زور کی چلی اس پر باؤ دن آندھی کے کچھ ہاتھ میں نہیں

مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰي شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ⑱

اپنی کمائی میں سے یہی ہے دور بہک پڑنا

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ إِنْ

تونے نہیں دیکھا؟ کہ اللہ نے بنائے آسمان و زمین جیسے چاہیئے اگر

يَّشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿۱۹﴾ وَّمَا ذٰلِكَ

چاہے تم کو لے جاوے اور لاوے کوئی پیدائش نئی اور یہ اللہ پر

عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ ﴿۲۰﴾

مشکل نہیں

مثال اعمال کفار

قال اللہ تعالیٰ، مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ ..... إلىٰ .... وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ

(ربط) اوپر کافروں کے انواع عذاب کا ذکر تھا اب انکے اعمال کے ضائع ہونے کی ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ جس طرح آندھی والے دن تیز آندھی سے راکھ اڑ جاتی ہے اور اسکا کچھ نام ونشان باقی نہیں رہتا اسی طرح کافروں کے اچھے اعمال جیسے صدقات جو انہوں نے بحالت کفر دیئے وہ قیامت کے دن کفر کی تیز آندھیوں سے سب اڑ جائیں گے اور کسی عمل کا نام ونشان نہ رہے گا اسوقت انکی حسرت کی حالت ناگفتہ بہ ہو گی چنانچہ فرماتے ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا ان کے اعمال صالحہ خیرات وصدقات مثل اس راکھ کے ہیں جس پر سخت آندھی کے دن تیز ہوا چلی اور اس راکھ کو اڑا کر ادھر ادھر منتشر کر دیا اسی طرح قیامت میں کفران کے نیک عملوں کو اڑا کر پراگندہ کر دے گا اور جس طرح کوئی شخص اس پراگندہ راکھ کو دوبارہ جمع نہیں کر سکتا اسی طرح قیامت کے دن یہ کافر قادر نہ ہوں گے کہ دنیا میں جو کمایا ہے اس میں سے کچھ حاصل کر سکیں راکھ کی طرح سب اڑ جائیں گے کسی کا کہیں نام ونشان نظر نہ آئے گا یہی وہ گمراہی ہے جو حق سے بہت دور ہے اور حد درجہ کا خسارہ ہے کہ جن اعمال کو ذریعۂ قرب ونجات سمجھتے تھے وہ راکھ کی طرح اڑ گئے کیا تو نے نہیں دیکھا اسے دیکھنے والے یا نہیں جانا تو نے اسے جاننے والے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے کسی حکمت کے لیے بنایا ہے بے کار نہیں بنایا گیا تو یہ سمجھتا ہے کہ خدا نے آسمان وزمین اور کواکب کو تیرے چند روزہ فائدہ اٹھانے کے لیے بنایا ہے ہرگز نہیں بلکہ بے شمار حکمتوں پر مشتمل ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ تو آسمان وزمین دیکھ کر اس کی قدرت اور عظمت وجلال کا اندازہ لگالے اور اس کے نظام کو دیکھ کر سمجھ لے کہ یہ سارا کارخانہ کسی قادر قیوم کے حکم اور قیومی سے چل رہا ہے جب چاہے فنا کر دے وہ اگر چاہے تو تمام بنی آدم کو فنا کر دے اور تمہاری جگہ زمین پر دوسری نئی مخلوق لے آئے جو تمہاری جیسی مشرک اور نافرمان نہ ہو یہ امر اللہ پر کچھ مشکل نہیں اور جب وہ ایسا قادر مطلق ہے

تو اسے قیامت قائم کرنا اور تم کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے لہٰذا سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ تم کو ہلاک کر دے اور تمہاری زمین اور ملک پر انبیاء اور ان کے متبعین کو قابض اور متصرف بنا دے

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا

اور سامنے کھڑے ہوں گے اللہ کے سارے پھر کہیں گے کمزور

لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ

بڑائی والوں کو ، ہم تھے تمہارے پیچھے سو کچھ

مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قَالُوْا لَوْ

بچاؤ گے تم ہم سے مار اللہ کی ؟ وہ بولے ، اگر راہ پر لاتا

هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ۭ سَوَاۗءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا

ہم کو اللہ ، البتہ ہم تم کو راہ پر لاتے اب برابر ہے ہمارے حق میں ہم بے قراری

۳ ع ۹ ۱۵ مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ؀۲۱

کریں یا صبر کریں ہم کو نہیں خلاصی

قیامت کے دن کفّار کی باہم گفتگو اور پیشوایان کفر کی ذلّت اور ندامت کا ذکر

قَالَ اللّٰهُ تعالیٰ ، وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا ..... اِلیٰ ..... اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں پیغمبروں کے انکار کی سزا کا ذکر تھا اب قیامت کے دن کافروں کی باہم گفتگو کا ذکر ہے کہ قیامت کے دن کفار اپنے پیشواؤں سے کہیں گے کہ ہم دنیا میں تمہارے پیرو تھے کیا آج کے دن تم ہم کو عذاب سے بچا سکتے ہو وہ انکار کر دیں گے کہ آج ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے اور یہ عذر کریں گے کہ ہم خود گمراہ تھے اگر ہم راہِ راست پر ہوتے تو تمہیں کیوں گمراہ کرتے چنانچہ فرماتے ہیں ، اور سب مومن اور کافر اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے اور قبروں سے نکل کر خدا کے سامنے کھڑے ہوں گے تب کمزور اور کم درجے کے کافران لوگوں سے جو دنیا میں بڑے سمجھے جاتے تھے یہ کہیں گے کہ تحقیق ہم دنیا میں تمہارے

تابع تھے تمہارے کہنے سے ہم نے پیغمبروں کو جھٹلایا تھا تو کیا آج تم ہم سے اللہ کے عذاب میں سے کسی چیز کو دفع کر سکتے ہو اور اس مصیبت کی گھڑی میں ہمارے کچھ کام آسکتے ہو تو وہ پیشوایانِ کفر عذر خواہی کے طور پر جواب میں یہ کہیں گے کہ اگر اللہ ہم کو ہدایت اور توفیق دیتا تو ہم تم کو بھی سیدھے راستے پر لے چلتے چونکہ ہم خود گمراہ تھے اس لیے ہم نے تم کو گمراہی کی طرف بلایا اب یہ تمہارا قصور ہے کہ تم نے آنکھ بند کر کے ہمارا کہنا مانا اور اللہ کے رسولوں کو نہ مانا اور اب ہم اور تم سب مبتلائے بلا ہیں ہم سب کے حق میں برابر ہے کہ ہم خواہ اضطراب اور بے قراری ظاہر کریں یا صبر کریں دونوں حالتوں میں ہمارے لیے عذاب سے چھٹکارا نہیں یہ دار جزاء ہے۔ یہاں رنج و غم سے کچھ نہیں ہونا جو فیصلہ ہو چکا ہے وہ اٹل ہے اور بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ یہ گفتگو جہنم میں جانے کے بعد ہوگی جیسا کہ دوسری آیت میں اس کی تصریح آئی ہے وَاِذْ يَتَحَاجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰۗؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ۔ اور میدان حشر میں باہمی مخاصمت کا ذکر ان آیتوں میں ہے: وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ الْقَوْلَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَاۗءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۭ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ

اور بولا شیطان، جب فیصل ہو چکا کام، اللہ نے

اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ

تم کو دیا تھا سچا وعدہ اور میں نے وعدہ دیا

فَاَخْلَفْتُكُمْ ۭ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ

پھر جھوٹ کیا اور میری تم پر حکومت نہ تھی مگر میں

اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ

نے تم کو بلایا، پھر تم نے مان لیا سو مجھ کو مت الزام دو،

وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ

اور الزام دو اپنے تئیں ۔ نہ میں تمہاری فریاد پر پہنچوں نہ تم میری

بِمُصْرِخِيَّ ۭ اِنِّىْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ۭ

فریاد پر پہنچو ۔ میں نہیں قبول رکھتا جو تم نے مجھ کو شریک ٹھہرایا تھا پہلے

اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ

البتہ جو ظالم ہیں ان کو دکھ کی مار ہے اور داخل کیے گئے جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

ایمان لاتے تھے اور کام کیے تھے نیک، باغوں میں بہتی نیچے اُن کے

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۭ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا

ندیاں، رہا کریں ان میں اپنے رب کے حکم سے اُن کی ملاقات ہے

سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾

وہاں سلام

جہنم میں شیطان کی تقریر

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی، وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ ...... اِلٰی ...... لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

(ربط) گذشتہ آیات میں ضعفاء کفار کی اپنے رئیسوں اور سرداروں سے باہم گفتگو کا ذکر تھا اس آیت میں شیطان کی گفتگو کا ذکر ہے جو تمام کافروں کا رئیس اور سردار ہے شیطان اس وقت جو تقریر کرے گا حق تعالیٰ نے اس آیت میں اس کا ذکر کیا ہے جب اہلِ جنت جنت میں اور اہلِ نار دوزخ میں پہنچ جائیں گے تو تمام اہل دوزخ جمع ہو کر متفقہ طور پر ابلیس کو لعنت ملامت کریں گے کہ تو نے ہم کو تباہ و برباد کیا تو اس وقت ابلیس کھڑا ہوگا اور الزام دفع کرنے کے لیے (آگ[1] کے ایک منبر پر کھڑا ہو کر خطبہ دے گا۔) یہ وقت کافروں

[1] آگ کے منبر کا ذکر تفسیر قرطبی ص ۳۵۶ جلد ۹ اور صاوی حاشیہ جلالین ص ۲۸۲ جلد ۲ میں ہے وہاں دیکھ لیا جائے ۔

پر عجیب مصیبت کا ہوگا ان کا سردار ہی ان کو صاف جواب دے دے گا۔

کافروں کے اس حال بدمآل کے بعد حق تعالیٰ، وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ میں بطور مقابلہ اہل ایمان کی نعمتوں کا ذکر فرماتے ہیں جیسا کہ قرآنِ کریم کا طریقہ ہے کہ اشقیاء کے بعد سعداء کا حال ومآل ذکر کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور جب حساب وکتاب کے بعد کام فیصل ہو چکے گا یعنی دوزخی دوزخ میں اور جنتی جنت میں داخل ہو چکے ہوں گے تو سب دوزخی جمع ہو کر شیطان کو لعنت ملامت کریں گے تو اس وقت ابلیس آگ کے ایک منبر پر کھڑا ہو کر کہے گا اے بدبختو! اور مجھے ملامت کرنے والو تحقیق اللہ تعالیٰ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا کہ قیامت اور حشر ونشر اور حساب وکتاب اور جزاء وسزا حق ہے اور جو کفر کرے گا وہ ہلاک ہوگا اور جو ایمان لائے گا وہ فلاح پائے گا پس خدا کے اس سچے وعدہ کا تم نے آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا کہ اس حیات دنیوی کے بعد کوئی حیات اور حساب وکتاب نہیں پس میں نے تم کو الٹا وعدہ دیا تھا یعنی میں نے جو تم کو وعدہ دیا تھا آج بالکل اس کا الٹ نکلا اور میرا تمہارے اوپر کوئی زور نہ تھا یعنی تم مجھے کس لیے ملامت کرتے ہو تم پر میرا کوئی زور اور زبردستی نہ تھی کہ جبرًا و قہرًا میرے حکم پر چلو اگر تم میرا کہا نہ مانتے تو میں تمہارا کیا کر سکتا تھا۔ تم نے میرا حکم اپنے مزہ کیلئے مانا۔ اب عذاب بھی بھگتو میری طرف سے صرف اتنی بات ہوئی کہ میں نے تم کو بطریق وسوسہ اپنی طرف بلایا نہ میرے پاس کوئی دلیل اور حجت تھی اور نہ کوئی طاقت وقوت تھی کہ تم کو بزور منوا تا بغیر کسی قہر اور غلبہ کے اور بغیر کسی حجت اور دلیل کے محض بطریق وسوسہ دنیا کی ظاہری آرائش اور زیبائش تمہاری نظروں کے سامنے کر دی پس تم نادانوں نے فورًا میرا کہنا مان لیا اور انبیاء ورسل جنہوں نے طرح طرح کے حجج وبراہین تمہارے سامنے پیش کیے اور طرح طرح کی آیات بینات تم کو دکھلائیں تم نے ان کا کہنا نہ مانا پس آخر تمہارا یہ انجام ہوا پس تم مجھے ملامت نہ کرو اور اپنی جانوں کو ملامت کرو کہ تم نے دلیل اور برہان کو چھوڑ کر میری بے دلیل باتوں کو مان لیا اس وقت تم ایسے اندھے کیوں ہو گئے تھے کہ بے دلیل میرے پیچھے لگ لیے حماقت تمہاری ہے مجھے کیوں ملامت کرتے ہو میری طرف سے تو فقط دعوت تھی اور اصل علتِ عذاب ارتکاب معصیت ہے جو تمہارا اختیاری فعل ہے لہٰذا آج نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو ہم تم دونوں عذاب دائمی میں رہیں گے تحقیق میں بری اور بے زار ہوں اس سے کہ تم نے پہلے دنیا میں مجھے اللہ کا شریک قرار دیا میں اللہ کا شریک نہیں مطلب یہ ہے کہ تم جو دنیا میں اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے آج میں تمہارے اس اعتقاد سے بری اور بے زار ہوں میرا تم سے کوئی تعلق نہیں بے شک جو ظالم یعنی مشرک ہیں ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے آیات کے ظاہر سیاق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس کا یہ خطبہ کافروں کے جہنم میں داخل ہونے کے بعد ہوگا لیکن بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میدان حشر میں فیصلہ ہو جانے کے بعد اور اہل ایمان کے جنت میں جانے اور کافروں کے دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے ہوگا اور وہ حدیث یہ ہے کہ عقبہ بن عامرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ جب اللہ تعالیٰ اولین وآخرین کو جمع کر کے فیصلہ کر دے گا اور خدا کے رسولؐ شفاعت سے فارغ ہو جائیں گے تو کفار کہیں گے کہ مؤمنوں نے تو اپنا شفیع پا لیا یعنی آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کو پا لیا جوان کے لیے بارگاہِ خداوندی میں شفاعت کریں گے کاش ہمارا کوئی سفارشی ہو جاتا کفار کہیں گے سوائے ابلیس کے کون ہے جو ہماری سفارش کرے جس نے ہم کو گمراہ کیا پس کفار جمع ہو کر ابلیس کے پاس آئیں گے اور کہیں گے تم ہمارے پیشوا ہو تم ہمارے واسطے اُٹھو کیونکہ تمہیں نے ہم کو یہ راہ بتلائی تھی پس وہ اپنے مقام سے اٹھے گا اور اس کی مجلس سے ایسی سخت بدبُو اٹھے گی جو کسی نے اس سے پہلے نہ سونگھی ہو گی اور پھر گریہ زاری اور چیخ و پکار بلند ہو گی اس وقت شیطان اُٹھے گا اور یہ کہے گا اِنَّ اللّٰہَ وَعَدَکُمْ وَعْدَ الْحَقِّ اور اس طرح ان سے اپنی بیزاری ظاہر کرے گا ابلیس کے اس خطبہ سے کفار کی کمر ٹوٹ جائے گی اور دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔

(دیکھو تفسیر قرطبی ص ۳۵۶ جلد ۹ و تفسیر ابن کثیر ص ۵۲۹ جلد ۲)

اہل سعادت کے حال اور مآل کا ذکر

وَاُدْخِلَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۔۔۔۔۔۔ اِلٰی ۔۔۔ ۔۔۔ تَحِیَّتُھُمْ فِیْھَا سَلٰمٌ

(ربط) اوپر کی آیتوں میں اشقیاء کا حال اور مآل بیان کیا اب اہل سعادت کا حال اور مآل بیان کرتے ہیں۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے وہ ایسے باغوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے درختوں اور مکانوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ ان میں اپنے پروردگار کے حکم سے ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں ان کی آپس کی دعاء ملاقات سلام ہو گی جس سے اس امر کا اظہار مطلوب ہو گا کہ وہ ہمیشہ ہر آفت سے سلامت رہیں گے۔

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا کَلِمَۃً طَیِّبَۃً

تو نے نہ دیکھا؟ بیان کی اللہ نے ایک مثال، ایک بات ستھری

کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُھَا فِی السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾

جیسے ایک درخت ستھرا اس کی جڑ مضبوط ہے، اور ٹہنی آسمان میں

تُؤْتِیْٓ اُکُلَھَا کُلَّ حِیْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّھَا ؕ وَیَضْرِبُ اللّٰہُ

لاتا ہے پھل اپنا ہر وقت پر اپنے رب کے حکم سے اور بیان کرتا ہے

الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَمَثَلُ

اللہ کہاوتیں لوگوں کو، شاید وہ سوچ کریں اور مثال

كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ
گندی بات کی، جیسے درخت گندا، اکھاڑ لیا اوپر سے

الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾ يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ
زمین کے کچھ نہیں اس کو ٹھہراؤ مضبوط کرتا ہے اللہ

آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي
ایمان والوں کو مضبوط بات سے دنیا کی زندگی میں اور

الْآخِرَةِ ۖ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ ۚ وَيَفْعَلُ اللَّهُ
آخرت میں اور بچلا دیتا ہے اللہ بے انصافوں کو اور کرتا ہے اللہ

مَا يَشَاءُ ﴿۲۷﴾ ع
جو چاہے

مثال کلمہ ایمان وکلمہ کفر، وذکر سوالِ قبر

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَلَمْ تَرَ کَیْفَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا کَلِمَۃً طَیِّبَۃً ... اِلٰی ... وَیَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ

(ربط) گزشتہ آیات میں کافروں اور مؤمنوں کے اخروی نتائج کا ذکر فرمایا اب ان آیات میں کلمۂ ایمان اور کلمۂ کفر کی مثال بیان فرماتے ہیں اور عالم برزخ میں اس کا اثر اور ثمر بیان کرتے ہیں تاکہ کلمۂ توحید کی فضیلت اور کلمۂ کفر کی قباحت ظاہر ہو۔

اس آیت میں کلمۂ طیبہ سے کلمۂ لا الٰہ الا اللہ مراد ہے۔ جیسا کہ حدیث میں اس کی تصریح ہے اور محمد رسول اللہؐ اسکے تابع ہے وہ بھی مراد ہے کیوں کہ ملزوم کے ساتھ لوازم کا ہونا ضروری ہے مگر چونکہ اہلِ ایمان اس امت سے پہلے بھی گزرے ہیں جو ایمان اور فضائلِ ایمان میں ان کے ساتھ شریک ہیں سب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہتے تھے مگر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا قرین ہر امت میں بدلتا رہا ہے کوئی لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے ساتھ نوح نبی اللہ کہتا تھا کوئی ابراہیم خلیل اللہ کہتا تھا اور کوئی موسٰی کلیم اللہ کہتا تھا اور کوئی عیسٰی روح اللہ کہتا تھا اور ہم محمد رسول اللہ کہتے ہیں غرض یہ کہ کلمۂ رسالت جملۂ متبدلہ ہے ہر امت میں بدلتا رہا ہے اور کلمۂ لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ غیر متبدل ہے جس میں تمام اہل ایمان واہل ملل وادیان مشترک ہیں اس لیے اکثر احادیث میں لا اِلٰہَ الا اللّٰہ

پر اکتفا کیا گیا باقی مراد وہی پورا کلمہ ہے یعنی مع اپنی قرین اور لازم کے مُراد ہے لا إله إلا الله تو سب میں مشترک ہے مگر لا إله إلا الله کا قرین ہر امت مسلمہ کا الگ الگ ہے اور چونکہ اصل کلمہ طیبہ لا إله إلا الله ہے اور محمد رسول اللہ اس کا قرین ہے اس لیے حضراتِ صُوفیہ جب ذکر کی تلقین کرتے ہیں تو یہ فرماتے ہیں کہ لا إله إلا الله کا ذکر مثلاً اتنی مقدار میں کیا کرو اور کبھی کبھی محمد رسول اللہ بھی کہہ لیا کرو تاکہ تابع اور متبوع کا فرق اور حق ادا ہو جاتے اور وجہ یہ ہے کہ ذکر تو اللہ کا حق ہے اور نبی کا حق درُود ہے جس کا قرآن میں حکم آیا ہے لہٰذا لا إله إلا الله تو ذکر ہے اور محمد رسول اللہ کلمہ تجدید ایمان کے لیے ہے اب آیت کی تفسیر پڑھیے۔

کیا نہیں دیکھا تو نے اسے دیکھنے والے؟ اور کیا نہیں جانا تو نے اسے جاننے والے؟ کہ اللہ نے کلمۂ توحید اور کلمۂ شرک کی کیسی عجیب اور عمدہ مثال بیان کی ہے کلمۂ طیبہ یعنی کلمۂ توحید و اسلام ایک نہایت ہی پاکیزہ درخت کے مشابہ ہے جس کا پھل غایت درجہ لذیذ اور مفید ہے شجرۂ طیبہ سے کھجور کا درخت مراد ہے جو اپنے بے شمار منافع کی وجہ سے اطیب الاشجار ہے اور وہ پاکیزہ درخت ایسا ہے کہ اس کی جڑ مضبوط ہے یعنی اس کی جڑ زمین میں جمی ہوتی ہے اور اس کی شاخیں ایسی بلند ہیں کہ آسمان میں پہنچ رہی ہیں اسی طرح کلمہ طیبہ کی جڑ مؤمن کے قلب میں جمی ہوئی ہے پس مؤمن کا قلب بمنزلہ زمین کے ہے اور ایمان اور اعتقاد توحید جو اس میں راسخ ہے وہ کلمہ ایمان کی جڑ ہے اور اعمال صالحہ اس شجرۂ طیبہ کی شاخیں ہیں جو آسمان قبولیت تک پہنچ رہی ہیں اور اس معتقد کے لیے بلندی اور رفعت کا سبب بن رہی ہیں اور انہی اعمال صالحہ کو حدیث میں ایمان کے شعبوں سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ پاکیزہ درخت ہر وقت اپنے پروردگار کے حکم سے پھل دیتا رہتا ہے یعنی دن رات ہر موسم میں قسم قسم کے پھل دیتا رہتا ہے کبھی اس کا پھل منقطع نہیں ہوتا اسی طرح مؤمن کا عمل ہے کہ آسمان پر چڑھتا ہے یعنی قبول ہوتا ہے اور اس کی برکتیں ہر وقت حاصل ہوتی رہتی ہیں اور اس کا ثواب کبھی منقطع نہیں ہوتا اس کا ثواب ہر وقت مؤمن کو پہنچتا رہتا ہے اس ناچیز کا گمان یہ ہے کہ اَصْلُهَا ثَابِتٌ سے ایمان کی طرف اشارہ ہے اور فَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ سے اسلام کی طرف اشارہ ہے اور تُؤْتِیْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِیْنٍ سے مقامِ احسان اور اخلاص کی طرف اشارہ ہے یعنی ان انوار و برکات کی طرف اشارہ ہے جو صدقِ ایمان اور اعمالِ صالحہ سے حاصل ہوتے ہیں یہ انوار و برکات شجرۂ ایمان کے ثمراتِ طیبہ ہیں جو عالم غیب سے ہر وقت اس کو پہنچتے رہتے ہیں اور عجب نہیں کہ تُؤْتِیْٓ اُكُلَهَا سے وہ فوائد اور ثمرات مراد ہوں جو جنت میں اعمالِ صالحہ پر مرتب ہوں گے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ غراسها الجنة یا تُؤْتِیْٓ اُكُلَهَا سے قربِ خداوندی اور رضائے الٰہی کے ثمرات مراد لیے جائیں جو دائمی ہیں اور انقطاع کا ان میں احتمال نہیں اور اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو سمجھانے کے لیے مثالیں بیان کی ہیں تاکہ وہ نصیحت پکڑیں کیونکہ مثال امر متصور کو محسوس کے قریب بنا دیتی ہے اور صورت کے آئینہ میں معنی کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

یہ تو کلمۂ طیبہ کی مثال ہوئی جو عقل کا درخت ہے اب آگے کلمۂ خبیثہ کی مثال بیان فرماتے ہیں

جو نفسانی شہوات ولذات کا خبیث اور گندہ اور بدبودار درخت ہے اور کلمۂ خبیثہ یعنی کلمۂ کفر کی مثال ایسی ہے جیسے ایک نہایت خراب اور گندہ درخت ہو اور ایسا کمزور ہو کہ وہ ذرا سی حرکت میں زمین کے اوپر سے اکھاڑ لیا جاتے اور اس کے لیے زمین میں کچھ قرار اور ثبات نہیں اس لیے شاخوں اور پھلوں کا ذکر تو فضول ہے کلمۂ کفر کو شجرۂ خبیثہ کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اشارہ اس طرف ہے کہ کفر کا وجود تو ہے مگر معتد بہ اور پائیدار وجود نہیں اس لیے کفر کا دعویٰ کسی صحیح دلیل سے ثابت نہیں دعویٰ بے دلیل ہے اس کی کوئی جڑ اور بنیاد نہیں اسی وجہ سے اس کی شاخوں اور پھلوں کا ذکر نہیں فرمایا کفار کا کوئی عقیدہ دنیا میں مضبوط دلیل سے قائم نہیں تھوڑا سا دھیان کرنے سے غلط معلوم ہونے لگتا ہے عجب نہیں کہ اشارہ اس طرف ہو کہ کافر کا کوئی عمل معتبر نہیں اس لیے کہ اس کی کوئی بنیاد نہیں اور نہ اس پر کوئی اخروی ثمرہ مرتب ہو گا۔

نہ بیخ گراں باشد اورا مدار ⁂ نہ شاخ کہ گردد بداں سایہ دار
گیا ہیست افتادہ بر روئے خاک ⁂ پریشان و بے حاصل وخور ناک

کافروں کے دعوے کی کوئی جڑ نہیں ہوتی ذرا دھیان کرو تو اس کا غلط ہونا معلوم ہو جائے گا اور یہی وجہ ہے کہ اس کے دل میں کوئی نور پیدا نہیں ہوتا اور نہ دل کو سکون اور اطمینان ہوتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ پہلی آیت میں کلمۂ طیبہ کو شجرۂ طیبہ یعنی پاکیزہ درخت سے تشبیہ دی ہے جس میں یہ چار وصف پائے جائیں۔

(۱) پاکیزہ ہو، یعنی دیکھنے میں خوبصورت اور خوشبودار اور خوش مزہ ہو اس کا پھل شیریں اور لذیذ ہو۔

(۲) جڑ اس کی مضبوط ہو اکھڑنے اور گرنے سے بالکل محفوظ ہو۔

(۳) شاخیں اس کی اونچائی میں آسمان کو جا رہی ہوں یعنی بہت بلند ہوں اور ظاہر ہے کہ درخت جس قدر زیادہ لمبا ہو گا اسی قدر اس کا پھل بھی پاکیزہ اور لذیذ ہو گا اور زمین کی کدورتوں سے محفوظ ہو گا اور زیادہ بھی ہو گا۔

(۴) ہر وقت وہ پھل دیتا ہو اس کے پھل کے لیے کوئی زمانہ خاص نہ ہو کہ اس زمانہ کے سوا کسی دوسرے وقت میں اس کو پھل نہ آتا ہو جو درخت ان صفات کے ساتھ موصوف ہو گا وہ نہایت عمدہ درخت ہو گا اور ہر عاقل اس کے حصول کی کوشش کرے گا۔

پس یہی حال شجرۂ ایمان و اسلام کا ہے کہ وہ دیکھنے میں اور سونگھنے میں نہایت پاکیزہ ہے اس درخت کے اصول و فروع کو دیکھ کر اور سن کر آدمی حیران اور ششدر رہ جاتا ہے کہ مکارمِ اخلاق اور محاسنِ اعمال کا عجیب پاکیزہ درخت ہے۔

اور ۲ اس کی جڑ نہایت مضبوط ہے کہ جو اللہ کی معرفت اور محبت اور دلائل عقل و فطرت پر قائم ہے اسی وجہ سے دین اسلام مومن کے دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔

اور پھر اس اعتقاد جازم سے جو اعمال صالحہ کی شاخیں نکلتی ہیں وہ آسمان قبول تک پہنچ جاتی ہیں کما قال اللہ تعالیٰ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ وَقَالَ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الایمان بضع وسبعون شعبۃ اور شعبہ اصل میں درخت کی شاخ کو کہتے ہیں۔

اور مومن اس پاکیزہ درخت کے ثمرات طیبہ اور انوارِ الٰہیہ اور برکات ربانیہ سے ہر وقت بہرہ ور اور لذت اندوز ہوتا رہتا ہے شجرۂ ایمان کے ثمرات کبھی منقطع نہیں ہوتے۔ لَا مَقْطُوعَةٍ وَّلَا مَمْنُوعَةٍ لہٰذا عاقل کو چاہیے کہ ایسے درخت کے حاصل کرنے سے غفلت نہ برتے جو ہر وقت پھل دیتا رہتا ہے اور حصول کے بعد اس کی آبیاری اور خبرگیری سے غافل نہ ہو ایسے درخت کا میسر آنا نعمت عظمیٰ ہے اور بِاِذْنِ رَبِّهَا میں اشارہ اس طرف ہے کہ ان ثمرات و برکات کا حصول خدا تعالیٰ کے حکم پر موقوف ہے یہ کلمۂ طیبہ کی مثال کا بیان ہوا۔

اور اس کے برخلاف کلمۂ خبیثہ یعنی کلمۂ کفر اس خبیث اور گندہ درخت کے مشابہ ہے جس میں یہ تین باتیں پائی جائیں۔

(۱) بُرا اور گندہ ہو یعنی بدصورت اور بدبودار اور بدمزہ ہو دینی اور دنیوی، روحانی اور جسمانی مضرتوں کا حامل ہو اور طرح طرح کی خباثتوں اور کراہتوں کو اپنے اندر لیتے ہوئے ہو جس کی وجہ سے وہ غایت درجہ قابلِ نفرت ہو۔

(۲) جڑ اس کی مضبوط نہ ہو زمین کے اوپر ہی رکھی ہوئی ہو ذرا سی ہوا تیز چلے یا کوئی حرکت دے تو گر پڑے۔

(۳) اس کو مضبوطی نہ ہو یعنی بہت کمزور درخت ہو جس کو ثبات اور قرار نہ ہو یہی حال ملت کفر کا ہے کہ ایک خبیث درخت کی طرح ملتِ کفر بدصورت اور بدبودار اور بدمزہ ہے اس لیے کہ شجرۂ کفر بےحیائیوں اور بےغیرتیوں اور طرح طرح کی بداخلاقیوں اور قسم قسم کی بداعمالیوں کا ایک گندہ درخت ہے جس کا پھل سوائے شقاوت اور خسران کے کچھ نہیں امریکہ اور برطانیہ اسی قسم کے اشجار خبیثہ کے جنگل اور دنگل ہیں اور اس شجرۂ کفر کی کوئی جڑ اور بنیاد نہیں ہوا کے ایک جھٹکے میں اکھڑ کر گر پڑتا ہے یہ درخت صرف نفسانی شہوتوں اور لذتوں پر قائم ہے جو سراسر عقل اور فطرت اور غیرت کے خلاف ہے کفر و شرک کے جس قدر اصول و فروع ہیں وہ سب باطل و بے بنیاد ہیں جن کے لیے دلیل اور برہان نہیں حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ اکثر مفسرین کا قول ہے کہ شجرۂ خبیثہ سے اندرائن کا درخت مراد ہے جس کا پھل نہایت زہریلا اور کڑوا ہوتا ہے اور نہایت بدبودار ہوتا ہے اور اس کی جڑ پھیلی ہوتی ہے اس کو ثبات اور استحکام نہیں ہوتا بآسانی زمین کے اوپر سے اکھاڑا جا سکتا ہے کفر کا یہ خبیث درخت عقل اور فطرت کے جھونکے سے اکھڑ کر گر جاتا ہے اسی لیے مثل مشہور ہے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے یعنی جھوٹ سچ کی طرح اپنے پاؤں سے نہیں چلتا بلکہ زن اور زر کے زور سے چلتا ہے (جیسا کہ نصرانی مذہب) مگر دل میں نہیں اترتا اس کی جڑ نہیں ہوتی یعنی دل اس سے مطمئن نہیں (جیسا کہ نصرانیوں کی تثلیث فی التوحید اور مسئلہ کفارہ) جس کو شہوت پرست زن اور زر کے طمع سے محض زبان سے مان لیتے ہیں مگر دل میں نہیں اترتا کسی بڑے سے بڑے پادری کا

دل مسئلہ تثلیث پر مطمئن نہیں ۔

غرض یہ کہ کفر کی نہ تو کوئی اصل اور بنیاد ہے اور نہ کافر کے پاس اپنے کفر اور شرک کی کوئی دلیل اور برہان ہے اور نہ اس شجرۂ کفر کی کوئی فرع اور شاخ ہے اور نہ کافر کا کوئی عمل اوپر چڑھتا ہے اور نہ کوئی شئے اس کی قبول ہے اور ایسے خبیث اور گندے درخت کے پھل کا کیا تصور ہو سکتا ہے اور اتنا کمزور ہے کہ دلائل کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا لہٰذا لوگوں کو چاہیئے کہ ایسے بدمزہ اور زہریلے اور بدبودار اور قابل نفرت درخت سے احتراز کریں اور ایسے پاکیزہ درخت کے حاصل کرنے کی کوشش کریں جو پاکیزہ اور خوشبودار ہو اور اس کی جڑ مضبوط اور مستحکم ہو وہ شجرۂ اسلام ہے جو غایت درجہ معقول اور نہایت درجہ مستحکم ہے۔

اور حدیث میں جو شجرۂ طیبہ کی تفسیر کھجور کے درخت سے اور شجرۂ خبیثہ کی تفسیر حنظل اور کثوث کے درخت سے آئی ہے وہ بطور تمثیل ہے نہ کہ بطور تخصیص، اور مقصود یہ ہے کہ کلمۂ طیبہ ایک شجرۂ طیبہ کے مشابہ ہے کہ اوصاف مذکورہ کا جامع ہو خواہ وہ کھجور کا درخت ہو یا اور کوئی پاکیزہ درخت ہو اور شجرۂ خبیثہ سے بھی کوئی معین درخت مراد نہیں جو خبیث اور گندہ اور بدبودار اور بدمزہ ہو وہ سب شجرۂ خبیثہ کے عموم میں داخل ہے اس لیے زجاج ؒ کہتے ہیں کہ کفر اور ضلالت کا کوئی فرقہ لہسن کے درخت کے مشابہ ہے اور کوئی کانٹوں کے جھاڑ کے مشابہ ہے اور کوئی کسی کے اور کوئی کسی کے یہ تو اہل سنت والجماعت کی تفسیر ہوئی اور حضرات شیعہ یہ کہتے ہیں کہ شجرۂ طیبہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ اور امام حسنؓ اور امام حسینؓ مراد ہیں اور شجرۂ خبیثہ سے بنی امیہ مراد ہیں (دیکھو روح المعانی ص ۱۹۲ جلد ۱۳)

یہاں تک کلمۂ طیبہ اور کلمۂ خبیثہ کی مثال بیان فرمائی اب آئندہ آیت میں ہر ایک کے اثر اور ثمر کو بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات کی برکت سے یعنی کلمۂ طیبہ کی برکت سے جس کی جڑ مضبوط ہے دونوں جگہوں میں یعنی دنیا اور آخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے دنیا میں تو اس طرح کہ مومن کلمۂ طیبہ کی برکت سے شیاطین الانس والجن کے اغواء سے محفوظ رہتا ہے اور اصحاب اخدود کی طرح جب کفار کی طرف سے کوئی فتنہ اور ابتلا پیش آتا ہے تو بتوفیق خداوندی ایمان پر ثابت قدم رہتا ہے اور جادۂ توحید سے اس کا قدم نہیں پھسلتا اور کوئی فتنہ پیش آئے تو اس کے پائے استقامت میں تزلزل نہیں آتا اور اسی طرح مرنے تک ایمان پر قائم رہتا ہے اور اسی کلمہ پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے اور آخرت میں اس طرح کہ قبر میں جو آخرت کی پہلی منزل ہے نکیرین کے سوالات کا صحیح جواب دیتا ہے اور قیامت کے ہو شربا دن حساب و کتاب کے وقت اس کو کوئی اندیشہ نہیں غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو دنیا اور آخرت میں حق پر مضبوط اور ثابت قدم رکھتا ہے غرض یہ کہ فی الآخرۃ سے قبر اور عالم برزخ مراد ہے جیسا کہ احادیث مرفوعہ اور اقوال صحابہ سے ثابت ہے کہ فی الآخرۃ سے قبر مراد ہے جو آخرت کی پہلی منزل ہے جہاں حق تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو جواب کی تلقین اور حق اور ثواب پر تمکین عطا فرماتا ہے اور امتحان قبر میں اس کو ثابت قدم رکھتا ہے اور لفظ یُثَبِّتُ اللّٰہُ (اللہ ثابت قدم رکھتا

ہے، میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ ثبات اور استقامت اللہ کی توفیق اور تثبیت اور اس کے فضل وعنایت سے ہے اگر اللہ کی تثبیت اور تائید نہ ہو تو مومن کے ایمان کے آسمان اور زمین اپنی جگہ سے ہٹ جائیں کما قال اللہ تعالیٰ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا، وقال اللہ تعالیٰ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ وقال اللہ تعالیٰ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔

ف آیت میں قول حق اور قول صدق مراد ہے جو قول باطل اور قول کاذب کی نقیض ہے اور قول ثابت کا اولین مصداق کلمۂ ایمان اور اس کے لوازم ہیں یہ تو کلمۂ طیبہ کے اثر کا بیان تھا۔

اب آگے کلمۂ خبیثہ کے اثر کو بیان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کلمۂ خبیثہ کی نحوست سے ظالموں کو یعنی کافروں کو جنہوں نے کفر کرکے اپنی جانوں پر ظلم کیا دنیا اور آخرت دونوں جگہوں میں بچلا دیتے ہیں دنیا میں تو ان کا بچلنا ظاہر ہے کہ حق اور صدق سے منحرف رہے اور آخرت میں بچلنا یہ ہے کہ قبر میں جو آخرت کی پہلی منزل ہے ان سے نکیرین کے سوال کا جواب نہ بن پڑے گا بلکہ حیرت زدہ ہو کر یہ کہیں گے ہاہ...... ہاہ...... لا ادری افسوس افسوس میں کچھ نہیں جانتا جو اور لوگ کہتے تھے وہی میں بھی کہہ دیتا تھا جو سنا وہی کہہ دیا اس پر فرشتے اس کے گرز ماریں گے اور کہیں گے **لا دریت ولا تلیت** کہ نہ تو نے خود سمجھا اور نہ کسی سمجھنے والے کا اتباع کیا اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کی دو قسمیں ہیں ایک تحقیقی اور ایک تقلیدی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان تحقیقی کی طرح ایمان تقلیدی بھی معتبر ہے جیسے بعض عوام کو ایمان کی پوری حقیقت معلوم نہیں ہوتی صرف اتنا جانتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور دین ہمارا اسلام ہے یہ ایمان تقلیدی ہے اور عند اللہ یہ بھی معتبر ہے یہاں بظاہر یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ ہی ثابت قدم رکھتے ہیں اور وہی بچلاتے ہیں تو پھر بچلنے والے پر کیا الزام اس کا ایک جواب تو لفظ يُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ سے ہو گیا کہ انہوں نے ظلم کیا تھا اس کی نحوست سے بچل گئے یہ حکیمانہ جواب ہے اب آگے حاکمانہ جواب ارشاد فرماتے ہیں

وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں وہ جس کو چاہے ہدایت دے اور ثابت قدم رکھے اور جس کو چاہے گمراہ کرے اور بچلائے اس کی بارگاہ میں یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ مومنوں کو کیوں ثابت قدم رکھا اور ظالموں کو کیوں بچلایا اور گمراہ کیا وہ علیم و حکیم ہے وہ اپنی حکمت و مشیت سے جس کے ساتھ جو مناسب ہوتا ہے وہی معاملہ کرتا ہے۔

ف (۱) يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ یہ جملہ شجرۂ طیبہ کی مثال سے متعلق ہے اور وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ کلمۂ خبیثہ کی مثال سے متعلق ہے اور وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ دونوں سے متعلق ہے وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ۔

ایک شبہ یہاں ایک اشکال یہ ہے کہ سورت مکی ہے اور حدیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو عذاب قبر کا علم مدینہ منورہ میں ہوا لہذا یہ آیت عذاب قبر کے بارہ میں کیسے ہو سکتی ہے اس لیے کہ یہ سورت مکی ہے اگر اس میں عذاب کا ذکر ہوتا تو مکہ ہی میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہو جاتا۔

جواب اس اشکال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اس سورت کی اس خاص آیت کو مدنی مانا جائے مگر یہ کہیں ثابت اور منقول نہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ آیت میں لفظ فی الاٰخرۃ وارد ہوا ہے اور آخرت دو ہیں ایک آخرت قریبہ یعنی عالم برزخ اور ایک آخرت بعیدہ یعنی عالم حشر اور قیامت کبریٰ یا یوں کہو کہ ایک حقیقی اور ایک مجازی اور آیت میں لفظ آخرت دونوں کو شامل ہے اور اپنے عموم کی وجہ سے دونوں کو متناول ہے اور حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم کو تثبیت اور اضلال فی الآخرۃ کا ایک جزء تو مکہ مکرمہ ہی میں منکشف ہو گیا یعنی قیامت میں حساب وکتاب کے وقت مسلمانوں کا ثابت قدم رہنا اور کافروں کا بچلنا کیونکہ لفظ آخرت سے ظاہر اور متبادر قیامت ہے اور تثبیت اور اضلال کا دوسرا جزء یعنی تثبیت اور اضلال فی القبر یہ مدینہ منورہ میں منکشف ہوا خلاصہ یہ کہ تثبیت اور اضلال فی الآخرۃ کا وہ حصہ جو قیامت سے متعلق تھا ظاہر اور متبادر ہونے کی وجہ سے مکہ ہی میں منکشف ہو گیا اور دوسرا جزء یعنی عذاب قبر اور نعیم قبر یہ مدینہ ہی میں منکشف ہوا پس آیت کے مکی ہونے میں اور آیت کے عذاب قبر کے بارہ میں نازل ہونے میں کوئی تنافی نہیں رہی۔

ف (۲) آیت میں مومن صالح اور کافر کے ثواب اور عذاب قبر کا ذکر ہے مومن فاسق کا صراحتًا کوئی ذکر نہیں اب یا تو قیاس کیا جائے کہ جس طرح اس کی حالت بین بین ہے اعتقاد میں مومن کے مشابہ ہے اور عمل میں کافر کے مشابہ ہے اس طرح اس کے ساتھ معاملہ بھی بین بین ہوگا۔

(ھٰذا کلہ ملخص من التبیت بمراقبۃ التبییت وغط نمبر ۱۲۲ از سلسلہ تبلیغ)

یہ ناچیز کہتا ہے کہ شاید گناہ گار مومن کے ذکر سے اس لیے سکوت کیا گیا کہ اس کا معاملہ مشیت خداوندی میں مستور ہے کما قال تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ۔

ف (۳) جب مردہ قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو سیاہ رنگ اور نیلی آنکھوں والے ہوتے ہیں ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے اور تیرا دین کیا ہے اور اس شخص (یعنی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں تو کیا کہتا ہے سوال کے ان دو فرشتوں میں سے ایک کا نام مُنکَر بفتح کاف بصیغہ اسم مفعول ہے اور دوسرے کا نام نکیر بر وزن فعیل ہے چونکہ ان کی صورت اور شکل بالکل اوپری

ہے نہ تو آدمیوں کے مشابہ ہے اور نہ فرشتوں کے اور نہ حیوانوں کے بالکل نئی مخلوق ہے اس لیے ان فرشتوں کا نام منکر اور نکیر ہے۔

اہل سنت والجماعت کے اجماعی عقیدوں میں ایک عقیدہ یہ ہے کہ قبر (یعنی عالم برزخ) میں مومن و کافر سب سے سوال ہوگا اور کافر اور فاسق کو عذاب ہوگا قبر سے مراد برزخ ہے جو دنیا اور آخرت کے درمیان واسطہ ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے کیونکہ یہ امر فی نفسہٖ ممکن ہے اور نصوص شریعت سے باجماع امت ثابت ہے اور سوال وجواب کے معنی سمجھنے اور سمجھانے کے ہیں خواہ وہ آواز سے ہوں یا غیر آواز سے ہوں اور سمجھنے کے لیے مطلق زندگی کا ہونا ضروری ہے جو انسان کے کسی جزء سے متعلق ہو سکتی ہے لہٰذا منکرین کا یہ کہنا کہ ہم میت کو دیکھتے ہیں مگر منکر نکیر کو نہیں دیکھتے اور نہ ہی میت کی اور ان کی گفت گو سنتے ہیں اور نہ میت کے بدن پر کوئی علامت عذاب کی دیکھتے ہیں اور نہ میت کے بدن میں کسی قسم کی جنبش یا کوئی اور علامت ہی دیکھنے میں آتی ہے منکرین کا یہ قول صحیح نہیں منکرین کے اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ وہ عالم ہی دوسرا ہے اس عالم کے احوال کے مشاہدے کے لیے اس عالم کی آنکھیں چاہئیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جبریل امینؑ کا کلام سنتے تھے اور جبریلؑ کو دیکھتے تھے مگر حاضرین میں یہ استعداد نہ تھی کہ وہ جبریلؑ کو دیکھ سکیں اور ان کا کلام سن سکیں۔

بسا اوقات انسان کو خواب میں شدید اَلم لاحق ہوتا ہے اور کبھی اس کو مسرت لاحق ہوتی ہے مگر پاس والے آدمیوں کو یہ بات محسوس نہیں ہوتی اور خواب دیکھنے والا یہی سمجھتا ہے کہ میں بیداری کی حالت میں یہ چیزیں دیکھ رہا ہوں حالانکہ وہ واقع میں سویا ہوا ہے اور اگر کوئی شخص اپنا خواب بیان کرے تو اس سے دلیل عقلی کا مطالبہ نہیں ہو سکتا بعینہٖ یہی کیفیت منکر نکیر کے سوال کی ہے کہ مردہ ان کا کلام سنتا ہے اور اس کا جواب دیتا ہے مگر پاس کے لوگوں کو اس کی مطلق خبر نہیں ہوتی ابھی سمجھ میں نہیں آتا جب مر وگے معلوم ہو جائے گا حیرت کا مقام ہے کہ لوگ منکر نکیر اور میت کے سوال وجواب کا انکار کرتے ہیں اور یہ خیال نہیں کرتے کہ ایک سمیع وبصیر انسان کا ایک قطرۂ آب سے پیدا ہو جانا اس سے ہزاروں درجہ عجیب وغریب ہے مگر چونکہ روزمرہ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں اس لیے اس کے انکار پر قدرت نہیں اور جس امر ممکن کی قرآن اور حدیث نے خبر دی ہو مگر ان سائنس دانوں کی آنکھوں نے اس کا مشاہدہ نہ کیا تو بے دھڑک اس کا انکار کر بیٹھتے ہیں گویا کہ ان کی آنکھوں نے جس چیز کو دیکھا نہ ہو وہ ناممکن اور محال ہے نابینا کو یہ حق نہیں کہ وہ بینا کے مشاہدہ کا انکار کر دے۔

خلاصۂ تفسیر آیت مذکورہ

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں حق جل شانہٗ نے اس آیت میں ایک خاص اسلوب سے ایمان وکفر کے فرق کو بتلایا ہے وہ یہ کہ دین اسلام کی مثال ایک نہایت عمدہ وشیریں ونہایت نفع بخش پھل دار درخت جیسی ہے جو عالم ملکوت سے اتار کر مکہ میں نصب کیا گیا جو بوجہ علو ورفعت یہ کہلانے کا مستحق ہے کہ اس کی جڑ زمین

میں قائم ہوئی اور پھر اس کی جڑیں اور شاخیں پھوٹنی شروع ہوئیں اور اطراف عالم میں پھیلتی گئیں اور کلمۂ ناپاک کی مثال ایک ناپاک و خراب درخت جیسی ہے جسے لوگ بوجہ گندگی کے اکھاڑ کر پھینک دیتے ہیں اور وہ سرسبز نہیں ہونے پاتا اسی طرح جو کفر و شرک عالم میں پھیلا ہوا تھا اسلام نے اسے مٹایا اور مٹاتا رہا اس تمثیل کے بعد اللہ تعالیٰ نے دو گروہوں کا حال بیان فرمایا ایک گروہ وہ تھا جو اعلاء کلمۂ حق میں ساعی و کوشاں تھا۔

اور دوسرا گروہ وہ تھا، جو کفر کا پیشوا تھا اور کفر اور شرک کی ترویج میں ساعی و کوشاں تھا گروہِ اول کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں دین اسلام پر ثابت قدم رکھے گا اور آخرت میں ان کے درجات بلند کرے گا اور دوسرے گروہ کی جس نے اللہ تعالیٰ کی نعمت یعنی دین حق کو کفر اور ضلالت سے تبدیل کر رکھا تھا مذمت کی اور آخرت میں ان کا بُرا ٹھکانہ قرار دیا گروہِ اول کے مصداقِ اولین، مہاجرینِ اولین ہیں جنکے سر دفتر ابوبکر صدیق رضؓ تھے جن کی وجہ سے دین اسلام نے رواج پایا اور گروہ ثانی جہلاء قریش تھا اس گروہ کا سر دفتر ابوجہل تھا گروہِ اول کے بالمقابل گروہ ثانی والے ذلیل و خوار اور گرفتار مصیبت و بلا ہوئے اور آیت میں جس تثبیت کا ذکر ہے اس سے توفیق الٰہی مراد ہے جو بندہ کو قبر میں عطا کی جاتی ہے اور جس وقت منکر نکیر اُس سے آکر سوال کرتے ہیں تو وہ بتوفیق الٰہی راست جواب دیتا ہے (ازالۃ الخفاء)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ

تو نے نہ دیکھا؟ جنہوں نے بدلا کیا اللہ کے

كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا ۚ

احسان کا، ناشکری اور اُتارا اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں جو دوزخ ہے پیٹھیں گے اس میں

وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا

اور بُرا ٹھکانا ہے اور ٹھہرائے اللہ کے مقابل کہ بہکاویں لوگوں

عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى

کو اس کی راہ سے تو کہہ، برت لو پھر تم کو پھر جانا ہے طرف

النَّارِ ﴿۳۰﴾ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

آگ کے کہہ دے میرے بندوں کو جو یقین لائے ہیں قائم رکھیں نماز

وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ
اور خرچ کریں ہماری دی روزی میں سے چھپے اور کھلے، پہلے اس سے کہ آوے
اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ
وہ دن جس میں نہ سودا ہے نہ دوستی اللہ وہ ہے
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
جس نے بنائے آسمان اور زمین اور اُتارا آسمان سے پانی
فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ
پھر اس سے نکالی روزی تمہاری میوے اور کام میں دی تمہارے کشتی
لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾ ۚ
کہ چلے دریا میں اس کے حکم سے اور کام میں دیں تمہارے ندیاں
وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ
اور کام میں لگائے تمہارے سورج اور چاند ایک دستور پر
وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾ ۚ وَاٰتٰكُمْ
اور کام میں لگائے تمہارے رات اور دن اور دیا تم
مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۗ وَاِنْ تَعُدُّوْا
کو ہر چیز میں سے جو تم نے مانگی اور اگر گنو
نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۗ اِنَّ الْاِنْسَانَ
احسان اللہ کے نہ پورے کرسکو بے شک آدمی بڑا



لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾ ع
بے انصاف ہے ناشکر

مذمّت کفار و مشرکین و مدح مؤمنین صالحین

قال اللہ تعالیٰ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا ... الیٰ ... اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ

یہ آیت کفار مکہ کے حق میں نازل ہوئی جن پر اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کے انعامات کیے اور ان کی ہدایت کے لیے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا جنہوں نے شجرۂ طیّبہ کی دعوت دی اور شجرۂ خبیثہ کی مضرتوں سے آگاہ فرمایا مگر ان لوگوں نے اس نعمت کی ناشکری کی اور بجائے اسکے کہ منعم حقیقی کی شکر گزاری اور اطاعت شعاری کرتے اس کی ناشکری پر کمر بستہ ہو گئے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں اپنے خاص بندوں کو مراسم عبودیت بجا لانے کی تلقین فرمائی کہ تم اپنے منعم حقیقی کی اطاعت اور عبادت میں لگے رہو اور ان کفار نا ہنجار کی طرح ناشکرے نہ بنو کیا اے دیکھنے والے تو نے ان ظالموں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احسان کو ناشکری سے بدل ڈالا کہ اللہ نے ان کی ہدایت کے لیے ایک رسولؐ کو مبعوث فرمایا جس نے ان کو شجرۂ طیّبہ کی دعوت دی اور شجرۂ خبیثہ کے استعمال سے ان کو منع کیا مگر ان ظالموں نے نعمت کے بدلے مصیبت اور شجرۂ طیبہ کے بدلے شجرۂ خبیثہ کو اختیار کیا خود بھی تباہ ہوئے اور اپنی قوم کو بھی تباہی کے گھر میں جا اتارا یعنی ان کو بھی شجرۂ خبیثہ کھلایا جسے کھا کر وہ جہنم میں داخل ہوں گے اور وہ بہت بری قرار گاہ ہے اور ان ظالموں نے تبدیل نعمت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ منعم کو بھی بدل ڈالا کہ اللہ جو منعم حقیقی تھا اس کے ہم سر بنائے اور اس کے شریک ٹھہرائے تاکہ لوگوں کو خدا کی راہ سے بھٹکا دیں اے نبیؐ! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اچھا چند روز فائدہ اٹھا لو اور دنیا میں خوب مزے اڑا لو پس تمہارا آخری ٹھکانہ جہنم ہے یہ تہدید اور وعید ہے اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی طبیب کسی بد پرہیز سے کہے کل ماشئت فانہ جاءک الموت (اچھا تو جو چاہے کھا تیرا انجام موت اور ہلاکت ہے) کفار و فجار کی اس تہدید و وعید کے بعد اپنے خاص بندوں کو ہدایت فرماتے ہیں اے نبی آپ میرے بندوں سے کہہ دیجئے جو میرے خاص بندے ہیں درہم و دینار کے بندے نہیں جو مجھ پر ایمان لائے ہیں اور ان کو یقین ہے کہ دنیا فانی ہے اور چند روزہ ہے ان سے کہہ دیجئے کہ وہ نعمت الٰہی کی شکر گزاری میں لگے رہیں کہ نماز پڑھتے رہیں جو دین کا ستون ہے اور کفر و اسلام کے درمیان فارق ہے اور جو روزی ہم نے ان کو دی ہے اس میں سے کچھ راہ خدا میں خرچ کرتے رہیں پوشیدہ اور ظاہر خدا کی راہ میں خیرات کرنا یہ مالی شکر ہے بہر حال جان اور مال سے اللہ کی نعمت کے شکر میں لگے رہیں ایسے دن کے آنے سے پہلے کہ جس میں نہ خرید و فروخت ہو سکے گی اور نہ کوئی دوستی چل سکے گی یعنی آخرت میں کوئی

ملہ اس ترجمہ میں گزشتہ آیت وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے۔

فدیہ قبول نہ ہوگا اور نہ کسی کی دوستی کام آوے گی اس دن کے آنے سے پہلے جو کچھ کرنا ہے وہ کر لو یہاں تک ان لوگوں کا ذکر تھا جنہوں نے خدا کی نعمت کی ناشکری کی اور اس کے لیے شرکاء تجویز کیے اب آئندہ آیت میں منعم حقیقی کے اوصاف بیان کرتے ہیں کیونکہ سب سے بڑی نعمت منعم حقیقی کی معرفت ہے اور منعم حقیقی کی ذات و صفات کی معرفت ہی سعادت کبریٰ ہے اس لیے آئندہ آیات میں منعم حقیقی کے دس اوصاف بیان کرتے ہیں۔

(۱) اللہ پاک وہ ہے جس نے آسمانوں کو پیدا کیا (۲) اور زمین کو پیدا کیا اور آسمانوں کو تمہارے لیے چھت بنایا اور زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا (۳) اور آسمان سے پانی اتارا جو تمہاری زندگی کا سامان ہے کما قال تعالیٰ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ پھر اس سے تمہارے کھانے کے لیے پھل نکالے (۴) اور پھر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے لیے تمہارے لیے کشتیوں کو مسخر کیا تاکہ وہ تم کو اللہ کے حکم سے دریا میں لے کر چلیں جن کے ذریعے تم تجارت وغیرہ کر سکو (۵) اور تمہارے نفع کے لیے نہروں کو مسخر کیا کہ جس طرح چاہو ان سے فائدہ حاصل کرو (۶) اور مسخر کیا تمہارے لیے آفتاب کو (۷) اور مسخر کیا تمہارے لیے چاند کو کہ دونوں ایک طریقہ پر برابر چلتے ہیں اور دونوں سے تم کو ہزاروں فوائد حاصل ہوتے ہیں کھیتوں اور پھلوں کا پکنا اور حساب وغیرہ کا تعلق انہی دونوں سے ہے (۸) اور مسخر کیا تمہارے لیے رات کو تاکہ تم آرام کرو (۹) اور مسخر کیا تمہارے لیے دن کو تاکہ تم اپنے کاروبار کرو (۱۰) اور ان کے علاوہ دیا تم کو ہر اس چیز سے جو تم نے اس سے مانگی اور بے شمار چیزیں بغیر تمہارے مانگے ہی تم کو دیں اور اللہ کی نعمتیں تو اس قدر بے شمار ہیں کہ اگر تم ان کو شمار کرنا چاہو تو شمار میں نہیں لا سکتے اگر اپنے اعصاب دماغیہ میں اور ان کے آثار میں غور کرے کہ ہر ایک میں کیا کیا نعمتیں مضمر ہیں تو شمار نہیں کر سکتا بلکہ ایک ہی لقمہ میں اگر غور کرے کہ کس طرح حلق سے نیچے اترا اور کس طرح خون بنا اور کس طرح پاخانہ بنا تو اس کی حقیقت اور کنہ کو نہیں پہنچ سکتا بے شک انسان بڑا ہی ظالم اور بڑا ہی ناشکرا ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو بے محل استعمال کرتا ہے نعمت دینے والے کے حق کو نہیں پہچانتا اور نعمت کا شکر تو کیا کرتا بلکہ اس کے ساتھ دشمنی کا معاملہ کرتا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود باوجود کمال درجہ کی نعمت تھا اس کی دشمنی میں لگے ہوتے ہیں۔

وَإِذْ	قَالَ	إِبْرٰهِيمُ	رَبِّ	اجْعَلْ
اور جس وقت	کہا	ابراہیم نے	اے رب!	کر

هٰذَا الْبَلَدَ	اٰمِنًا	وَّاجْنُبْنِيْ	وَبَنِيَّ	اَنْ	نَّعْبُدَ
اس شہر کو	امن کا	اور بچا مجھ کو	اور میری اولاد کو	اس سے	

الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ

کہ ہم پوجیں مورتیں اے رب! انہوں نے بہکایا بہت لوگوں کو

فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ

سو جو کوئی میری راہ چلا سو وہ تو میرا ہے اور جس نے میرا کہا نہ مانا سو تو

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ

بخشنے والا مہربان ہے اے رب! میں نے بسائی ایک اولاد اپنی

بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا

میدان میں، جہاں کھیتی نہیں، تیرے ادب والے گھر پاس، اے رب

لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ

ہمارے! تاقائم رکھیں نماز سو رکھ بعضے لوگوں کے دل جھکتے ان کی طرف

اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور روزی دے ان کو میووں سے، شاید یہ شکر کریں

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ۭ وَمَا

اے رب ہمارے! تو تو جانتا ہے جو ہم چھپاویں اور جو

يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي

کھولیں اور چھپا نہیں اللہ پر کچھ زمین میں اور نہ

السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ

آسمان میں شکر ہے اللہ کو جس نے بخشا مجھ کو بڑی عمر میں

اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَاۗءِ ﴿۳۹﴾

اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ بے شک میرا رب سنتا ہے پکار

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۖ
اے رب میرے! کر مجھ کو کہ قائم رکھوں نماز، اور بعضی میری اولاد
رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ
کو اے رب ہمارے اور قبول کر میری دعا۔ اے رب ہمارے! بخش مجھ کو اور میرے ماں باپ
وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾ ع
کو اور سب ایمان والوں کو جس دن کہ کھڑا ہووے حساب

دُعاء ابراہیمی کا ذکر

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ ھٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا ... اِلٰی ... یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ

(ربط) گزشتہ آیات میں توحید و نعم الٰہیہ کا ذکر تھا اب ان آیات میں دعاء ابراہیمی کا ذکر کرتے ہیں چونکہ اہل مکہ کو یہ زعم تھا کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور ان کے طریقہ پر ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دُعا نقل فرمائی تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ بڑے موحّد تھے اور شرک سے متنفّر تھے ——— اور اپنی اولاد کے لیے بھی یہی دعا کرتے تھے کہ اے اللہ ان سب کو شرک اور بتوں سے دور رکھنا لہٰذا ان کی نسل کو چاہیئے کہ ان کے طریقہ پر چلے اور انہیں کی دعاؤں سے یہ ریگستانی خطّہ ایک پرامن اور آباد شہر بنا لہٰذا تم کو چاہیئے کہ ان احسانات کو دیکھ کر خدا کے شکر گزار بنو خانہ کعبہ کے اہل وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو ایک خدا کی عبادت کریں۔ یہ گھر ابراہیم علیہ السلام نے خدا کی عبادت کے لیے بنایا تھا اسی وجہ سے اس گھر کو بیت اللہ کہا جاتا ہے اور چونکہ ابراہیم علیہ السلام توحید اسلام کی دعوت دیتے تھے اور عبادت اصنام سے منع کرتے تھے اس لیے ان کا قصہ کلمۂ طیّبہ اور کلمۂ خبیثہ کی مثال کی تشریح ہے اس لیے کہ توحید بمنزلہ شجرۂ طیّبہ کے ہے اور شرک بمنزلہ شجرۂ خبیثہ کے ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو جب ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ اے پروردگار اس شہر کو مقام امن اور مقام محفوظ بنا دیجیے کہ جو اس میں داخل ہو وہ آفات ظاہری و باطنی سے مامون و محفوظ ہو جائے یعنی اس کو حرم محترم بنا دیجیے اور مجھ کو اور میری صلبی اولاد کو اور اس اولاد کو جو میری زندگی میں پیدا ہو سب کو بت پرستی سے دور رکھ خواہ وہ بت ظاہری ہوں یا باطنی کیوں کہ نفس باطنی بت ہے کما قال اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوٰہُ مطلب یہ تھا کہ اے اللہ تعالیٰ مجھ کو اور میری اولاد کو شرک جلی اور شرک خفی سے محفوظ رکھنا کیوں کہ ہوائے نفس کا اتباع یہ بھی ایک قسم

کا شرک ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا بھی قبول فرمائی کہ ان کے صلبی بیٹوں میں سے کسی نے بت کو نہیں پوجا کیوں کہ اس دعا میں وَبَنِيَّ سے عام اولاد مراد نہیں بلکہ ان کے خاص صلبی فرزند مراد ہیں اور وہ اسماعیلؑ اور اسحاق علیہ السلام ہیں جو اکابر انبیاء میں سے ہیں اور انبیاء شرک اور معصیت سے معصوم ہوتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اور میری صلبی اولاد کو بت پرستی سے محفوظ رکھے گا مگر یہ دعا اس لیے فرمائی کہ ہماری معصومیّت اور محفوظیّت ہمارا طبعی اور ذاتی امر نہیں بلکہ اللہ کی عصمت اور اس کی حفاظت اور اس کی تائید و توفیق پر ہے اور مطلب یہ تھا کہ اے اللہ مجھ کو توحید خالص پر قائم اور ثابت قدم رکھ اور براہِ لطف و کرم شرک جلی اور شرک خفی سے محفوظ رکھ چنانچہ ان کے صلبی بیٹے یا جو بیٹے اس دعا کے وقت موجود تھے وہ سب شرک سے محفوظ رہے (تفصیل کے لیے تفسیر کبیر ص ۲۰۵ جلد ۵ و تفسیر روح المعانی ص ۲۱۰ جلد ۱۳ کو دیکھیں) لہٰذا قریشِ مکہ کا غیر اللہ کو پوجنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کے منافی نہیں کیونکہ وہ ان کی صلبی اولاد نہیں اور اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ ابراہیم علیہ السّلام کی یہ دعا قریش کے حق میں قبول نہیں ہوئی تو اس سے ابراہیم علیہ السّلام کی منقصت لازم نہیں آتی یہ ضروری نہیں کہ نبی کی دعا بتمام وکمال قبول ہو جائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا ان کے صلبی بیٹوں کے حق میں یا اس اولاد کے حق میں جو اس وقت موجود تھی قبول ہوئی ساری نسل کے حق میں قبول نہیں ہوئی نیز قرآن کریم میں صرف ابراہیمؑ کی دعا کا ذکر ہے اور اس کی قبولیت اور عدم قبولیت کا کوئی ذکر نہیں کہ یہ دُعا قبول ہوئی یا نہیں اور ظاہر ہے کہ یہ دعا ان بیٹوں کے ساتھ مخصوص تھی جن سے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو خاص محبّت تھی قیامت تک آنے والی نسل کے لیے نہ تھی۔

اور ابراہیم علیہ السّلام کی پہلی دعا بھی قبول ہوئی کہ مکہ ایک مامون اور محفوظ شہر بن گیا اور جبابرہ کے تسلط اور ظالموں کی غارت گری سے محفوظ رہا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ابراہیم علیہ السّلام نے اپنے لئے اور اپنے بیٹوں کیلئے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ مجھ کو اور میرے بیٹوں کو بتوں سے دور رکھ اس لیے کہ مجھ کو ڈر ہے کہ میری اولاد شیطانی کرشموں کو دیکھ کر کہیں گمراہ نہ ہو جائے اے میرے پروردگار تحقیق ان بتوں نے بہت سے آدمیوں کو گمراہ کر دیا ہے یعنی ان کی گمراہی کا سبب بنے ہیں بغیر آپ کی عصمت اور حفاظت کے ان کے فتنہ سے بچنا بہت مشکل ہے اس لیے آپ سے یہ دعا مانگ رہا ہوں پس جس نے میری پیروی کی اور میرے پیچھے چلا یعنی مسلمان اور موحد ہوا تو وہ مجھ سے ہے یعنی میرے ساتھ وابستہ ہے اور نجات اور رفع درجات میں میرے ساتھ ہے اور جس نے میری نافرمانی کی یعنی میرے دین کا تابع نہ ہوا اور میری ملت میں داخل نہ ہوا تو اے رب بلاشبہ تو بخشنے والا مہربان ہے یعنی تو مغفرت اور رحمت پر قادر ہے کہ ان نافرمانوں کو توبہ کی توفیق دے دے اور کفر سے نکال کر اسلام میں داخل کر دے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کا اختیار ہے وہ اگر چاہے تو کافروں کو بھی بخش دے لیکن اس نے خبر دے دی ہے کہ مشرک اور کافر اور

منافق کو نہیں بخشے گا مگر اس کی قدرت اور اختیار ویسا ہی ہے اے پروردگار تحقیق میں نے بسایا ہے اپنی بعض اولاد کو ایسے میدان میں جو ریگستان ہے اور قابل زراعت نہیں ان کو تیرے محترم گھر کے قریب لاکر بسایا ہے اور زراعت وغیرہ کے لیے نہیں بسایا بلکہ اے ہمارے پروردگار تحقیق میں نے ان کو اس لیے بسایا ہے تاکہ نماز کو قائم رکھیں اور تیری عبادت کریں اور تیری طرف متوجہ رہیں اور تیرے گھر سے برکت حاصل کریں جب میری اولاد تیرے محترم گھر کے پاس آباد ہوگی تو بحق جوار (پڑوس) ان پر تیری خاص الخاص رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی رہیں گی پڑوسی کا بھی حق ہوتا ہے اور چونکہ یہ وادی غیر ذی زرع بے آب وگیاہ ہے جس میں ظاہری طور پر زندگی کا کوئی سامان نہیں اس لیے کچھ انسانوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے کہ جن سے یہ انس حاصل کر سکیں اور کچھ انسانوں سے مسلمان مراد ہیں اور ایک دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ فرمائی کہ اے اللہ ان کو قسم قسم کے پھلوں سے رزق دے تاکہ یہ رزق تیری اطاعت اور عبادت میں ان کو مدد دے اور تاکہ یہ تیری نعمتوں کا شکر کریں اور مزید نعمت کے مستحق بنیں پھر ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے ہمارے پروردگار! تحقیق آپ ہماری تمام حاجتوں کو خوب جانتے ہیں جو ہم دل میں پوشیدہ رکھیں اور جو ہم زبان سے ظاہر کریں میری یہ عرض ومعروض بحق عبودیت وافتقار وحاجت ہے آپ کی اطلاع کے لیے نہیں آپ کو ہمارا سارا ظاہر وباطن معلوم ہے آپ کو خوب معلوم ہے کہ اس وادی غیر ذی زرع میں اپنی اولاد کو بسانے میں میری کیا نیت ہے اور میری یہ والہانہ عرض ومعروض کس لیے ہے آئندہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی تصدیق فرمائی اور بے شک اللہ پر آسمان اور زمین کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ـــ حضرت ابراہیمؑ کی دعا اور التجا بھی اللہ پر پوشیدہ نہیں پھر ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے شکر کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا شکر ہے اس اللہ کا جس نے بڑھاپے میں مجھ کو اسماعیل اور اسحاق جیسے دو بیٹے عطا کیے جو ہر ایک ملت اسلام کا اور توحید کا شجرۂ طیبہ ہے بے شک میرا پروردگار دعا کا سننے والا ہے یعنی وہ بندوں کی دعاؤں کو سنتا ہے اور قبول کرتا ہے اس لیے اور دعا میں اضافہ کیا اور کہا اے میرے پروردگار مجھ کو نماز کا قائم رکھنے والا کر دے کہ ٹھیک ٹھیک تیرے آداب عبودیت کو بجا لاؤں اور میری بعض اولاد کو بھی کل اولاد کو اس لیے نہ کہا کہ ان کو بذریعہ وحی معلوم تھا کہ سب اولاد مسلمان نہ ہوگی یا مسلمان ہوگی مگر نماز کی پابند نہ ہوگی اے ہمارے پروردگار! تو ہمارا رب اکرم ہے اپنے جود وکرم سے ہم کو نواز اور میری یہ دعا قبول فرما اور اے ہمارے پروردگار میری مغفرت فرما اور میرے والدین کی اور تمام اہل ایمان کی جس دن حساب قائم ہوگا۔ حضرت ابراہیمؑ کی اپنے والدین کے لیے دعائے مغفرت اس وقت تھی جب کہ وہ زندہ تھے کہ شاید وہ ایمان لے آئیں اور خدا کی مغفرت اور رحمت میں داخل ہو جائیں اور جب ان کا خاتمہ کفر اور گمراہی پر ہو گیا تو ابراہیم علیہ السلام ان سے بری ہو گئے ۔

کما قال تعالیٰ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ـ

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ

اور مت خیال کر ، کہ اللہ بے خبر ہے ان کاموں سے جو کرتے ہیں

الظّٰلِمُوْنَ ۵ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ

بے انصاف ان کو تو چھوڑ رکھتا ہے اس دن پر جس دن میں

فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۴۲ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ

اوپر لگ جاویں گی آنکھیں ڈرتے ہوں گے اوپر اُٹھائے

رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ۴۳

اپنے سر پھرتی نہیں اپنی طرف اُن کی آنکھ اور دل اُن کے اُڑ گئے ہیں

وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ

اور ڈرا دے لوگوں کو اس دن سے، کہ آوے گا ان کو عذاب، تب کہیں گے

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ

بے انصاف اے رب ہمارے، فرصت دے ہم کو تھوڑی مدت کہ ہم

دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۭ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ

مانیں تیرا بلانا اور ساتھ ہوں رسولوں کے، تم آگے قسم نہ کھاتے تھے

مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۴۴ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ

کہ تم کو نہیں کسی طرح ٹلنا اور بسے تھے تم بستیوں میں

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا

انہی کی جنہوں نے ظلم کیا اپنی جان پر، اور کھل چکا تم کو، کہ کیسا کیا ہم نے

بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ۴۵ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ

اُن پر، اور بتائیں ہم نے تم کو کہاوتیں اور یہ بنا چکے ہیں اپنا داؤ

وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ۭ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ

اور اللہ کے آگے ہے ان کا داؤ اور نہ ہوگا ان کا داؤ کہ ٹل جاویں

مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ۭ

اس سے پہاڑ سو مت خیال کر کہ اللہ خلاف کرے گا اپنا وعدہ اپنے

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ

رسولوں سے بے شک اللہ زبردست ہے بدلہ لینے والا۔ جس دن بدلی جاوے اس زمین سے

غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ

اور زمین اور آسمان اور لوگ نکل کھڑے ہوں سامنے اللہ

الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ مُّقَرَّنِيْنَ

اکیلے زبردست کے اور دیکھے تو گنہگار اس دن جوڑے ہوئے

فِي الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى

زنجیروں میں کرتے اُن کے ہیں گندھک کے اور ڈھانکے

وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۭ

لیتی ہے ان کے منہ کو آگ تا بدلہ دے اللہ ہر جی کو اس کی کمائی کا

اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَ

بے شک اللہ شتاب کرنے والا ہے حساب یہ خبر کردینی ہے لوگوں کو اور

لِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

تا چونک رہیں اس سے، اور تا جانیں کہ معبود ہے ایک

وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾ ع

اور تا سوچ کریں عقل والے

ع ۷ ۱۱ ۱۹

تذکیر آخرت وتحذیر از غفلت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی، وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ غَافِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ... اِلٰی ... وَلِیَذَّکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ

ربط: گزشتہ آیات میں توحید کا اور ظالموں یعنی مشرکوں کی وعید کا ذکر تھا جو آخرت کے منکر تھے اب آئندہ آیات میں آخرت کی یاددہانی اور اس سے غفلت پر تنبیہ فرماتے ہیں کہ یہ ظالم یعنی منکرین آخرت قیامت کی تاخیر سے یہ نہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے غافل ہے غافل نہیں بلکہ حکمت اور مصلحت کی وجہ سے اس میں تاخیر ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ قادر اور حلیم ہیں فوراً مجرم کو نہیں پکڑتے بلکہ اسے مہلت دیتے ہیں البتہ جب جرم میں حد سے گزر جاتا ہے تب اس کو پکڑتے ہیں لہٰذا کوئی ظالم سزا کی تاخیر سے یہ گمان نہ کرے کہ خدا تعالیٰ جرائم سے غافل اور بے خبر ہے وہ کیسے حساب لے گا۔

بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ ان کافروں کو اس دن سے ڈرایئے جس دن ان پر عذاب آئے گا کما قال تعالیٰ وَاَنْذِرِ النَّاسَ یَوْمَ یَاْتِیْهِمُ الْعَذَابُ۔

بعد ازاں اس دن کے کچھ احوال اور کافروں کی حیرانی اور پریشانی کو بیان فرمایا اور پھر توحید پر اس سورت کو ختم فرمایا اور وَلِیَذَّکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ سے یہ بتلا دیا کہ عاقل اور دانا وہی ہے کہ جو ایک خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کو مانے اور اس کے حساب وکتاب وجزاء وسزا سے ڈرے اور وہاں کی کچھ فکر اور تیاری کرے اور اسے غافل خدا کی ڈھیل سے یہ گمان ہرگز نہ کر کہ اللہ تعالیٰ ان ظالموں کے اعمال وافعال سے غافل ہے یعنی یہ خیال نہ کرو کہ اللہ نے جو ان ظالموں کو مہلت اور ڈھیل دے رکھی ہے اور کھلے بندوں ان کو چھوڑ رکھا ہے وہ ان سے غافل ہے سو خوب سمجھ لو کہ یہ مہلت اور مؤاخذہ میں تاخیر ایک امتحانی پردہ ہے جز ایں نیست کہ اللہ تعالیٰ ان کو ڈھیل دے رہا ہے ایسے آنے والے دن کے لیے کہ حیرت اور دہشت کی وجہ سے اس دن نگاہیں پھٹی رہ جائیں گی یعنی اس دن کی شدت اور ہول کو دیکھ کر آنکھیں کھلی رہ جائیں گی اور یہ قیامت کا دن ہو گا اور اس دن جب قبروں سے اٹھیں گے تو حال یہ ہو گا کہ میدان حشر کی طرف دوڑتے ہوں گے کما قال تعالیٰ مُهْطِعِیْنَ اِلَی الدَّاعِ ــ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ ــ یَوْمَئِذٍ یَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِیَ لَا عِوَجَ لَهٗ یعنی قبروں سے نکل کر پکارنے والے کی آواز کی طرف دوڑ رہے ہوں گے اور حیرت اور دہشت کی شدت کی وجہ سے اپنے سراوپر کو اٹھائے ہوں گے جزع اور فزع کی وجہ سے کوئی کسی طرف نظر نہیں کرے گا ان کی نگاہ ان کی طرف واپس نہیں لوٹے گی یعنی شدتِ خوف ودہشت کی وجہ سے ایسی ٹکٹکی بندھے گی کہ پلک بھی نہ جھپکے گی آنکھیں کھلی رہ جائیں گی اور ان کے دل اڑے ہوئے ہوں گے یعنی غلبۂ دہشت وحیرت کی وجہ سے ان کے دل عقل اور فہم

سے خالی ہوں گے اے ظالمو ! جس آخرت اور یوم قیامت کے تم منکر ہو اس کا حال یہ ہے ہوشیار ہو جاؤ اس دن تک تم کو اللہ نے ڈھیل دے رکھی ہے اور جب یہ دن آجاتے گا تو پھر تم کو مہلت نہ ہو گی اور اے نبیؐ ! آپ ان لوگوں کو اس دن سے ڈرائیے کہ جس دن انپر عذاب آتے گا تو یہ ظالم لوگ جنہوں نے کفر و شرک کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا یہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار ! ہم کو تھوڑی مدت کے لیے مہلت دیجیئے اور دوبارہ ہم کو دنیا میں بھیج دیجیئے تو ہم اس مدت میں تیری دعوت کو قبول کریں گے اور پیغمبروں کا اتباع کریں گے ان کو جواب ملے گا کیا ہم نے تم کو دنیا میں مہلت نہیں دی تھی اور کیا تم اس سے پہلے دنیا میں قسمیں نہیں کھایا کرتے تھے کہ تم کو زوال نہیں یعنی اس حالت سے پہلے تم کو اس درجہ یقین تھا کہ قسمیں کھا کر یہ کہا کرتے تھے کہ دنیا دائمی ہے قیامت اور آخرت کی جو باتیں پیغمبر بیان کرتے ہیں وہ سب افسانہ ہے اچھا اب تو اس قیامت کو دیکھ لیا اب تم اس کا مزہ چکھو اور علاوہ ازیں تم ان لوگوں کے گھروں میں رہے ہو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور رسولوں کا مقابلہ کیا جیسے قوم عاد اور قوم ثمود اور خبر متواتر سے تم پر ظاہر ہو چکا ہے کہ ہم نے ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا یعنی بالیقین تم سب پر بات کھل چکی ہے کہ یہ قوم عاد اور قوم ثمود کی بستیاں ہیں جن کو اللہ نے پیغمبروں کی نافرمانی کی وجہ سے ہلاک کر ڈالا وہ تو اس دارِ فانی کو چھوڑ گئے اور ان کی جگہ تم آباد ہو اور ان کی تباہی اور بربادی کے آثار اور نشان تمہاری نظروں کے سامنے ہیں غور کر لو جو انجام ان کا ہوا وہی تمہارا بھی ہو گا دیکھ لو کہ انعام کے بعد اللہ کا انتقام ایسا ہوتا ہے سمجھ جاؤ کہ کفر کا انجام یہ ہوتا ہے اور علاوہ ازیں یہ واقعات جو تم نے بے شمار لوگوں سے سنے عبرت کے لیے کافی تھے اور ان کے گھروں میں عذاب نازل ہونے کے جو آثار تم نے دیکھ لیے تھے وہ بھی عبرت کے لیے کافی تھے مگر ہم نے اس کے علاوہ تمہاری نصیحت کے لیے تمہارے لیے مثالیں بیان کیں تاکہ تم سمجھو مگر تم نے ان سے عبرت نہ پکڑی بلکہ اور الٹی ان کی ہنسی اڑاتی اور دینِ حق کے مٹانے پر تل گئے اور اس کے لیے طرح طرح کے مکر و فریب کیے اور بے شک ان لوگوں نے دین حق کے مٹانے کے لیے جس قدر ان سے مکر و فریب ممکن تھا وہ چلا ڈالا یعنی حق کے رد کرنے میں اور کفر کے غالب کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور اللہ کے سامنے ہے ان کا مکر، ان کا کوئی مکر و فریب خدا تعالیٰ سے مخفی نہیں اور واقعی ظاہر نظر میں ان کی تدبیریں ایسی تھیں کہ عجب نہیں ان سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائیں مگر حق تو پہاڑوں سے کہیں زیادہ محکم اور مضبوط ہے وہ ان مکاروں کے مکر و فریب سے کہاں ٹل سکتا ہے اللہ اپنے دین کا حافظ و ناصر ہے پس اے گمان کرنے والے تو اللہ کی نسبت یہ گمان نہ کر کہ وہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے گا خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ مکذبین رسالت اور منکرین آخرت کو قیامت میں عذاب دے گا وہ وعدہ حق ہے ضرور پورا ہو گا اس میں جو تاخیر ہو رہی ہے وہ عجز کی وجہ سے نہیں اس لیے کہ بلاشبہ اللہ غالب ہے سب کچھ اس کے قبضۂ قدرت میں ہے صاحب انتقام ہے اپنے دوستوں کا دشمنوں سے بدلہ لیتا ہے اس کو بدلہ لینے سے کوئی نہیں روک سکتا اور یہ بدلہ اس روز ہو گا جس دن اس زمین اور آسمان کے علاوہ دوسری زمین اور آسمان بدل دیئے جائیں گے

جاننا چاہیئے کہ تبدیل کبھی باعتبار ذات کے ہوتی ہے اور کبھی باعتبار صفات کے ہوتی ہے تبدیل ذات کے معنی یہ ہیں کہ پہلی ذات بالکل معدوم اور فنا کر دی جائے اور اس کے بدلے دوسری ذات پیدا کر دی جائے اور تبدیل صفات کے معنی یہ ہیں کہ پہلی ذات تو باقی رہے اور صفات سابقہ کے بدلہ میں دوسری صفات اس میں پیدا کر دی جائیں اور چونکہ آیت میں جو لفظ تبدیل واقع ہوا ہے وہ دونوں معانی کا متحمل ہے اس لیے آیت میں مفسرین کے دو قول ہو گئے۔

پہلا قول یہ ہے کہ آیت میں تبدیل صفات مراد ہے یعنی اصل زمین اور آسمان تو رہیں گے مگر ان کی حالت اور صفت بدل دی جائے گی مثلاً زمین کے ٹیلے اور پہاڑ برابر کر کے تمام زمین ایک ہموار میدان بنا دی جائے گی اور کسی درخت اور عمارت کا اس پر نام و نشان باقی نہ رہے گا اور آسمان کے ستارے جھڑ پڑیں گے اور سورج اور چاند بے نور ہو جائیں گے اور آسمان کی رنگت سرخ ہو جائے گی یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ زمین اور آسمان کی ذات میں تغیر و تبدل ہوگا یعنی یہ اصل زمین اور آسمان ہی بدل دیئے جائیں گے اور نئی زمین اور آسمان پیدا کر دیا جائے گا اور وہ نئی زمین چاندی کی طرح سفید ہوگی اور اس پر کسی نے خون کا قطرہ نہ گرایا ہوگا اور نہ اس پر اللہ کی معصیت کی گئی ہوگی یہ قول عبد اللہ بن مسعودؓ کا ہے اور بعض احادیث صحیحہ میں بھی اسی طرف اشارہ پایا جاتا ہے غرض یہ کہ اس بارہ میں اقوال صحابہ و تابعین مختلف ہیں اور احادیث بھی مختلف ہیں بعض سے تبدیل ذات مفہوم ہوتا ہے اور بعض سے تبدیل صفات معلوم ہوتا ہے اسلئے بعض علماء نے پہلے قول کو اختیار کیا اور بعض نے دوسرے قول کو اور امام قرطبیؒ وغیرہ نے ان روایات میں تطبیق دی کہ زمین و آسمان کی تبدیلی کئی بار ہوگی ایک تبدیلی نفخ صور کے وقت ہوگی اس وقت فقط صفات کی تبدیلی ہوگی کہ تمام زمین ہموار کر دی جائے گی اور چاند اور سورج بے نور ہو جائیں گے اور ستارے گر پڑیں گے دوسری تبدیلی نفخۂ اولیٰ اور نفخۂ ثانیہ کے درمیان ہوگی کہ اس زمین اور آسمان کی بجائے نئے زمین اور آسمان پیدا کر دیئے جائیں گے اور بعض کہتے ہیں کہ ایک تبدیلی اس وقت ہوگی کہ جب لوگ پل صراط پر ہوں گے واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

آگے پھر اس دن کی کیفیت بیان کرتے ہیں اور اس دن سب قبروں سے نکل کر حساب و کتاب کے لیے خدائے واحد قہار کے حضور حاضر ہو جائیں گے اور اس دن تو مجرموں کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھے گا پیروں میں بیڑیاں اور گردن میں طوق ہوں گے اور ان کے کرتے قطران کے ہوں گے قطران سیاہ روغن گندھک کو کہتے ہیں جو نہایت بدبو دار اور بدرنگ ہوتا ہے اور ایک دم آگ سے بھڑک اٹھتا ہے اور چھا جائے گی ان کے چہروں کو آگ اور یہ سب کچھ ان لوگوں کے ساتھ اس لیے ہوگا کہ اللہ جزاء دے ہر نفس کو جو اس نے کمایا ہے بے شک اللہ جلدی حساب والا ہے اس کو اولین اور آخرین کا حساب کوئی دشوار نہیں ایک سے حساب دوسرے سے حساب لینے کیلئے مانع نہیں یہ قرآن اللہ کا پیغام ہے تاکہ لوگ سعادت اور شقاوت کو پہچانیں اور ظلمتوں سے نکل کر نور کی طرف آئیں اور تاکہ لوگ اس سے

چوکنے ہوجائیں اور تاکہ یقین کرلیں کہ معبود برحق وہی ایک ہے کسی صفت میں کوئی اس کا شریک نہیں اور تاکہ نصیحت پکڑیں عقل والے کیونکہ قرآن نے خدا کی وحدانیت کے اور انبیاء کرامؑ کی صداقت اور حقانیت کے اور قیام قیامت کے ایسے صریح دلائل بتلائے ہیں کہ جن میں عقل والے کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

اللّٰھم اخرجنا من الظلمٰت الی النور واجعلنا من اولی الالباب آمین یا رب العٰلمین۔ الحمد للہ آج بروز شنبہ بوقت ۴ بجے دن کے بتاریخ ۱۳ ذی قعدۃ الحرام سورۃ ابراہیم کی تفسیر سے فراغت ہوئی وللہ الحمد اولاً وآخراً۔

تفسیر سورۂ حجر

سورۂ حجر مکی ہے اس میں ننانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں اس میں حجر کے رہنے والوں کی عبرتناک ہلاکت کا بیان ہے اس لیے اس سورت کا نام سورۂ حجر ہے اور حجر شام اور مدینہ کے درمیان ایک وادی ہے اس سورت میں زیادہ تر منکرین نبوت اور مکذبین رسالت کی عقوبت اور ہلاکت کے واقعات اور گاہ بگاہ وحدانیت اور قیامت کا ذکر بھی ہے۔

آیاتہا ۹۹ ۱۵ سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ ۵۴ رکوعاتہا ٦

سورۂ حجر مکی ہے اور اس میں ننانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان ہے نہایت رحم والا

الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ①

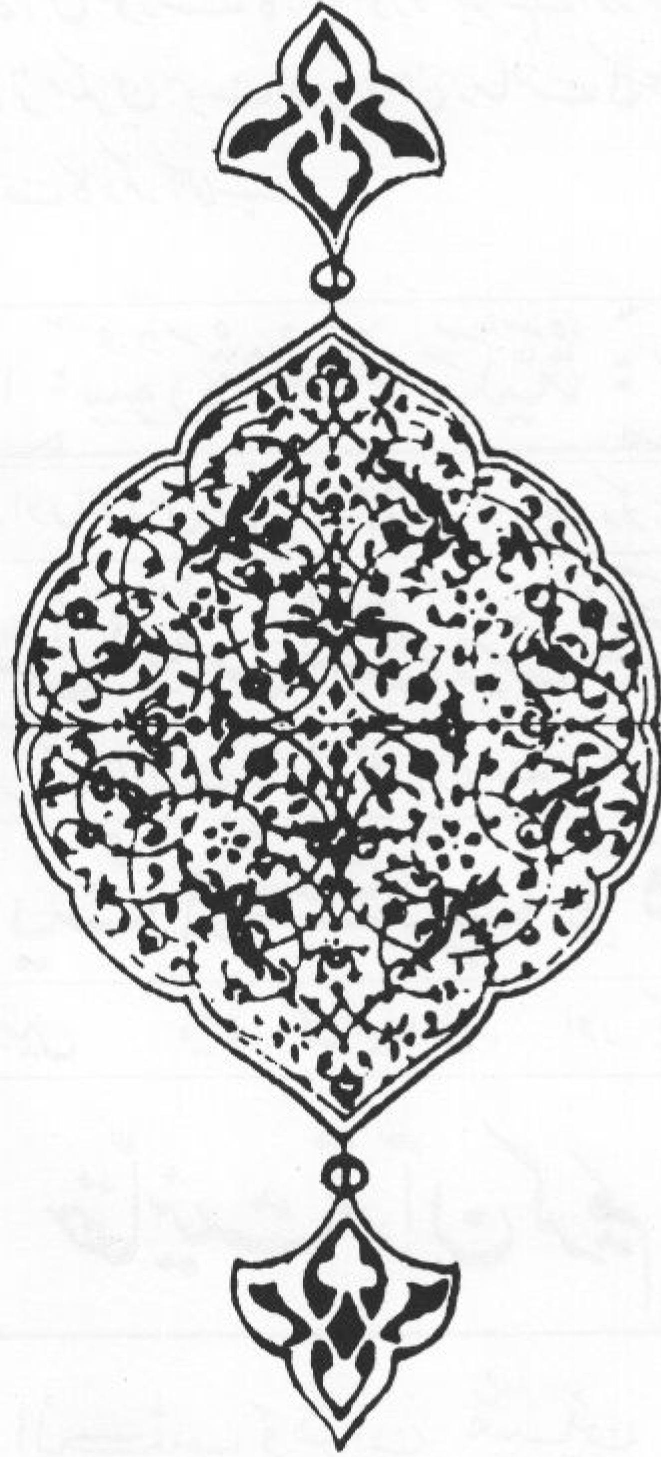
یہ آیتیں ہیں کتاب کی اور کھلے قرآن کی

حقانیت قرآن کریم

الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ

(ربط) گزشتہ سورت کی طرح اس سورت کا آغاز بھی قرآن کریم کی حقانیت سے فرمایا جو آپ کی نبوت و رسالت

کی دلیل ہے الٓرا اللہ اعلم بمرادہ یہ آیتیں جن کی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تلاوت کرتے ہیں ایک عظیم الشان اور کامل کتاب کی آیتیں ہیں جس کے مقابلہ میں دوسری کتاب ۔کتاب کہلانے کی مستحق نہیں اور اس قرآن کی آیتیں ہیں جو روشن ہے یعنی جس کے اصول اور احکام صاف اور روشن ہیں عقل اور نقل سے ثابت ہیں اور اس کا اعجاز واضح ہے یا وہ قرآن حق اور باطل کو بیان کرنے والا ہے لہٰذا لوگوں کو چاہئیے کہ اس کتاب کو توجہ سے سنیں اور اس پر ایمان لائیں ایسا نہ ہو کہ پہلی امتوں کی طرح تکذیب رسل اور آیات الٰہیہ سے اعراض کی بنا پر غضب الٰہی کے مستحق بنیں اور پھر آئندہ چل کر حسرت کریں کہ کاش ہم مسلمان ہوتے اس وقت یہ حسرت کام نہ آئے گی ۔



رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ﴿٢﴾

کسی وقت آرزو کریں گے یہ لوگ جو منکر ہیں کسی طرح ہوتے مسلمان ۔

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ

چھوڑ دے ان کو کھالیں اور برت لیں اور اُمید پر بھولے رہیں کہ آگے

يَعْلَمُونَ ﴿٣﴾ وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا

معلوم کر لیں گے ۔ اور کوئی بستی ہم نے نہیں کھپائی مگر اس کا

كِتَابٌ مَّعْلُومٌ ﴿٤﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَ

لکھا تھا مقرر ۔ نہ شتابی کرے کوئی فرقہ اپنے وعدے سے اور

مَا يَسْتَأْخِرُونَ ﴿٥﴾

نہ دیر کرے ۔

بیانِ حسرت اہلِ غفلت در روزِ قیامت

قال اللہ تعالیٰ ۔ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ... الیٰ ... وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ہ

(ربط) گزشتہ آیت میں قرآن کریم کا من جانب اللہ ہونا بیان کیا۔ اب آئندہ آیت میں اس کے نہ ماننے والوں کا انجام بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ جو آج دنیا کی شہوات و لذات میں غرق ہیں اور غفلت کا پردہ ان کے پڑا ہے قیامت کے دن یا بوقتِ مرگ نہایت حسرت کے ساتھ کہیں گے کہ کاش ہم مسلمان ہوتے اور اس کتاب پر ایمان لاتے یا یہ کہ جب کفار یہ دیکھیں گے کہ انبیاءؑ کے ماننے والوں کو ثواب مل رہا ہے اور ان کے نہ ماننے والوں کو عذاب مل رہا ہے تو اس وقت یہ خواہش کریں گے کہ کاش ہم مسلمان ہوتے ۔

چنانچہ فرماتے ہیں جن لوگوں نے دنیا میں کفر کیا ہے اور اس قرآن مبین کا انکار کیا ہے جب قیامت کے دن اس کفر اور انکار کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے تو بار بار یہ تمنّا کریں گے کہ کاش ہم دنیا میں مسلمان ہوتے اور اس قرآنِ مبین کو اور اس قرآن کے لانے والے کو مانتے مگر اس وقت یہ تمنا محض بے سود ہوگی۔

اے نبی! آپ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں کہ خوب کھائیں اور دنیا وی لذات سے فائدہ اٹھائیں اور لمبی آرزو ان کو آخرت سے غفلت میں ڈالے رکھے یعنی طویل آرزوئیں ان کو ایسا غافل بنا دیں کہ انجام کا خیال بھی نہ کریں اور آخرت کو بھولے رہیں پس عنقریب وہ حقیقت حال کو جان لیں گے۔ مرنے کے بعد ان کو حقیقت حال معلوم ہو جائے گی اور اس غفلت اور طول امل کا انجام آنکھوں کے سامنے آجائے گا اور ان کافروں کو جو مہلت دی گئی اور فوراً ان کو ہلاک نہیں کیا گیا سو اسکی وجہ یہ ہے کہ ہمارا قاعدہ یہ ہے کہ ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر پہلے سے اس کے لیے ایک میعاد مقرر لکھی ہوئی تھی۔ اور کوئی جماعت نہ اپنی مدت مقررہ سے پہلے ہلاک ہوتی ہے اور نہ وہ پیچھے رہ سکتی ہے جب وقت آتا ہے تب ہلاک ہوتی ہے جب اللہ کی حجت پوری ہو جائے اور عذر ختم ہو جائے تب اللہ کا عذاب آتا ہے۔

وَ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ

اور لوگ کہتے ہیں اے شخص کہ تجھ پر اتری ہے۔

الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝۶ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ

نصیحت، تو مقرر دیوانہ ہے۔ کیوں نہیں لے آتا ہمارے پاس فرشتے اگر

كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۷ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا

تو سچا ہے۔ ہم نہیں اتارتے فرشتے مگر

بِالْحَقِّ وَ مَا كَانُوْۤا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝۸ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا

کام ٹھہرا کر اور اس وقت نہ ملے گی ان کو ڈھیل۔ ہم نے آپ اتاری ہے

الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ

یہ نصیحت اور ہم اس کے نگہبان ہیں۔ اور ہم بھیج چکے ہیں رسول

قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۰ وَ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ

تجھ سے پہلے کئی فرقوں میں اگلے۔ اور نہیں آیا ان پاس کوئی رسول

اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۱ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ

مگر کرتے رہے ہیں اس سے ہنسی۔ اسی طرح پیٹھاتے (ڈال دیتے) ہیں

قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ﴿۱۲﴾ لَا يُؤْمِنُونَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ

ہم اس کو دل میں گنہگاروں کے ۔ یقین نہ لاویں گے اس پر اور ہوتی آئی

سُنَّةُ الْاَوَّلِينَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ

ہے رسم پہلوں کی ۔ اور اگر ہم کھول دیں ان پر دروازہ آسمان

السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيهِ يَعْرُجُونَ ﴿۱۴﴾ لَقَالُوٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ

سے اور سارے دن اس میں چڑھتے رہیں ۔ یہی کہیں کہ ہماری نگاہ ہی

اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ ﴿۱۵﴾

بندھ گئی ہے ۔ نہیں ہم لوگوں پر جادو ہوا ہے ۔

ذکر اقوالِ کفارِ ناہنجار دربارۂ بارگاہِ رسالت

قال اللہ تعالیٰ۔ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ ... الیٰ ... بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ۝

(ربط) گزشتہ آیت میں کفار کے انکار قرآن اور اس پر تہدید کا ذکر تھا اب ان آیات میں کفار کے ان اقوالِ فاسدہ اور شبہاتِ کاسدہ کا ذکر کرتے ہیں جو وہ صاحب قرآن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں کیا کرتے تھے جس سے ان کا مقصود انکارِ رسالت تھا ان آیات میں ان کے اقوال کو مع جواب کے ذکر فرماتے ہیں تاکہ خود ان پر ان کا عناد اور کج فہمی ظاہر ہو جائے کہ جن کو ہم اپنی جہالت کے نشہ میں سرشار ہو کر مجنون کہا کرتے تھے وہ مجنون نہ تھے چونکہ نزول وحی کے وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک ربودگی کی کیفیت طاری ہوتی تھی اسلیے یہ نادان اس حالت کو جنون سمجھے قال تعالیٰ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ۔ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ وَ قال تعالیٰ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۔ اور عجب نہیں کہ آپؐ کو بطور استہزاء و تمسخر مجنون کہتے ہوں۔ کما قال فرعون، رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ۔ خلاصۂ کلام یہ کہ گزشتہ آیت میں قرآن مبین کے ساتھ کفار کے عناد اور عداوت کا بیان تھا اب ان آیات میں صاحبِ قرآن یعنی رسولِ خداؐ کے ساتھ ان کے عناد اور عداوت کا بیان ہے چنانچہ فرماتے ہیں ۔

در بیہ کافر لوگ جن کو طولِ اَمل نے غفلت میں ڈال رکھا ہے معجزاتِ نبوت میں تامّل نہ کرنے

کی وجہ سے یہ کہتے ہیں اے وہ شخص جس پر قرآن اور نصیحت اُتاری گئی ہے بلاشبہ تو دیوانہ ہے کہ تو ہم کو نقد سے ادھار کی طرف بلاتا ہے یعنی دنیا سے آخرت کی طرف، کیوں نہیں لاتا تو ہمارے روبرو فرشتوں کو جو تیری نبوّت اور صداقت کی گواہی دیں اگر تو سچوں میں سے ہے کہ تیرے پاس اللہ کی وحی آتی ہے یعنی اگر تو سچ کہتا ہے کہ میں پیغمبر ہوں تو فرشتے ہمارے سامنے لا کہ وہ تیری رسالت کی گواہی دیں لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مَلَکٌ فَیَکُوْنَ مَعَہٗ نَذِیْرًا۔ اللہ تعالےٰ ان کے جواب میں فرماتا ہے ہم نہیں اُتارتے فرشتوں کو مگر حق کے ساتھ یعنی بمقتضائے حکمت ومشیت ملائکہ کو نازل کرتے ہیں اور تم نے جو فرمائش کی ہے وہ حق نہیں اور حق سے مراد وقت عذاب ہے اور تمہاری فرمائش کے فرشتے جب نازل ہوں گے تو عذاب ہی لے کر اُتریں گے تو اس وقت ان کو مہلت نہیں دی جائے گی بلکہ فوراً ہلاک کر دیئے جائیں گے پھر آئندہ آیت میں اشارۃً ان کے مجنون کہنے کا جواب دیتے ہیں کہ ہمارا نبی مجنون نہیں۔ اس لیے کہ تحقیق ہم نے اس پر اس قرآن کو اتارا ہے اور یقیناً ہم اس کے نگہبان ہیں. اس میں کوئی شخص کسی قسم کی کمی بیشی اور تغیر اور تبدّل نہیں کر سکتا۔ قیامت تک اس میں نہ کوئی لفظی تحریف کر سکے گا اور نہ معنوی تحریف کر سکے گا اور ظاہر ہے کہ جس پر ایسی نصیحت اور ہدایت کی کتاب نازل ہو وہ مجنون نہیں ہو سکتا۔ پس سمجھ لو کہ جس قرآن کے تم منکر ہو اور جس کی وجہ سے تم ہمارے پیغمبر کو دیوانہ بتاتے ہو ہم اس کے محافظ اور نگہبان ہیں۔ اور سمجھ لو کہ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے۔ جس کی حفاظت نہیں کی گئی وہ قرآن نہیں، اس آیت میں حق سبحانہٗ نے قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ سو الحمد للہ۔ اللہ کا یہ وعدہ اور اس کی یہ پیشین گوئی جیسی فرمائی تھی حرف بحرف پوری ہوئی. چنانچہ بحمد اللہ دیکھ لیجئے کہ قرآن مجید کی کیسی حفاظت ہوئی ایک حرف بلکہ ایک نقطہ بھی نہ اس سے گھٹ سکا نہ بڑھ سکا۔ اگلی کتابیں محرف و مبدل ہو گئیں مگر قرآن ہنوز اسی حالت پر ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ گئے تھے اور اسی طرح وہ قیامت تک ہر طرح کی تحریف وتبدیل اور کمی اور زیادتی سے محفوظ رہے گا. جن وانس میں سے کسی کو مجال نہیں کہ اس میں سے ایک حرف یا ایک کلمہ کم یا زیادہ کر سکے۔ یہ فضیلت سوائے قرآن کے اور کسی کتاب کو حاصل نہیں۔ اور اس وقت سوائے قرآن کے روئے زمین پر کوئی الہامی کتاب ایسی نہیں جس میں تحریف اور تبدیل اور کمی اور زیادتی نے راہ نہ پائی ہو توریت اور انجیل کے اصلی نسخوں کا آج تک پتہ نہیں چل سکا اور بائبل کے جو نسخے اس وقت موجود ہیں وہ باہم مختلف ہیں ان میں ہزاروں بلکہ لاکھوں اختلاف موجود ہیں سوائے قرآن کے روئے زمین پر کوئی کتاب نہیں کہ ہر خطۂ زمین میں جس کے بے شمار حافظ موجود ہوں اور حرف بحرف ان کو اَزبر ہو بہتیرے دشمنانِ دین قرآن کی تحریف کے درپے رہے اور اب تک ہیں کوئی اس کی ترتیب بدلتا ہے اور کوئی مکّی اور مدنی سورتوں میں فرق کرتا ہے اور کوئی تاویلات فاسدہ سے اس کے معنی اور مطالب

کو بدلنا ہے اور کوئی وحی کی حقیقت کو بدل کر اس کو کلام انسانی اور القاء نفسانی بتاتا ہے مگر علماء راسخین ان کی لفظی اور معنوی تحریف کو ظاہر کر دیتے ہیں اور ان نام نہاد مسلمانوں کے پردۂ نفاق کو چاک کر دیتے ہیں۔
غرض یہ کہ ذکر (قرآن) کی اس شان سے محفوظیت اس امر کی دلیل ہے کہ یہ قرآن منزل من اللہ ہے اور جس ذات پر یہ ذکر یعنی قرآن نازل ہوا ہے وہ مجنون نہیں۔ اور البتہ ہم آپ سے پہلی اُمتوں اور مختلف فرقوں میں رسول بھیج چکے ہیں مگر وہ مختلف فرقے انبیاء کی طرف جنون کی نسبت کرنے میں متفق رہے اور ان کے پاس جو پیغمبر آتا تھا اس کے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے کیونکہ ہر گروہ اپنی بنائی ہوئی خواہشوں میں غرق تھا اور نفس کے شہوات میں ڈوبا ہوا تھا جو رسول آتا ان کو ان نفسانی اور شہوانی لذات سے منع کرتا تو اس کو مجنون بناتے اور اس کے ساتھ ٹھٹھا کرتے مطلب یہ ہے کہ اے نبیؐ! یہ کافر جو آپؐ کو مجنون کہتے ہیں اور آپ کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں آپؐ اس سے رنجیدہ نہ ہوں پہلے کافروں نے اپنے پیغمبروں کے ساتھ اسی طرح کی باتیں کی ہیں ان جاہلوں کی یہ قدیم عادت ہے اسی طرح کی تکذیب اور استہزاء ہم مجرموں کے دلوں میں اتار دیتے ہیں۔ مجرمین سے وہ لوگ مراد ہیں جو حق کے معاند ہیں ہوائے نفس کے تابع ہیں۔ اور اتباع ہدیٰ سے استکبار کرتے ہیں کہ ہم کیوں کسی کے مطیع اور فرماں بردار بنیں اور ہم دولت مند ہیں ان درویشوں کے پیچھے کیوں چلیں۔ یہ امور تو ان کی گمراہی کے ظاہری اسباب ہیں۔ اور اصل سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی توفیق سے محروم کر دیا ہے۔ اور ان کے دل ایسے بنا دیئے ہیں کہ ایمان میں داخل نہ ہو سکیں۔ اس قسم کے معاندین قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے اور اسی طرح گذر چکی ہے رسم پہلے لوگوں کی جس نے انبیاءؑ کی تکذیب کی اور ان کے ساتھ استہزاء کیا اور ان کو مجنون بتلایا وہ عذاب الٰہی سے ہلاک ہوا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اگلے کافر ایمان نہیں لائے اسی طرح یہ بھی ایمان نہیں لائیں گے اور جس طرح متمردین ہلاک اور رسوا ہوئے اور حق کا بول بالا ہوا اسی طرح اب بھی ہوگا۔ اور زجاج کہتے ہیں کہ معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدیم سنت یہی ہے کہ انبیاءؑ کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرنے والوں کے دلوں میں کفر اور گمراہی کو جاری و ساری کر دیتے ہیں۔ کہ کفر اور عناد ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتا ہے (تفسیر کبیر) اور وہ نزول ملائکہ پر تو کیا ایمان لاتے ان کے عناد اور ضد کی تو یہ حالت ہے کہ اگر بجائے اس کے کہ ان کے لیے فرشتے آسمان سے اتاریں۔ خود ان کو آسمان پر پہنچا دیں۔ اس طرح پر کہ ہم ان کے لیے آسمان میں کوئی دروازہ کھول دیں پھر دن کے وقت وہ اس پر چڑھیں اور بلا کسی اشتباہ عجائب ملکوت کا مشاہدہ کر لیں اور فرشتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں تو تب بھی ایمان نہیں لائیں گے اور ازراہ عناد یہ ہی کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے اس لیے ہم اپنے آپ کو آسمان پر چڑھتا ہوا دیکھتے ہیں لیکن فی الواقع ہم آسمان پر نہیں چڑھ رہے ہیں بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عناد اور ضد کی یہ حالت ہے کہ اگر کسی نشانی کو آنکھ سے بھی دیکھ لیں تب بھی ایمان نہیں لائیں گے بلکہ یہی کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے یا ہماری عقلوں پر جادو کر دیا گیا ہے پس جو شخص تعنت اور عناد کی اس حد کو پہنچ جائے اس کو کوئی موعظت

نفع نہیں دیتی اور نہ وہ کسی نشانی سے راہ یاب ہو سکتا ہے ایسے معاندین کے سامنے فرشتوں کا نازل کرنا بالکل بے سود ہے۔

لطائف و معارف

بابت آیت = اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ۔

۱۔ تمام اہلِ سنّت کا اس پر اجماع ہے کہ موجودہ قرآن بعینہٖ وہی قرآن ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا اور ہر قسم کے تحریف اور تغیر و تبدل اور کمی اور زیادتی سے بالکلیہ محفوظ ہے اور انشاء اللہ قیامت تک اسی طرح محفوظ رہے گا اور نہ اس میں تحریف ہو سکے گی اور نہ وہ ضائع ہو سکے گا کیونکہ حق تعالےٰ کا وعدہ ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ۔

تحقیق ہم ہی نے یہ کتابِ نصیحت نازل کی ہے اور تحقیق ہم ہی اس کے محافظ اور نگہبان ہیں۔

اس وعدہ کے مطابق آج چودھویں صدی گزرنے کو ہے کہ قرآن ایسا محفوظ ہے کہ مشرق سے لیکر مغرب تک اس کے لاکھوں حافظ موجود ہیں اور روئے زمین کے مسلمانوں کی زبانوں پر یکساں محفوظ ہے۔ ایک لفظ یا زبر زیر کا فرق نہیں بفرض محال اگر قرآن کریم کے تمام مکتوبی اور مطبوعی نسخے روئے زمین سے معدوم ہو جائیں تب بھی قرآن کا ایک جملہ اور ایک کلمہ بھی نہ ضائع ہو سکتا ہے اور نہ بدلا جا سکتا ہے۔ قرآن کے سوا کسی آسمانی اور زمینی کتاب کو یہ فضیلت حاصل نہیں۔

امام رازیؒ[1] فرماتے ہیں کہ دنیا کی کوئی کتاب ایسی محفوظ نہیں جیسا کہ یہ قرآن محفوظ ہے۔ سوائے قرآن کے کوئی کتاب دنیا میں ایسی نہیں جس میں تغیر اور تبدل اور تصحیف و تحریف واقع نہ ہوئی ہو۔ انتہیٰ۔

۲۔ اور شیعوں میں جو غالی اور متعصب ہیں وہ اس بات کے قائل ہیں کہ عثمان بن عفانؓ بلکہ ابوبکرؓ و عمرؓ نے بھی قرآن کو بدل ڈالا اور بہت سی آیتیں اور سورتیں جو حضرت امیر اور اہل بیت کے فضائل میں نازل ہوئی تھیں اور جن آیات میں اہل بیت کی اطاعت اور پیروی کے احکام تھے اس قسم کی تمام آیات کو قرآن

---

[1] اعلم انہ لم یتفق لشیئ من الکتب مثل ھذا الحفظ فانہ لا کتاب الا وقد دخلہ التصحیف والتحریف۔ والتغییر اما فی الکثیر منہ او فی القلیل و بقاء ھذا الکتب مصونا عن جمیع جھات التحریف مع ان دواعی الملاحدۃ والیھود والنصاریٰ متوفرۃ علیٰ ابطالہ وافسادہ من اعظم المعجزات وایضاً اخبر اللہ تعالےٰ عن بقائہ محفوظاً عن التغییر والتحریف وانقضیٰ الآن قریباً من ستمائۃ سنۃ فکان ھذا اخبارًا عن الغیب فکان ذالک ایضاً معجزا قاھرًا۔ (تفسیر کبیر ص ۲۶۵ ج ۵)

سے ساقط کر دیا اس لیے کہ اس قسم کی آیتیں شیخین رض اور عثمان رض کو بہت شاق اور گراں تھیں۔ اور بعض فضائل اہل بیت کے ایسے مذکور تھے جن سے ان کی رگِ حسد جنبش میں آگئی اس لیے اس قسم کی تمام آیتوں کو قرآن سے نکال ڈالا۔ ازاں جملہ ایک یہ ہے " وجعلنا علیا صہرك "، یہ آیت اَلَمْ نَشْرَحْ میں تھی جس کے یہ معنی ہیں کہ ہم نے علی رض کو تیرا داماد بنایا اس آیت صہریت کی نسبت حضرت امیر کی طرف کی گئی نہ کہ عثمان رض کی طرف اور قرآن میں ایک سورت سورۃ الولایت تھی جو بڑی لمبی سورت تھی۔ اور اہل بیت کے فضائل پر مشتمل تھی اس کو بھی قرآن سے نکال ڈالا۔

۳۔ اہل سنت والجماعت اس طعن کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس طعن کی ذمہ داری تو خدا پر عائد ہوتی ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے خود قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ فرمایا ہے یعنی یہ قرآن ہم نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے حافظ و نگہبان ہیں۔ پس جس چیز کی حمایت اور حفاظت کا وعدہ خدا تعالیٰ نے کیا ہے کسی بشر کو یہ مقدور نہیں کہ وہ اس کی حفاظت میں خلل انداز ہو سکے اور اس میں کچھ گھٹا بڑھا سکے جس چیز کی حفاظت کا حق تعالیٰ ذمہ دار ہو اس میں کوئی الحاق اور تحریف اور کمی زیادتی کسی طرح ممکن نہیں ہاں اگر شیعہ یہ کہیں کہ شیخین رض اور عثمان رض کو یہ قدرت ہے کہ وہ وعدۂ خداوندی کو پورا نہ ہونے دیں تو اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ شیخین رض اور عثمان رض معاذ اللہ اس قدر قاہر اور قادر ہیں کہ اگر چاہیں تو خدا کا وعدہ بھی نہ چلنے دیں حق تعالیٰ تو بتاکید اکید اپنے پختہ وعدہ کا اعلان کرتا ہے کہ ہم اس قرآن کے محافظ اور نگہبان ہیں اور شیعہ کہتے ہیں کہ خلیفۂ ثالث نے قرآنِ اصلی کا بالکل نشان مٹا دیا۔ اللہ اللہ کیا قدرت اور طاقت تھی کہ نعوذ باللہ خدا کی بھی نہ چلنے دی سورتیں کی سورتیں اور آیتیں کی آیتیں نکال ڈالیں یا بدل ڈالیں اور خداوندِ قہار و جبار خاموش دیکھتا رہا۔

۴۔ اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ جب خدا نے یہ وعدہ فرمایا کہ ہم اس قرآن کے محافظ اور نگہبان ہیں تو ہم یہ کہتے ہیں کہ۔

(۱) یہ تو ناممکن اور محال ہے کہ خداوندِ ذوالجلال قصداً اپنے وعدہ سے منحرف ہو جائے اور حفاظت نہ کرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ اور قول میں سچا ہے کما قال اللّٰہ تعالیٰ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔ (تحقیق اللہ تعالیٰ ہرگز وعدہ خلافی نہیں کرتا) کما قال اللہ تعالیٰ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا۔ (اللہ سے زیادہ کون سچا ہے اپنے قول میں) وقال اللّٰہ تعالیٰ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا، لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ۔

(۲) اور یہ بھی ناممکن ہے کہ خدا تعالیٰ وعدہ کر کے بھول جائے سورۂ مریم میں ہے وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا (تیرا پروردگار بھولنے والا نہیں ہے) خدا تعالیٰ کے حق میں سہو اور نسیان اور غفلت ناممکن اور محال ہے اور سورۂ طٰہٰ میں ہے لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى (میرا پروردگار نہ بہکتا ہے اور نہ بھولتا ہے) اور سورۂ بقرہ میں ہے لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ (خدا کو نہ اونگھ آ سکتی ہے اور نہ نیند)

(۳) اور یہ بھی ناممکن ہے کہ جبراً و قہراً ایسا ہو جائے کہ خدا اپنا وعدہ پورا کرنے سے مجبور ہو جائے ورنہ لازم آئے گا کہ معاذ اللہ خلیفۂ ثالث قوت میں حق تعالےٰ سے بڑھے ہوئے ہیں کہ حق تعالےٰ تو حفاظت کا وعدہ فرمائیں اور خلیفۂ ثالث اس کو جبراً و قہراً نہ چلنے دیں اب اس سے ایک اندیشہ اور پیدا ہوگیا کہ مبادا قیامت کے دن خلیفۂ ثالث شیعان علیؓ کو خدا کی حفاظت سے نکال کر کبھی کبھی کے بدلے نہ نکالنے لگیں۔

۵ ۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ قرآن میں کمی اور بیشی کا ہونا عقل اور نقل ہر اعتبار سے باطل ہے۔

دلیل عقلی

عقلاً تو کمی بیشی کے باطل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو شخص ایمان لاتا۔ اوّل آپؐ اس کو قرآن سکھاتے اور پھر وہ قرآن سیکھنے کے بعد اوروں کو سکھاتا اسی طرح سینکڑوں آدمی اور ہزاروں آدمی مسلمان ہوئے۔

(۲) حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہزاروں آدمیوں نے قرآن سیکھا اور اس کو حفظ کیا چنانچہ بعضے بعضے غزوات میں ستر ستر قاری شہید ہوئے۔

(۳) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے اب تک یہ ہی حال ہے کہ ہر زمانے میں پشت در پشت ہزاراں ہزار قرآن کے حافظ ہوتے چلے آئے اور مشرق اور مغرب کے حافظوں میں ایک حرف کا بھی فرق نہیں پس جس کتاب کا یہ حال ہو اس میں کسی کی شرارت سے کمی و بیشی کا واقع ہو جانا عقلاً محال اور ناممکن ہے۔

(۴) مشرق اور مغرب کے قرآن کے مطبوعہ نسخوں کو ملالو، ذرہ برابر فرق نہ نکلے گا۔

(۵) روئے زمین کی مختلف زبانوں کی تفسیروں کو دیکھ لیا جائے سب کی سب ایک ہی قرآن کی تفسیریں ہیں

دلیل نقلی

اور دلیل نقلی یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۔ تحقیق ہم ہی نے اس قرآن کو اتارا ہے اور تحقیق ہم ہی اس کے محافظ اور نگہبان ہیں کہ قیامت تک تحریف وتبدیل اور زیادتی اور نقصان سے اور کمی و بیشی سے بالکلیہ محفوظ رہے گا اور دوسری جگہ ارشاد ہے لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۔ بڑے بڑے ملاحدہ اور زنادقہ اور قرامطہ گزر گئے مگر کسی کو ایک کلمہ میں بھی تغییر وتبدیل کی قدرت نہ ہوئی خدا جس کی حفاظت کا وعدہ فرمائے اس میں کون تغیر و تبدل کر سکتا ہے۔

دلیل الزامی

اس دلیل عقلی و نقلی کے بعد ہم ایک دلیل الزامی پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ تمام روایات امامیہ سے یہ ثابت ہے کہ تمام اہل بیت۔ (۱) اسی قرآن کو پڑھتے تھے اور (۲) اسی کے خاص وعام سے تمسک کرتے تھے اور (۳) اسی قرآن کی آیتوں کو بطور استدلال

ہمیشہ کیا کرتے تھے اور (۴) اسی قرآن کو نمازوں میں پڑھا کرتے تھے اور (۵) اپنے اہل و عیال کو اسی قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے اور (۶) اپنے مُردوں کو اسی قرآن کا ثواب پہنچاتے تھے اور (۷) اسی قرآن سے مسائل شرعیہ کا استنباط کیا کرتے تھے اور (۸) بغیر وضو کے اسی قرآن کو مَس نہیں کرتے تھے اور (۹) اسی قرآن کے اوامر و نواہی کے پابند تھے اور (۱۰) اسی قرآن کی تفسیر کیا کرتے تھے۔

امام حسن عسکریؒ کی طرف جو تفسیر منسوب ہے وہ حرف بحرف اور لفظ بلفظ اسی قرآن کی ہے۔ اگر ترتیبِ عثمانیؓ تنزیلِ ربانی کے مخالف ہوتی تو امام حسن عسکریؒ اس کی تفسیر نہ لکھتے کیا امام حسن عسکریؒ کو پورا کلام اللہ یاد نہ تھا جو اس کی بھی تفسیر لکھتے اور مذہب شیعہ کے کبار علما کی ایک جماعت مثلاً ابُو علی، طبرسی اور قاضی نور اللہ شوستری اور ملا صادق وغیرہم نے اس امر کا صاف اقرار کیا ہے کہ ترتیب عثمانی بالکل صحیح ہے اور عہد نبوی کے بالکل مطابق ہے اور تفسیر "صراط مستقیم" جو شیعوں کی معتبر تفسیر ہے اس میں اس طرح ای انالہ لمحفوظون من التحریف والتبدیل والزیادۃ والنقصان اور سورہ حٰم سجدہ میں ہے لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ یعنی اس پر (یعنی قرآن پر) باطل (یعنی تحریف اور تناقض کا دخل نہیں) نہ آگے سے نہ پیچھے سے یعنی کسی وجہ[1] سے، پس ثابت ہو گیا کہ مروج قرآن بلاشبہ منزل من اللہ ہے اور یہ قرآن بعینہٖ وہی قرآن ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور جس کی آپؐ نے صحابہؓ کو تعلیم دی معاذ اللہ عثمانؓ کو ایسا اقتدار کہاں سے حاصل ہوا کہ جو ترتیب آسمانی کے بدلنے اور بگاڑنے پر قادر ہو گئے اور ایسے قادر ہوئے کہ صفحۂ ہستی سے اصل قرآن کا نام و نشان مٹا دیا اور اسد اللہ الغالب یہ سب کچھ دیکھتے رہے مگر کچھ نہ بولے حتیٰ کہ حضرت علیؓ کا زمانۂ خلافت آیا اس وقت بھی باوجود خلافت اور بادشاہت کے اصلی قرآن کو ظاہر نہ کیا اور نمازوں میں ترتیب عثمانی کے مطابق قرآن پڑھتے رہے۔ حضرت عثمانؓ نے جب بمشورہ صحابہ قرآن کو مرتب کیا تو اس مشورہ میں حضرت امیرؓ بھی شریک تھے تو تنہا عثمان غنیؓ کو کیوں مطعون کیا جاتا ہے سنن ابو داؤد میں باسناد صحیح سوید بن غفلہؓ سے روایت ہے قال علی بن ابی طالبؓ لا تقولوا فی عثمانؓ الا خیرا فو اللہ ما فعل الذی فی المصاحف الا علی ملأمنا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا عثمانؓ کے بارہ میں سوائے کلمۂ خیر کے کوئی لفظ زبان سے نہ نکالو۔ خدا کی قسم عثمانؓ نے مصاحف کو مدون اور مرتب کیا وہ ہم سب کے مشورہ اور اتفاق سے کیا۔ عثمان غنیؓ نے جس قدر نسخے قرآن کے لکھوائے وہ صحابہ کے سامنے پڑھے گئے اور پھر سب کے مشورہ سے مختلف بلاد کو بھیجے گئے ایسی صورت میں تغیر و تبدل کا امکان نہیں نیز اگر بقول شیعہ کلام اللہ غیر محفوظ ہے تو بشہادت حدیث ثقلین شیعوں کو ثقلین کے ساتھ تمسک باقی نہ رہے گا اس لیے کہ تمسک کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ شئے

---

[1] ان علماء شیعہ کی اصل عبارتیں اگر دیکھنا مقصود ہو تو ازالۃ الشکوک جلد دوم از صفحہ ۴ تا ۱۴ مصنفہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی قدس سرہٗ کی مراجعت کریں۔

موجود ہو۔ غائب اور غیر مقدور چیز سے تمسک ممکن نہیں اور یہ ناممکن ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو ایسی چیز کے ساتھ تمسک کا حکم دیں جو ہماری قدرت میں نہ ہو حدیث ثقلین اس امر پر صراحۃً دلالت کرتی ہے کہ قرآن ہر زمانہ میں موجود رہے گا۔ جس سے لوگ تمسک کر سکیں گے جیسا کہ اہل بیت کا تمسک ہر وقت ہر زمانہ میں حاصل ہے کیونکہ وہ موجود ہیں بس جب کہ کتاب خود شیعوں کے زعم کے مطابق موجود ہی نہیں تو تمسک کس سے کریں گے۔

(۶) مذہب امامیہ کے بعض علماء اگرچہ اس قرآن کو محفوظ اور منزل من اللہ مانتے ہیں مگر جمہور علماء مذہب امامیہ مصحف عثمانی کو بعینہٖ صحیفۂ آسمانی نہیں مانتے اور اس کو اصلی قرآن نہیں جانتے بلکہ اس کو ناقص مانتے ہیں اور معتقدِ تحریف ہیں حضرات شیعہ کے نزدیک اصل قرآن کی سترہ ہزار آیتیں تھیں۔ جن میں سے اب صرف کل چھ ہزار آیتیں باقی ہیں جیسا کہ کافی کلینی میں ہے عن ھشام بن سالم عن ابی عبداللہ ان القرآن الذی جاء بہ جبرئیل الٰی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سبعۃ عشر الف آیۃ۔ شیعوں کی اس روایت کے مطابق کلام اللہ کا دو تہائی حصہ چوری اور خورد بُرد ہو گیا بہتر تو یہ تھا کہ اللہ تعالےٰ اس کی حفاظت کا ذمہ ہی نہ لیتے نیز یہ روایت اگر صحیح ہو تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ معاذ اللہ قرآن کریم محرف اور غیر معتبر ہونے میں توریت اور انجیل سے کہیں زائد ہے۔ توریت اور انجیل میں تو فقط امراء اور حکام کی خاطر تحریف ہوئی باقی سب جگہ تحریف نہیں ہوئی اور قرآنِ کریم میں اتنی تحریف ہوئی کہ سترہ ہزار آیتوں میں سے صرف چھ ہزار آیتیں باقی رہ گئیں۔ حالانکہ قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لیا تھا اور توریت کی حفاظت امت موسویہ کے سپرد کی تھی بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ اور قرآن کریم کی یہ نعمت خلفائے راشدین کا طفیل ہے ورنہ حضرات شیعہ کو تو قرآن دیکھنا نصیب نہ ہوتا اور نماز اور تہجد میں پڑھنا نصیب نہ ہوتا کیونکہ حضرات ائمہ نے تو شیعوں کو کوئی قرآن دیا نہیں نیز حضرات شیعہ اس کے قائل ہیں کہ قرآن میں اگرچہ کمی واقع ہوئی ہے اور اس میں تحریف بھی ہوئی ہے مگر اس تحریف کی وجہ سے حلال و حرام میں کہیں تغیر و تبدل نہیں آیا۔ نیز شیعہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ اس محرف قرآن کے پڑھنے کی وجہ سے ثواب تلاوت میں کمی نہیں آتی اور اس قرآن کو پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور اس موجودہ قرآن کے اتباع سے اوامر و نواہی کے اتباع میں سر مو فرق واقع نہیں ہوتا اس اعتبار سے خلفاء راشدین ائمہ شیعہ سے ہزار درجہ بڑھ کر رہے کہ قرآن کا کچھ حصہ مسلمانوں کو دے گئے اور ائمہ نے تو قرآن کی ایک سورت بھی مسلمانوں کو نہیں دی۔

(۷) اعلم ان القراٰن محفوظٌ بین الدفتین و ھو الذی نزل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من غیر زیادۃ ولا نقصان فیہ وقالت الروافض الخوانض القرآن وقعت فیہ الزیادۃ والنقصان قلنا ھذا غلط بلاشبھۃ بعدۃ اوجہ (الاوّل) انہٗ تکذیب لقولہٖ تعالےٰ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ وامثالہ من الاٰیات

(والثانی) انہ یلزم منہ تکفیر جمیع الصحابۃ حتیٰ علی کرم اللہ وجہہ حیث وافقہم علیٰ تحریف القرآن ولم ینکر علیہم مع ان علیا انکر فی کثیر من الامور علی عثمان وخاصمہ کمثل مخاصمتہ فی نہی عثمان متعۃ الحج (والثالث) ان علیا کرم اللہ وجہہ قصد بالاتفاق بعد وفاۃ ابن عمر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی بیتہ حتی جمع القرآن واعتذر بذالک تخلفہ فلولا ان جمعہ موافق بجمع عثمان من حیث الزیادۃ والنقصان لاظہر جمعہ وترک جمع عثمان فہو الامر الذی لا تاخذہ فی اللہ لومۃ لائم مع انہ کان یقرأ فی الصلوٰۃ القرآن الذی جمعہ عثمان ویتلوہ لیلاً ونہارا ویفسرہ علی ملاٴمن شیعتہ وبالجملۃ القول بتحریف القرآن یہدم اساس الاسلام واللہ اعلم۔

حفاظت کا طریقہ اس آیت میں حفاظت کا وعدہ فرمایا اور دوسری آیت میں حفاظت کا طریقہ بیان فرمایا۔ وہ آیت یہ ہے اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ۔ اشارہ اس طرف ہے کہ اس قرآن کو حافظوں کے سینے میں بھی محفوظ کر دیں گے اور اس قرآن کو مصاحف میں بھی جمع کرا دیں گے اور لوگوں کے دلوں میں اس کی تلاوت اور قرأت کا شوق پیدا کر دیں گے کہ دن رات اس کو پڑھا کریں گے تاکہ قرآن کا تواتر اور تسلسل ٹوٹنے نہ پائے پھر کچھ زمانہ کے بعد اہل علم کی جماعت کو قرآن کریم کے بیان یعنی تفسیر کی طرف متوجہ کریں گے اور اس کا داعیہ ان کے قلوب میں القا کریں گے کہ وہ قرآن کریم کے شان نزول اور ناسخ اور منسوخ اور معانی کو بیان کریں گے اور چونکہ علم تفسیر جمع قرآن کے کچھ عرصہ بعد ہوگا۔ اس لیے ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ میں کلمہ ثُمَّ لایا گیا جو تاخیر اور تراخی پر دلالت کرتا ہے کہ تفسیر کا مرحلہ قرآن کے جمع اور تدوین اور ترتیب کے کچھ عرصہ بعد پیش آئے گا اور اللہ تعالے کا یہ وعدہ (یعنی جمع قرآن شیخین رض کے ہاتھ سے ظاہر ہوا اور اس وعدۂ خلافت کے ظہور میں شیخین رض بمنزلہ جارحہ الٰہی کے ہوئے جس سے ان کی خلافت کا حق ہونا ثابت ہوا۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے اس خزانہ کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ کسی رسالدار اور صوبہ دار کو اس پر پہرہ کا حکم دے دے۔ اسی طرح خلفاء راشدین رض اور صحابہ کرام رض اس خزانۂ قرآنی کے محافظ اور پہرے دار مقرر ہوئے اس لیے اس حفاظت کو اللہ کریم نے اپنی طرف منسوب فرمایا اور یہ کہا وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کیونکہ حفاظت کا جو انتظام بادشاہ کی طرف سے ہوتا ہے وہ بادشاہ کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اس آیت میں اللہ تعالے نے یہ وعدہ فرمایا کہ وہ قرآن مجید کو تحریف و تبدیل و نسیان سے محفوظ رکھے گا اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ اللہ تعالے نے اس کی حفاظت و نگہبانی کے اسباب پیدا فرما دیئے پہلا سبب قرآن مجید کی حفاظت کا یہ ہوا کہ خلفاء ثلاثہ کی سعی اور ہمت اور توجہ سے اور تمام صحابہ کرام رض کے اتفاق سے جو اس وقت تقریباً ساٹھ ہزار تھے قرآن ایک مصحف میں جمع اور مرتب کر دیا گیا اور تمام اسلامی دنیا میں اس کے نسخے شائع کرا دیئے گئے اور سب نے اس کو

باتفاق قبول کرلیا اور بنقل متواتر اب تک وہ ہی مصحف تمام اسلامی دنیا میں شائع ہے جسے ہم روزمرہ تلاوت کرتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ وعدہ حفاظتِ قرآن خلفاء ثلاثہ کے وقت میں ان کی سعی اور کوشش سے پورا ہوا یہی ان کی فضیلت کے لیے کافی ہے اب قیامت تک جو شخص قرآن کریم کی تلاوت کرے گا اس کا اجر خلفاء ثلاثہ کے اعمال میں ثبت ہوگا۔

(۸) یہ قرآن آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور آپؐ پر اس کی تبلیغ فرض تھی کما قال اللہ تعالےٰ یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ وَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسٰلَتَهٗ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسبِ ارشاد باری اس قرآن کی تبلیغ کی اور جو شخص عہد رسالت میں مشرف باسلام ہوا آپؐ نے اس کو یہ ہی قرآن سکھایا اور خلفاء راشدینؓ نے یہ ہی قرآن جو آپؐ سے سیکھا تھا مسلمانوں کو سکھایا اور بشکل مصحف اس کو مرتب کرکے مسلمانوں کو دیا جو آج تک بنقل متواتر مسلسل چلا آرہا ہے اور جو قرآن شیخینؓ اور عثمانؓ نے جمع کیا اور اس کی جمع و ترتیب میں از اوّل تا آخر حضرت علیؓ شریک رہے اور اپنے زمانہ خلافت میں بلکہ ساری عمر نماز وغیرہ میں اسی قرآن کو پڑھتے رہے پس اگر حضرت علیؓ کے نزدیک مصحف عثمانی غلط اور باطل تھا تو اپنے دور خلافت اور زمانۂ حکومت میں اس کو منسوخ کرکے لوگوں کو صحیح قرآن سے کیوں آگاہ نہ کیا۔ معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کے نزدیک بھی مصحف عثمانی اصلی اور صحیح قرآن تھا۔

(۹) غرض یہ کہ اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرمایا اور عجیب شان سے اس کی حفاظت فرمائی کہ اس قرآن کو حفاظ کے سینوں میں محفوظ کردیا۔ کما قال تعالیٰ بَلۡ هُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیۡ صُدُوۡرِ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ۔ اور صحیح مسلم میں عیاض بن حمارؓ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالےٰ سے روایت فرماتے ہیں وانزلت علیک کتابا لایغسلہ الماء (یعنی اے نبیؐ! میں نے تجھ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس کو پانی بھی نہیں دھو سکتا)۔ اشارہ اس طرف ہے کہ اگر تمام بنی آدم مل کر بھی اس قرآن کو مٹانے کی کوشش کریں تو اس پر قادر نہ ہوں گے۔ الحمد للہ یہ دولت اہلِ سنت کو نصیب ہوئی اور حضرات شیعہ اس دولت عظمیٰ سے محروم کردیے گئے۔ حتیٰ کہ شیعہ کلام اللہ کے نہ یاد ہونے میں ضرب المثل ہوگئے اہل سنّت ہی قرآن کو حفظ کرتے ہیں اور وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں کما قال اللہ تعالےٰ اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰهُمُ الۡکِتٰبَ یَتۡلُوۡنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِکَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ وَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بِهٖ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ تلاوت قرآن اہل سنّت کا شعار ہے اور حضرات شیعہ کا شعار بجائے تلاوت قرآنی کے مرثیہ خوانی ہے۔

(۱۰) شیعوں کو قرآن کیوں یاد نہیں ہوتا

جو شاگرد اُستاد کے حق میں گستاخ ہوتا ہے وہ کبھی علم سے بہرہ ور نہیں ہوتا خلفاء ثلاثہؓ دربارۂ قرآن

تمام امت کے استاد ہیں جو ان کی شان میں گستاخی کرے گا وہ کبھی اس دولت سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا اور وَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ میں اسی طرف اشارہ ہے حضرات شیعہ نے اس نعمت کی ناشکری کی اس لیے اس دولت سے محروم رہے دمن لم یشکر الناس لم یشکر اللہ۔ بلکہ یوں کہیئے کہ منکرین صحابہؓ کو جو کلمہ گوئی کی نوبت آئی اور بزعم خود مسلمان ہوئے یہ بھی صحابہ ہی کی جوتیوں کا صدقہ ہے اگر صحابہ جہاد نہ کرتے اور دین نہ پھیلاتے تو ان کو دین کی خبر بھی نہ ہوتی الغرض تمام عالم حضرات صحابہ کا شاگرد اور رہون منّت ہے سب کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شکر گزار ہونا چاہیئے۔

تاویلات شیعہ حضرات شیعہ نے اس آیت کی دو تاویلیں کی ہیں ایک یہ کہ اصل کلام اللہ لوح محفوظ میں محفوظ ہے دوم یہ "غار سرمن" میں امام مہدی کے سینہ میں محفوظ ہے۔

جواب اہل سنّت یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں تاویلیں مہمل اور لغو ہیں۔ اوّل تو یہ کہ لوح محفوظ میں حفاظت کرنے سے ہم کو کیا فائدہ ہمیں فائدہ جب ہوتا کہ جب قرآن ہمارے پاس محفوظ ہوتا تاکہ احکام خداوندی کے معلوم کرنے میں کوئی شک وشبہ نہ رہتا۔ دوم یہ کہ حفاظت وہاں ہوتی ہے جہاں احتمال ضائع ہونے کا ہے اور لوح محفوظ میں یہ احتمال ہی نہیں وہاں کسی کی دسترس اور رسائی ہی نہیں کہ چوری کا احتمال ہو۔ سوم یہ کہ آیت مذکورہ میں اوّل تنزیل کا ذکر فرمایا۔ بعد ازاں اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا۔ معلوم ہوا کہ وعدۂ حفاظت قرآن منزّل کے متعلق ہے جو تیئیس برس میں بتدریج نازل ہوا نہ کہ اس قرآن کا جو لوح محفوظ میں محفوظ ہے۔ چہارم یہ کہ اس آیت میں قرآن کے لفظ کو ذکر سے تعبیر کیا جس کے معنی نصیحت کے ہیں اور نصیحت جاہل اور غافل کو ہوتی ہے معلوم ہوا کہ یہ قرآن جاہلوں کے لیے مُذکِّر اور واعظ ہے اور گنہگاروں کے واسطے پندِ دل بند ہے اور جہل اور غفلت کے ساتھ انسان ہی موصوف ہوتا ہے ملائکہ اس عیب سے محفوظ ہیں قرآن جب تک لوح محفوظ میں رہا تو اگر رسائی تھی تو فقط فرشتوں کی تھی۔ ان کو وعظ و پند سے کیا سرو کار۔ فرشتے نہ جاہل ہیں اور نہ غافل اور نہ گنہگار۔ ہاں جب یہ قرآن لوح محفوظ سے نازل ہو کر دنیا میں پہنچا اور اس ظلوم وجہول انسان سے اس کا معاملہ اور واسطہ پڑا تو اس کے لحاظ سے لفظ ذکر بمعنی پند ونصیحت استعمال ہوا کیونکہ تذکیر اور وعظ کی ضرورت غافلانِ نوعِ بشر ہی کے لیے ہوتی ہے پس معلوم ہوا کہ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ کا وعدہ ان ہی غافلوں اور جاہلوں کے لیے ہے نہ کہ ملائکہ کے لیے۔ پنجم یہ کہ اگر حفاظت سے لوح محفوظ میں حفاظت مراد ہے تو اس قسم کی حفاظت تو توریت اور انجیل میں بھی موجود ہے۔

تاویل دوم کا ردّ ا۔ رہی دوسری تاویل سو وہ بھی مہمل ہے امام مہدی کا "غار سرمن" میں مخفی ہونا شیعوں کا ایک من گھڑت افسانہ ہے۔ نصاریٰ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری انجیل آسمان چہارم میں حضرت عیسیٰؑ کے پاس محفوظ ہے اور وہاں کسی قسم کا خطرہ نہیں غار سرمن میں اندیشہ ہے کہ حضرت امام مہدیؑ کا کوئی دشمن پھرتا پھراتا وہاں پہنچ جائے اور ان سے قرآن کریم چھین کر

جلا دے یا ان کو شہید کر دے بخلاف خلیفۂ ثالث کے جمع کردہ قرآن کے کہ وہ حافظوں کے سینے میں محفوظ ہے اسکو چھین کر جلانا ناممکن ہے پس بحمدہ تعالیٰ یہ قرآن اہلسنّت کے سینوں میں محفوظ ہے جہاں کسی چور اور قزاق کی رسائی ممکن نہیں۔

۲۔ علاوہ ازیں یہ عقیدہ فی حد ذاتہ بالکل مہمل ہے اس لیے کہ قرآن تو لوگوں کی ہدایت کے لیے اترا تھا نہ کہ اخفاء کے لیے اور قیامت کے قریب ظاہر ہونے سے کیا فائدہ لوگ انتظار کرتے کرتے تھک گئے ممکن ہے کہ اس عرصہ میں حق تعالیٰ کو بدا واقع ہو گیا ہو اور ان کو امامت سے معزول کر دیا گیا ہو۔

۳۔ نیز اس چھپے رہنے میں اندیشہ ہے کہ دشمن بزدلی کا طعنہ دیں گے کہ کیوں چھپے ہوئے ہیں باہر کیوں نہیں آتے۔

نیز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کل تین سو تیرہ آدمی مجتمع ہونے پائے تھے کہ جہاد شروع کر دیا اور پھر وہ بھی بزعم شیعہ اکثر "منافق" تھے حضرات شیعہ جیسے "مخلص" نہ تھے اور اب لاکھوں مخلصانہ شیعہ بھی موجود ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ باوجود انتظار احباب اور فراہمی اسباب غار سے باہر نہیں آتے اور امتِ محمدیہ کو گمراہی سے نہیں نکالتے اور بجائے بیاض عثمانی کے اصل کلام ربّانی کیوں ظاہر نہیں کرتے۔

۵۔ نیز حضرات شیعہ یہ بتلائیں کہ اس کا راوی اور عینی شاہد کون ہے کہ جو شہادت دے کہ امام مہدی میرے سامنے جاکر غار میں چھپے ہیں۔

۶۔ نیز اگر وہ چھپ ہی گئے تو غار تو محدود ہے تو حضرات شیعہ اس غار میں جاکر ان کو بلا لائیں۔

۷۔ نیز اگر بفرض محال کوئی عینی شاہد اس کا مل جائے کہ وہ غار میں چھپے ہیں تو معلوم نہیں کہ تیرہ صدیاں گزر جانے کے باوجود وہ زندہ سلامت ہیں یا وفات پا چکے ہیں کتاب وسنت سے اس کے لیے دلیل چاہیئے نصاریٰ تو کہہ سکتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا قرآن اور حدیث اور اجماعِ صحابہؓ سے ثابت ہے امام مہدی کے غار میں جاکر چھپ جانے کی کوئی ضعیف بلکہ موضوع روایت بھی نہیں۔

اجماعِ امّت بر محفوظیّت قرآن از زیادت و نقصان

امام قرطبیؒ مقدمۂ تفسیر میں ص ۸۰ جلد ۱ پر لکھتے ہیں۔

لاخلاف بین الامۃ ولا بین الائمۃ اہل السنۃ ان القرآن اسم لکلام اللہ تعالیٰ الذی جاء بہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم معجزۃ لہٗ (علیٰ نحو ما تقدم) وانہٗ محفوظ فی الصدور مقروء بالالسنۃ مکتوب فی المصاحف معلومۃ علی الاضطرار سورۃ وآیاتہٗ

مبرّأة من الزيادة والنقصان حروفه وكلماته۔ فلا يحتاج في تعريفه بحد ولا في حصره بعدّ فمن ادعى زيادة عليه اونقصانا فقد ابطل (۱) الاجماع وبهت الناس۔ (۲) وردّ ما جاء به الرسول صلى الله عليه وسلم من القرآن المنزل عليه۔ (۳) وردّ قوله تعالى قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۔ وابطل آية رسوله عليه السلام لانه اذ ذاك يصير القرآن مقدورا عليه حين شيب بالباطل ولما قدر عليه لم يكن حجة ولا آية وخرج عن ان يكون معجزا فالقائل بان القرآن فيه زيادة ونقصان رادّ لكتاب الله ولما جاء به الرسول وكان كمن قال الصلوٰت المفروضات خمسون صلوٰة و تزوج تسع من النساء حلال وقد فرض الله اياما مع شهر رمضان الى غير ذالك مما لم يثبت في الدين فاذا ردّ هذا بالاجماع كان الاجماع على القرآن اثبت واكد والزم واوجب (اھ)

وايضا قال: بنع في زماننا هذا زائغ زاغ عن الملة وهجم على الامة بما يحاول به ابطال الشريعة التي لايزال الله يؤيدها ويثبت اُسها وينمي فرعها ويحرسها عن معايب اولى الجنف والجور ومكايد اهل العداوة والكفر۔ فزعم ان المصحف الذى جمعه عثمان رضى الله عنه باتفاق اصحاب رسول الله صلے الله عَلَيْه وسلم على تصويبه فيما فعل۔ لا يشتمل على جميع القرآن اذ كان قد سقط منه خمسمائة حرف قد قرأت ببعضها وسأقرأ ببقيتها (فمنها) والعصر ونوائب الدهر فقد سقط من القرآن على جماعت المسلمين ونوائب الدهر .... الى ... (ومنها) وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ بسيف عَلِيّ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ورویٰ هٰؤلاء ايضاً قال هٰذَا صِرَاطُ عَلِيٍّ مُسْتَقِيْمٌ (ومنها) وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ بعلى وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا" ونحو ذالك الى ان قال في صفہ ۵۴ جلد (۱) والقرآن الذى جمعه عثمانؓ بموافقة الصحابة له لوانكر بعضه منكر كان كافرا حكمه حكم المرتد يستتاب فان تاب والاضربت عنقه الى آخر ماقال وافاد واجاد۔ راجع من تفسيره (باب ما جاء من الحجة فى الرد على من طعن في القرآن وخالف مصحف عثمان بالزيادة والنقصان) من ص ۸۰ الى ص ۸۶ جلد (۱)

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا

اور ہم نے بنائے ہیں آسمان میں بُرج اور رونق دی اسکو

لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ

دیکھنوں کے آگے۔ اور بچا رکھا اس کو ہر شیطان

رَجِيْمٍ ﴿١٧﴾ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ

مردود سے - مگر جو چوری سے سن گیا سو اس کے پیچھے

شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٨﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا

پڑا انگارا چمکتا - اور زمین کو ہم نے پھیلایا

وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ

اور ڈالے اس پر بوجھ اور اگائی اس میں ہر چیز

مَّوْزُوْنٍ ﴿١٩﴾ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ

اندازے کی - اور بنا دیں تم کو اس میں روزیاں اور (ان کو) جن کو تم

لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿٢٠﴾ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ

نہیں روزی دیتے - اور ہر چیز کے ہم پاس خزانے

وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٢١﴾ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ

ہیں اور اتارتے ہیں ہم ٹھہرے ہوئے اندازے پر - اور چلا دیں ہم نے باویں

لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ

(ہوائیں) رس بھری، پھر اتارا ہم نے آسمان سے پانی پھر تم کو وہ پلایا

وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿٢٢﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ

اور تم نہیں رکھتے اس کا خزانہ - اور ہم ہی ہیں جلاتے اور مارتے

وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ

اور ہم ہی ہیں پیچھے رہتے - اور ہم نے جان رکھا ہے جو آگے بڑھے ہیں

مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿٢٤﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ

تم میں اور جان رکھے ہیں پچھاڑی والے - اور تیرا رب



هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۚ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٢٥﴾

وہی گھیر لاوے گا ان کو، بیشک وہی ہے حکمتوں والا خبردار۔

بیانِ توحید

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا ... الیٰ ... إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر جو مشرکین کے شبہات تھے ان کا رد فرمایا اب ان آیات میں اپنی الوہیت اور وحدانیت اور قدرت کے دلائل بیان فرماتے ہیں کچھ تو آسمانی چیزوں سے اور کچھ زمینی چیزوں سے ان میں سے پہلی دلیل یہ ہے کہ آسمان کے بارہ بُرج ہیں۔ یعنی آسمان کے بارہ ٹکڑے مثل خربوزہ کے پھانک کے مختلف شکل کے ستاروں سے پیدا ہوگئے ہیں ہر بُرج میں جس جانور کے ہم شکل ستارے ہیں وہ بُرج اسی نام سے عرب میں مشہور ہوگیا حمل۔ ثور جوزاء ۔سرطان۔اسد۔سُنبلہ۔ میزان ۔عقرب۔قوس ۔جدی۔ دلو۔ حوت۔ یہ حق تعالیٰ کی قدرت کی عجیب نشانی ہے کہ اس نے ایسی عجیب وغریب اشیاء کو پیدا فرمایا۔ اور دوسری دلیل وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا الخ سے ذکر فرمائی کہ زمین کو پیدا کرنا اور اس میں پہاڑوں کا بنانا۔ اور قسم قسم کے اشجار ونباتات کا اس سے اگانا یہ بھی اس کی قدرت کاملہ کی روشن دلیل ہے اور تیسری دلیل وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ سے ذکر فرمائی پھر اخیر میں اثبات توحید کے بعد حشر ونشر کا ذکر فرمایا وَإِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ اور وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ میں اثبات قیامت فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں ۔

پہلی دلیل

اور البتہ تحقیق بنائے ہم نے آسمان میں بُرج جن کی ہیئتیں اور صفتیں اور کیفیتیں مختلف ہیں آسمان بارہ بُرجوں پر منقسم ہے ہر بارھویں حصہ کا نام بُرج ہے پھر یہ بارہ برج اٹھائیس منزلوں پر منقسم ہیں اور ہر بُرج کے لیے دو منزلیں اور ثلث مقرر ہیں۔ یہ اٹھائیس منزلیں قمر کی ہیں اور ہر بُرج کے تیس درجے مقرر ہیں اور بارہ برجوں کے تین سو ساٹھ درجے ہیں ان سب درجوں کو جب سورج طے کر لیتا ہے تو اس کا ایک دورہ پورا ہوتا ہے یہ دورہ تمام فلک کا ہے سورج اس کو ایک سال اور چاند اٹھائیس دن میں طے کرتا ہے اور بروج کواکب سبع سیارہ کے لیے منزلیں ہیں مریخ کے لیے حمل اور عقرب ہے اور زہرہ کے لیے ثور اور میزان ہے اور عطارد کے لیے جوزاء اور سنبلہ ہے اور قمر کے لیے سرطان اور

شمس کے لیے اسد اور مشتری کے لیے قوس اور حوت اور زحل کے لیے جدی اور دلو ہے اور جو لوگ ان علوم میں اشتغال رکھتے ہیں ان کا قول ہے کہ حمل اور اسد اور قوس کی طبیعت آتشی ہے اور ثور اور سنبلہ اور جدی کی طبیعت خاکی ہے اور جوزا اور دلو اور میزان کی طبیعت ہوائی ہے اور سرطان اور عقرب اور حوت کی آبی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ بروج سے کواکب سبعہ سیارہ کے منازل مراد ہیں اور مجاہدؒ اور قتادہؒ یہ کہتے ہیں کہ بروج سے ستارے مراد ہیں اور بعضے جاہل یہ کہتے ہیں کہ آسمان کوئی چیز نہیں بہت سے بہت ایک منتہائے بصر اور حدِّ نظر ہے۔

ان کا جواب یہ ہے کہ یہ بالکل مہمل ہے اس لیے کہ آسمان کا عکس دریا اور جھیل اور تمام پانیوں اور پانی کے برتنوں میں نظر آتا ہے اور عکس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ شئے موجود ہو۔ معدوم کا عکس موجود نہیں ہوتا۔

اور ہم نے دیکھنے والوں کے لیے آسمان کو سورج اور چاند اور ستاروں سے آراستہ کیا تاکہ ان کو دیکھ کر ان کے پیدا کرنے والے کی قدرت اور حکمت پر دلیل پکڑیں اور ہم نے آسمان کو ہر شیطان مردود سے محفوظ رکھا کہ وہ آسمانوں پر چڑھ نہیں سکتے اور نہ وہاں کے حالات سے مطلع ہو سکتے ہیں شیطانوں کی آسمان تک رسائی نہیں۔ مگر ہاں جو شیطان آسمان سے ورے ہیں چوری چھپے سے کان لگا کر فرشتوں کی کوئی بات سنتے ہیں تو اس کے پیچھے ایک چمکتا ہوا شعلہ ہو لیتا ہے جس سے وہ شیطان یا تو ہلاک ہو جاتا ہے یا بدحواس ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان ہر طرح شیاطین سے محفوظ ہے وہاں کسی کی رسائی ممکن نہیں مگر آسمان کے قریب تک جاتے ہیں اور وہاں فرشتوں میں جو گفتگو ہوتی ہے اس میں سے کوئی ایک آدھ بات چوری سے سُن کر بھاگتے ہیں شیاطین جب کوئی خبر سُننے کے لیے۔ آسمان کے قریب جاتے ہیں تو آگ کا ایک شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے۔ شیطان اس سے بھاگتا ہے کبھی وہ شعلہ اُسے آلگتا ہے جس سے وہ ہلاک یا زخمی ہو جاتا ہے اور کبھی وہ اس کی زد سے بچ نکلتا ہے اور جو کلمہ وہاں سے سن کر بھاگتا ہے اس کو کاہن پر القاء کرتا ہے کاہن اس میں سو باتیں اپنی طرف سے ملا کر مشتہر کر دیتا ہے صرف وہ ایک بات ان باتوں میں سچی نکلتی ہے لوگ ایک سچی بات پر اس کے معتقد ہو جاتے ہیں مگر اسکے سو جھوٹوں کی طرف خیال نہیں کرتے۔ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پہلے شیاطین برابر آسمانوں پر جایا کرتے تھے اور وہاں کی خبریں کاہنوں سے آکر بیان کیا کرتے تھے۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی پیدائش کے بعد صرف چوتھے آسمان تک جاتے تھے اور جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو بالکل ان کی آمد و رفت بند کر دی گئی اب جو آسمان پر خبریں چُرانے جاتا ہے شہاب ثاقب سے اس کو مارا جاتا ہے اور بعض علما اس طرف گئے ہیں کہ شہاب ثاقب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی چھوڑے جاتے تھے مگر ان میں شدت اور کثرت نہ تھی

مگر آپ کی بعثت کے بعد اس میں شدت اور کثرت ہوگئی جس سے شیاطین اور جنات میں کھلبلی پڑ گئی مطلب یہ ہے کہ آپ کی بعثت کے بعد اس کا اہتمام زیادہ ہوگیا اور آسمان کی حفاظت اور حراست میں اور زیادتی ہوگئی خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جس نبی اور رسول کو تم دیوانہ اور مجنون کہتے ہو یہ کواکب اور نجوم اس کی حفاظت اور حراست کا سامان ہیں اور خدائے برتر کی قدرت کا نشان ہیں۔

(دیکھو زاد المسیر ص ۳۸۸، جلد ۴ وتفسیر قرطبی ص ۱۱ جلد ۱۰ وروح البیان ص ۴۴۹ جلد ۴)

دلیل دوم

اوپر عالم علوی کے حالات سے حق تعالیٰ کی خالقیت اور وحدانیت کو بیان کیا اب عالم سفلی کے حالات سے اپنی خالقیت اور وحدانیت کو ثابت کرتے ہیں کہ زمین کو پیدا کرنا اور اس کو پھیلانا جس پر بے شمار مخلوق آباد ہو سکے اور پھر پہاڑوں کا قائم کرنا اور پھر زمین میں بندوں کی روزی اور سامانِ زندگی کو پیدا کرنا وغیرہ وغیرہ یہ سب اسکی قدرت اور حکمت کے دلائل ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور زمین کو ہم نے پھیلایا۔ اور اتنا وسیع کیا کہ بے شمار مخلوق اس پر آباد ہو سکے اور ہم نے زمین میں پہاڑوں کے لنگر ڈال دیئے تاکہ زمین جنبش نہ کر سکے اور اگائی ہم نے اس زمین میں ہر چیز مناسب اندازہ کے ساتھ ہر چیز کو اپنی علم وحکمت سے ایک اندازہ کے ساتھ پیدا کیا۔ کوئی چیز عبث اور بے فائدہ نہیں اور اس زمین میں تمہارے لیے سامان معیشت پیدا کیا۔ یعنی تمہارا۔ کھانا۔ پینا اور کپڑا جس پر تمہاری زندگی کا دار و مدار ہے سب زمین سے پیدا کیا اور تمہارے فائدہ کے لیے زمین میں ہم نے ان اشخاص کو پیدا کیا جن کے تم روزی دینے والے نہیں یعنی اہل وعیال اور خدام اور جانور چرند اور پرند کو تمہاری خاطر پیدا کیا اور ان سب کا روزی رساں اللہ تعالیٰ ہے تم نہیں۔ آیت کا یہ مطلب اس صورت میں ہوگا کہ جب وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ کا عطف مَعَايِشَ پر ہو اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ کا عطف لَكُمْ ضمیر مجرور پر ہے اور تقدیر کلام اس طرح ہے وَجَعَلْنَا لَكُمْ مَعَايِشَ وَلِمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ الخ اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمہارے لیے بھی سامانِ زندگی پیدا کیا اور تمہارے اہل وعیال اور خدام کے لیے بھی سامان زندگی پیدا کیا اور تمہارے سامانِ معاش ورزق میں سے کوئی شے ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں اور نہیں اتارتے ہم زمین پر اپنے خزانہ غیب سے مگر ٹھہرے ہوئے اندازہ کے مطابق یعنی گو ہمارے خزانہ میں سب کچھ ہے مگر دنیا میں اندازۂ مقرر کے ساتھ اتارتے ہیں ہمارے علم اور حکمت میں جو اندازہ مقرر ہے اس کے مطابق اترتا ہے۔ اس میں نہ زیادتی متصور ہے اور نہ کمی۔

دلیلِ سوئم

اور ہم نے ہوائیں چلائیں جو بادلوں کو پانی سے حاملہ یعنی بارآور بناتی ہیں اور پھر ہم آسمان سے پانی اتارتے ہیں اور پھر وہ پانی تم کو پینے کو دیتے ہیں اور تم اس کا ذخیرہ نہیں رکھ سکتے تھے یہ خزانہ اللہ کے پاس ہے اور وہی اس کا محافظ ہے بقدر معلوم تم کو اس سے ملتا رہتا ہے اگر ہم بارش نازل نہ کرتے تو تم کہاں سے اتنا پانی لاتے۔

اثباتِ مَعاد

یہ تمام امور اس کی قدرت اور خالقیت کے دلائل تھے۔ اب آگے معاد کو بیان فرماتے ہیں اور تحقیق ہم ہی جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں ہمارے سوا کسی میں قدرت نہیں اور ہم ہی سب کے وارث ہیں۔ سب فنا ہو جائیں گے اور سب کے بعد ہم ہی باقی رہیں گے۔ ہر شخص مرجاتا ہے اور اس کی کمائی اللہ کے ہاتھ میں رہتی ہے۔

اور البتہ تحقیق ہم نے خوب جان رکھا ہے ولادت اور موت اور اسلام اور اطاعت اور صف جماعت اور صف جہاد۔ وغیرہ وغیرہ میں آگے بڑھنے والوں کو اور البتہ تحقیق ہم نے خوب جان رکھا ہے پیچھے رہنے والوں کو۔ ہماری اس تفسیر میں اشارہ اس طرف ہے کہ آگے بڑھنا اور پیچھے رہنا عام ہے۔ خواہ باعتبار ولادت اور موت کے ہو یا باعتبار اسلام اور اطاعت کے ہو یا باعتبار جماعت کے حاضری کے ہو اللہ تعالیٰ سب کے حال اور نیت سے واقف ہیں اور بے شک تیرا پروردگار سب کو میدان حشر میں جمع کرے گا۔ بلاشبہ وہ بڑی حکمتوں والا خبردار ہے وہ قیامت کے دن ہر شخص کے ساتھ اس کی نیت اور عمل کے مطابق معاملہ کرے گا اس کے علم و حکمت کا اندازہ لگانا ناممکن اور محال ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ
اور ہم نے بنایا آدمی کھنکھناتے سنے

حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ
گارے سے۔ اور جان (جنوں) کو بنایا ہم نے اس سے پہلے

مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ (۲۷) وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ

لُو کی آگ سے ۔ اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو

اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ

میں بناؤں گا ایک بشر کھنکھناتے سنے

حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (۲۸) فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ

گارے سے ۔ پھر جب ٹھیک کردوں اس کو اور پھونک دوں اس میں

فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ (۲۹) فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ

اپنی جان سے تو گر پڑیو اسکے سجدے میں ۔ تب سجدہ کیا ان فرشتوں نے سارے

اَجْمَعُوْنَ (۳۰) اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰٓی اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ

اکٹھے ۔ مگر ابلیس نے ۔ نہ مانا کہ ساتھ ہو سجدہ

السّٰجِدِیْنَ (۳۱) قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ

کرنے والوں کے ۔ فرمایا اے ابلیس کیا ہوا تجھ کو کہ نہ ساتھ ہوا

السّٰجِدِیْنَ (۳۲) قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ

سجدے والوں کے ۔ بولا میں وہ نہیں کہ سجدہ کروں ایک بشر کو کہ تونے بنایا

مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (۳۳) قَالَ فَاخْرُجْ

کھنکھناتے سنے گارے سے ۔ فرمایا تو تُو نکل

مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ (۳۴) وَّاِنَّ عَلَیْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰی

یہاں سے تجھ پر پھینک مار ہے ۔ اور تجھ پر پھٹکار ہے انصاف

یَوْمِ الدِّیْنِ (۳۵) قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ (۳۶)

کے دن تک ۔ بولا اے رب تو مجھ کو ڈھیل دے اس دن تک کہ مُردے جیویں ۔

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ
فرمایا تو تجھ کو ڈھیل دی ہے۔ اسی ٹھہرے وقت کے

الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ
دن تک۔ بولا اے رب! جیسا تو نے مجھ کو راہ سے کھویا، میں انکو بہاریں

فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ
دکھاؤں گا زمین میں اور راہ سے کھوؤں گا ان سب کو۔ مگر جو تیرے

مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ
چنے بندے ہیں۔ فرمایا یہ راہ ہے مجھ تک

مُسْتَقِيْمٌ ﴿۴۱﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ
سیدھی۔ جو میرے بندے ہیں تجھ کو ان پر کچھ زور

اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ
نہیں، مگر جو تیری راہ چلا خراب لوگوں میں۔ اور دوزخ پر

لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ
وعدہ ہے ان سب کا۔ اس کے سات دروازے ہیں ہر

بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾
دروازے کو ان میں ایک فرقہ بٹ رہا ہے۔

ع ۱۹ ۳

ذکر پیدائش انس و جن و قصہ پیدائش آدم علیہ السلام

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ ... الیٰ ... لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ۔
(ربط) اوپر کی آیتوں میں حق جل شانہ نے حیوانات کی پیدائش سے اپنی قدرت اور

خالقیت کا ذکر فرمایا اب یہاں جن و انس سے اسی مقصود پر استدلال فرماتے ہیں اور جان سے مراد یہاں جنوں کا باپ ہے جس طرح اوپر کی آیتوں میں انسان سے تمام انسانوں کے باپ مراد ہیں دونوں میں فرق یہ ہے کہ آدمیوں کا باپ، ایسے مادہ سے پیدا کیا گیا جس میں عنصر ترابی غالب تھا اور جنوں کا باپ ایسے مادہ سے پیدا کیا گیا جس میں عنصر ناری کا غلبہ تھا۔ ابلیس اسی قسم میں سے تھا اللہ تعالیٰ نے ان دو مختلف نوعوں کو پیدا کیا اور ایک دوسرے کا دشمن بنایا۔ چنانچہ آئندہ آیات میں ان دو نوعوں کی خلقت اور باہمی عداوت کا ذکر فرماتے ہیں۔

اور بے شک ہم نے پیدا کیا انسان کو یعنی آدم علیہ السلام کو جو نوع انسانی کی اصل اور فرد اوّل ہیں۔ بجتی ہوئی مٹی سے جو بنی تھی سڑے ہوئے گارے سے حضرت آدمؑ کی اصل اور ابتدا تراب ہے یعنی خاک کے متفرق اجزاء پھر اس کو پانی میں تر کیا تو وہ طین ہوگئی پھر کچھ دیر کے بعد طین لازب یعنی چمکتی ہوئی لیس دار ہوگئی پھر حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ یعنی سڑا ہوا اور بدبودار گارا ہوگیا۔ پھر خشک ہوکر وہ صلصال بجنے والی ہوگئی۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ۔ انسان کو بجنے والی مٹی سے بنایا جیسے ٹھیکرا۔ اور فخار اس مٹی کو کہتے ہیں جو آگ میں پکائی گئی ہو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا۔ اور انسان کے پیدا کرنے سے دو ہزار برس پہلے اللہ تعالیٰ نے جان یعنی ابوالجن کو لُو کی آگ سے پیدا کیا۔

جمہور مفسرین کے نزدیک جان بتشدید نون جنوں کا باپ ہے جو ایسی لطیف آگ سے پیدا کیا گیا جو لطافت کی وجہ سے مسامات میں گھس جاتی ہے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جان سب جنوں کے باپ کا نام ہے اور حسن بصریؒ اور قتادہؒ سے یہ منقول ہے کہ جان سے ابلیس مراد ہے جو شیطانوں کا باپ ہے اور ان دونوں قولوں میں یہ فرق ہے کہ جنوں میں مسلمان بھی ہیں اور کافر بھی اور وہ کھاتے اور پیتے بھی ہیں اور پیدا بھی ہوتے ہیں اور مرتے بھی ہیں۔ ان کا حال انسانوں جیسا ہے بخلاف شیاطین کے کہ ان میں کوئی مسلمان نہیں اور نہ وہ مرتے ہیں۔ سب کے سب ابلیس کے ساتھ مریں گے جب ان کا باپ مرے گا تب وہ بھی مریں گے (تفسیر خازن و قرطبی)

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ جن ایک مستقل جنس ہے اور شیاطین دوسری جنس ہے مگر زیادہ صحیح اور راجح یہ ہے کہ شیاطین جنات کی ایک خاص قسم ہے جنات میں سے جو مومن ہوا اس کو شیطان نہیں کہا جا سکتا ہے جنات میں سے جو کافر ہوا صرف اس کو شیطان کہا جاتا ہے۔

(دیکھو تفسیر کبیر ص ۲۷۵ جلد ۵ و تفسیر روح المعانی ص ۳۳ جلد ۱۴)

علامہ صاویؒ فرماتے ہیں۔ اصول تین ہیں۔ آدمؑ ابوالبشر ہیں۔ اور جآنّ ابوالجن ہیں اور ابلیس ابوالشیاطین ہے۔

(صاوی حاشیۂ جلالین ص ۲۹۶ جلد ۲)

خداوند لطیف و خبیر نے اوّل ملائکہ کو نُور سے بنایا اس کے بعد قوم جن کو نارِ سموم سے بنایا جن کا مادہ ملائکہ سے ذرا قریب تھا بعد ازاں انسان کو مٹی سے بنایا۔ جس کا مادہ کثیف ہے باقی رہے حیوانات گھوڑا

اور گدھا اور بیل اور بھینس وغیرہ معلوم نہیں کہ کب بنائے گئے آدمؑ سے پہلے یا پیچھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

نکتہ آدم علیہ السلام سے پہلے کوئی مخلوق مٹی سے نہیں بنائی گئی چونکہ مٹی کی خاصیت تذلل اور خاکساری ہے اس لیے آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا تاکہ خدا کے خشوع وخضوع کرنے والے بندے بنیں اور مقام عبدیت وعبودیت ان کو علیٰ وجہ الکمال حاصل ہو اس لیے کہ ہر شئے اپنی اصل جنس کی طرف مائل ہوتی ہے اس لیے آدم علیہ السلام نے خاکی ہونے کی وجہ سے تواضع اور خاکساری کو اختیار کیا۔ اور ابلیس نے ناری ہونے کی وجہ سے علو اور استکبار کی راہ کو اختیار کیا اور جسم خاکی کو حقیر جانا اور تکبر اور حسد نے ابلیس کو ایسا اندھا بنایا کہ وہ اس جسم انسانی کے انوار و آثار کو نہ سمجھ سکا جس کو خود دست قدرت نے خاک اور پانی سے بنایا اس لیے اب آئندہ آیات میں انسان کی فضیلت اور کرامت کو بیان کرتے ہیں۔ اور اولاد آدم کے ساتھ ابلیس لعین کی عداوت کو بیان کرتے ہیں تاکہ آدمؑ کی اولاد باخبر رہے کہ شیطان کو اپنا دشمن جانے اور فرشتوں کو اپنا دوست جانے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ اور یاد کر و اس وقت کو جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں کھنکھناتے ہوئے سڑے ہوئے کالے کیچڑ سے ایک آدمی کا پتلہ بنانے والا ہوں سو جب میں اس کو پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی خاص روح پھونک دوں جس سے وہ زندہ ہو جائے تو تم اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا۔ یہ سجدۂ تحیت وتعظیم تھا جو پہلی شریعتوں میں جائز تھا۔ سو جب اللہ تعالیٰ ان کو بنا چکا تو تمام فرشتوں نے اکٹھے ہو کر یکبارگی ہی ان کو سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے تکبر کی وجہ سے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کر دیا۔ اس تعبیر میں اشارہ اس طرف ہے کہ وہ ملائکہ میں سے نہ تھا بلکہ ان کے ساتھ عبادت کرتا تھا۔ اور دوسری آیت میں تصریح ہے کہ وہ جنات میں سے تھا۔ کما قال تعالیٰ کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّہٖ ابلیس نے ازراہ تکبر اپنے کو بڑا سمجھا اور آدم علیہ السلام پر حسد کیا لیکن اللہ کے حکم کو نہ دیکھا۔ اللہ کا حکم سب سے بالا اور برتر ہے۔ چنانچہ اللہ نے فرمایا اے ابلیس تجھے کیا امر مانع ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا۔ حالانکہ تجھے معلوم ہے کہ فرشتے کس درجہ خدا کے مقرب بندے ہیں۔ ابلیس بولا میں وہ نہیں ہوں کہ ایک بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے کھنکھناتے ہوئے سڑے کالے کیچڑ سے پیدا کیا۔ یعنی میرے اس سجدہ نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ میں اس سے بہتر ہوں میں پیدا ہوا ہوں آگ سے اور وہ پیدا ہوا ہے مٹی سے اور آگ مٹی سے افضل اور بہتر ہے اس لیے کہ آگ جوہر لطیف ہے اور بہترین عنصر ہے اور مٹی ایک جسم کثیف اور بدترین عنصر ہے مطلب یہ تھا کہ آدمؑ ایک جسم کثیف ہے اور میں ایک جسم روحانی اور لطیف ہوں اور لطیف، کثیف سے اعلیٰ ہے۔ پس اعلیٰ ادنیٰ کو کیسے سجدہ کرے یہ سب اس کا خیال خام تھا جس پر کوئی دلیل نہ تھی اس لعین نے یہ نہ جانا کہ فضل وشرف کا دار ومدار اللہ کے حکم پر ہے نہ کہ مادہ اور ہیولیٰ پر اور نہ یہ خیال کیا کہ فرشتے جو خالص نورانی ہیں اور ان میں ظلمت اور کدورت کا شائبہ نہیں وہ اس خلیفۂ خاکی کو سجدہ کر رہے ہیں نیز فرشتوں کو جو علو منزلت اور قرب خداوندی حاصل ہے وہ اس کی نظروں کے

سامنے تھا ان کو دیکھ کر بھی یہ نہ سمجھا کہ جب خالص نور سے پیدا ہونا دلیل افضلیت کی نہیں تو نار سے پیدا ہونا کیسے افضلیت کی دلیل ہو سکتی ہے ابلیس نے محض تکبّر اور حسد کی بناء پر آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور بہانہ یہ بنایا کہ آگ گارے اور مٹی سے بہتر ہے جس پر کوئی دلیل نہیں جیسا کہ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں ابلیس کی اس تلبیس و تدلیس کا مفصل جواب گزر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

خلاصۂ کلام

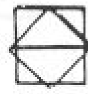
یہ کہ جب ابلیس نے ازراہِ تکبر وغرور فرمان خداوندی کے مقابلہ میں اپنی رائے کو بہتر جانا تو اللہ نے حکم دیا کہ اے مغرور اور بے ادب جب تیرے غرور کا یہ حال ہے تو یہاں سے نکل جا بے راندہ درگاہ ہے اور تجھ پر میری لعنت ہے روز قیامت تک تو ہمیشہ کے لیے ملعون ہوا۔ بولا اے میرے پروردگار مجھے مہلت دیجئے اس دن تک کہ مردے قبروں سے اٹھائے جائیں غرض یہ تھی کہ مروں نہیں اس لیے کہ بعث کے بعد موت نہیں اور اس درخواست سے مقصود یہ تھا کہ مجھ کو اتنی طویل مہلت مل جائے کہ اولاد آدمؑ سے بدلہ لے سکوں۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا اچھا جب تو مہلت مانگتا ہے تو تجھ کو مہلت دی گئی نفخۂ اولیٰ تک جس وقت تمام مخلوق فنا ہو جائے گی اور ان کے ساتھ تو مرے گا اور نفخۂ ثانیہ کے بعد سب کے ساتھ تو بھی زندہ ہو گا۔ نفخۂ اولیٰ یعنی جب پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو سارا عالم مر جائے گا اس میں ابلیس بھی مر جائے گا۔ پھر چالیس سال کے بعد نفخۂ ثانیہ یعنی دوبارہ صور پھونکا جائے گا جس سے سب زندہ ہو جائیں گے اور اس چالیس سال کے درمیانی وقفہ میں ابلیس بھی مردہ پڑا رہے گا پھر اٹھایا جائے گا۔ شیطان نے حشر تک زندہ رہنے کی درخواست کی مگر بارگاہِ خداوندی سے وقت معین یعنی صور پھونکنے تک منظوری ہوئی اللہ نے شیطان کی ایک بات تو منظور فرمائی کہ اس کو بنی آدم کے اغواء کے لیے طویل مہلت دے دی گئی۔ مگر اس کی دوسری درخواست کہ وقت بعث تک اس کو مہلت مل جائے یہ منظور نہ ہوئی۔ بولا اے پروردگار! جیسا تو نے مجھے بہکایا میں بھی اولادِ آدم کو بہکانے میں کوئی کسر نہ چھوڑوں گا البتہ میں ان کے لیے زمین میں تیری معصیت کو خوب صورت بنا کر دکھاؤں گا یعنی ان کو دنیا کی بہاریں دکھاؤں گا اور ان سب کو راہ حق سے گمراہ کروں گا سوائے ان کے جو تیرے خالص اور چیدہ بندے ہیں کیونکہ وہ میرے بس میں آنے والے نہیں۔ فرمایا کہ یہی اخلاص اور بندگی میرے تک پہنچنے کا سیدھا راستہ ہے بے شک جو میرے اصل بندے ہیں ان پر تیرا کوئی زور نہیں ہاں تیرا زور صرف ان لوگوں پر ہے جو گمراہوں میں سے تیرے پیچھے ہو لے۔ شہوت پرست تیرے پیچھے لگ جائیں گے انہیں پر تیرا زور چلے گا اور بے شک تیرے تمام پیچھے چلنے والوں کی وعدہ گاہ دوزخ ہے یعنی شیطان اور اس کے پیرو سب کے لیے جہنم کا وعدہ ہے اس جہنم کے سات دروازے ہیں ہر دروازے کے لیے ان گمراہوں میں سے ایک حصہ مقرر اور معین ہے ہر دروازے

سے وہی لوگ داخل ہوں گے جو ان کے لیے مقرر اور معین ہے۔

ف سَبْعَةُ اَبْوَابٍ سے بعض سلف کے نزدیک جہنم کے سات طبقے مراد ہیں جن کے نام ترتیب وار یہ ہیں۔ جہنم، لظی، حطمہ، سعیر، سقر، جحیم، ہاویہ اور لفظ جہنم کا اطلاق ایک خاص طبقہ پر بھی ہوتا ہے۔ اور مجموعہ طبقات پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور بعض علماء کے نزدیک سات دروازے مراد ہیں جن سے الگ الگ دوزخی داخل ہوں گے۔ حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں۔ جیسے بہشت کے آٹھ دروازے ہیں نیک عمل والوں پر بانٹے ہوئے ہیں ویسے ہی دوزخ کے سات دروازے ہیں بدعمل لوگوں پر بانٹے ہوئے ہیں۔ شاید بہشت کا ایک دروازہ زیادہ اس لیے ہے کہ بعضے موحدین نرے فضل سے جنت میں جائیں گے۔ بغیر عمل کے۔ باقی عمل میں دروازے برابر ہیں۔ اھ۔

ف بظاہر ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے بلا واسطہ ابلیس سے کلام کیا مگر یہ کلام خطاب تہدید غضب تھا جیسے کوئی بادشاہ کسی خادم کو دھکاتے اور زجر و توبیخ کرے تو ایسا بالمشافہ کلام دلیل عزت و کرامت نہیں بلکہ دلیل اہانت وحقارت ہے۔

(دیکھو آکام المرجان فی احکام الجان ص ۱۵۶)



اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا

جو پرہیزگار ہیں باغوں میں ہیں اور چشموں میں۔ جاؤ اس میں

بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ

سلامتی سے خاطر جمع سے۔ اور نکال ڈالی ہم نے جو ان کے جیوں میں تھی خفگی،

اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا

بھائی ہوگئے تختوں پر بیٹھے آمنے سامنے۔ نہ پہنچے گی ان کو

نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾ نَبِّئْ

وہاں کچھ تکلیف، اور نہ اُن کو وہاں سے کوئی نکالے۔ خبر سنادے

عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ

میرے بندوں کو کہ میں ہوں اصلی بخشنے والا مہربان۔ اور یہ بھی کہ میری مار

هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾

وہی دکھ کی مار ہے ۔

ذکر نعمائے اہلِ جنّت

قال اللہ تعالٰی ۔ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ...الٰی... وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ۝

(ربط) اوپر کی آیتوں میں گنہگاروں کا اور ان کے لیے جہنم کی سزا کا ذکر تھا اب ان آیتوں میں پرہیزگاروں کے ثواب اور ان کی نعمتوں کا ذکر کرتے ہیں اور متقی وہ لوگ ہیں کہ جو بتوفیق الٰہی اور بتائید ایزدی شیطان کے اغواء اور تسلط سے محفوظ رہے اور ابلیس لعین کی تسویل و تزئین سے دنیا کی آرائش کے دلدادہ نہ بنے آخرت ہی کی فکر میں لگے رہے چنانچہ فرماتے ہیں ۔

تحقیق جن لوگوں نے تقویٰ اور پرہیزگاری کی راہ اختیار کی اور شیطان کے اغوا اور تزئین سے بچتے رہے وہ باغوں اور چشموں میں ہوں گے دودھ اور شراب کے چشمے ان میں جاری ہوں گے اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ ان باغوں میں سلامتی کے ساتھ امن سے داخل ہو جاؤ اب تم کو کسی قسم کا خوف اور غم نہیں موت اور ہر آفت سے تم ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو اور ان نعمتوں کے زائل ہونے کا اندیشہ نہ کرو ۔ بالکل بے خوف ہو کر رہو اور بمقتضائے بشریت دنیا میں جو ان کے سینوں میں کسی قسم کا کوئی کینہ یا خفگی اور ناگواری تھی ۔ جنت میں داخل ہونے سے قبل ہی یک لخت ہم اس کو ان کے سینوں سے نکال ڈالیں گے اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بمقتضائے بشریت دنیا میں ایسے دو شخصوں کے درمیان رنج و ملال پیش آجاتا ہے کہ جو دونوں خدا کے نزدیک متقی ہوتے ہیں اور دونوں اہلِ بہشت میں سے ہوتے ہیں جیسے جنگِ جمل اور جنگِ صفین میں صحابہؓ کے درمیان رنج و ملال پیش آیا ۔ جنت میں داخل ہونے سے قبل ان کا باہمی رنج و ملال سینوں سے نکال دیا جائے گا ۔ پھر جنت میں داخل ہونے کے بعد وہ بھائی بھائی بنے آمنے سامنے محبّت و الفت کے ساتھ جڑاؤ تختوں پر بیٹھے ہوں گے ۔ اور محبت و الفت سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے ۔ اور ہم کلام ہوں گے ۔

اسی طرح صحابہ کے مشاجرات[1] اور باہمی اختلافات کو سمجھو کہ اصحابِ علیؓ اور اصحابِ معاویہؓ ہر دو گروہ متقی اور پرہیزگار تھے اور ہر دو گروہ اہل جنت ہیں اور بہشت میں داخل ہوں گے ۔ دنیا میں جو باہمی اختلاف کی وجہ سے رنج و ملال پیش آیا وہ جنّت میں داخل ہونے سے پہلے ہی سینوں سے نکال دیا

---

[1] دیکھو ہدیۃ الشیعہ ۱۲

جائے گا۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ میں کہتا ہوں کہ میں اور طلحہؓ اور زبیرؓ ان ہی لوگوں میں سے ہوں گے جن کی بابت اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا۔ اس ناچیز کا گمان ہے کہ ان حضرات کا دل دنیا ہی میں صاف ہو چکا تھا۔ جیسا کہ حضرت علیؓ کا قول اس پر دلالت کرتا ہے۔ نہ ان کو وہاں تکلیف پہنچے گی۔ اور نہ وہاں سے نکالے جائیں گے کیوں کہ جنّت دارالخلود ہے وہاں ہمیشگی ہے۔ یہاں تک یہ بیان کیا کہ جہنم غاوین کا ٹھکانہ ہے اور جنّت متقین کا ٹھکانا ہے اب آگے گنہگاروں اور خطاکاروں کو تسلّی دی جاتی ہے کہ یہ لوگ خدا کی مغفرت اور رحمت سے ناامید نہ ہوں۔ اے نبیؐ میرے بندوں کو خبر دیجئے کہ تحقیق میں بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہوں کسی گناہگار کو میری رحمت اور مغفرت سے ناامید نہ ہونا چاہیئے اور یہ بھی خبر دے دیجئے کہ تحقیق میرا عذاب بڑا ہی دردناک عذاب ہے اس لیے عذاب سے کسی وقت بے خوف نہ ہونا چاہیئے۔ خوف بھی اسی کا چاہیئے اور امید بھی اسی کی چاہیئے۔

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿٥١﴾ اِذْ دَخَلُوْا

اور احوال سنا ان کو ابراہیم کے مہمانوں کا۔ جب چلے آئے

عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۗ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿٥٢﴾

اس کے گھر میں، اور بولے سلام۔ وہ بولا ہم کو تم سے ڈر آتا ہے۔

قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿٥٣﴾

بولے، ڈر مت! ہم تجھ کو خوشی سناتے ہیں ایک ہوشیار لڑکے کی۔

قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ

بولا تم خوشی سناتے ہو مجھ کو جب پہنچ چکا مجھ کو بڑھاپا

فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿٥٤﴾ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ

اب کاہے پر خوشی سناتے ہو۔ بولے ہم نے تجھ کو خوشی سنائی تحقیق، سو مت ہو تو

مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿٥٥﴾ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ

ناامیدوں میں۔ بولا اور کون آس توڑے اپنے رب کی مہر سے؟

إِلَّا الضَّالُّونَ ﴿٥٦﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٧﴾

مگر جو راہ بھولے ہیں۔ بولا پھر کیا مہم ہے تمہاری اے اللہ کے بھیجو!

قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُجْرِمِينَ ﴿٥٨﴾ إِلَّا آلَ لُوطٍ

بولے ہم بھیجے آئے ہیں ایک قوم گنہگار پر۔ مگر لوط کے گھر والے

إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٥٩﴾ إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَا إِنَّهَا

ہم ان کو بچا لیں گے سب کو۔ مگر ایک اس کی عورت ہم نے ٹھہرا لیا



لَمِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ الْمُرْسَلُونَ ﴿٦١﴾

وہ ہے رہ جانے والوں میں۔ پھر جب پہنچے لوط کے گھر وہ بھیجے ہوئے۔

قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ ﴿٦٢﴾ قَالُوا بَلْ جِئْنَاكَ بِمَا كَانُوا

بولا تم لوگ ہو کوئی اوپرے۔ بولے نہیں، پر ہم لائے ہیں تجھ پاس

فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿٦٣﴾ وَأَتَيْنَاكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿٦٤﴾

جس میں وہ جھگڑتے تھے۔ اور ہم لائے ہیں تجھ پاس مقرر بات اور ہم سچ کہتے ہیں۔

فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ اللَّيْلِ وَاتَّبِعْ أَدْبَارَهُمْ

سو لے نکل اپنے گھر والوں کو رات رہے سے، اور آپ چل ان کے پیچھے،

وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ وَامْضُوا حَيْثُ تُؤْمَرُونَ ﴿٦٥﴾

اور مڑ کر نہ دیکھے تم میں کوئی، اور چلے جاؤ جہاں تم کو حکم ہے۔

وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ ذَٰلِكَ الْأَمْرَ أَنَّ دَابِرَ هَٰؤُلَاءِ مَقْطُوعٌ

اور چکا دیا ہم نے اس کو وہ کام، کہ ان کی جڑ کٹی ہے

مُصْبِحِينَ ﴿٦٦﴾ وَجَاءَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿٦٧﴾

صبح ہوتے۔ اور آئے شہر کے لوگ خوشیاں کرتے۔

قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾ وَاتَّقُوا

بولا، یہ لوگ میرے مہمان ہیں، سو مجھ کو رسوا مت کرو۔ اور ڈرو اللہ

اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ

سے اور میری آبرو مت کھوؤ۔ بولے، ہم نے تجھ کو منع نہیں کیا جہان کی

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ هٰٓؤُلَاۗءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۷۱﴾

حمایت سے۔ بولا یہ حاضر ہیں میری بیٹیاں اگر تم کو کرنا ہے۔

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ

قسم ہے تیری جان کی! وہ اپنی مستی میں مدہوش ہیں۔ پھر پکڑا ان کو

الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا

چنگھاڑ نے سورج نکلتے۔ پھر کر ڈالی ہم نے وہ بستی اوپر تلے اور برسائے

عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

ان پر پتھر کھنگر کے۔ بیشک اس میں پتے ہیں دھیان

لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

کرنے والوں کو۔ اور وہ بستی ہے سیدھی راہ پر۔ البتہ اس میں نشانی

لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾

ہے یقین کرنے والوں کو۔

قصۂ ابراہیم علیہ السلام ولوط علیہ السلام

قال اللہ تعالےٰ۔ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ---- الیٰ ---- اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(ربط) ابتداء سورت میں حق تعالےٰ نے نبوت کا اثبات فرمایا اس کے بعد اپنی وحدانیت اور

خالقیت کے اثبات کے لیے اپنے آثار قدرت کا ذکر فرمایا اور پھر کچھ قیامت کا حال اور سعداء اور اشقیاء کے حال اور مآل کو بیان کیا اور اسی سلسلہ میں حضرت آدم علیہ السّلام کی پیدائش کا ذکر کیا۔ اب اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے قصص ذکر فرماتے ہیں تاکہ لوگ اللہ تعالے کے قہر اور اس کی مہر کو سمجھیں کہ اللہ تعالے کی مہر پیغمبروں پر اور ان کے ماننے والوں پر کس طرح نازل ہوئی اور ان کے دشمنوں پر خدا کا قہر کس طرح نازل ہوا تاکہ اطاعت پر راضی ہوں اور معصیت سے نفور اور بیزار ہوں اس لیے اوّل ابراہیم علیہ السّلام کا اور اس کے ساتھ لوط علیہ السّلام کا قصّہ ذکر فرمایا۔

قصّۂ ابراہیم علیہ السّلام

چنانچہ فرماتے ہیں۔ اور اے نبی! اگر وہ میری شان قہر اور مہر میں تردد کریں اور میری رحمت اور عذاب کا انکار کریں تو ان کو ابراہیمؑ کے مہمانوں کی خبر دے دیجئے یہ مہمان فرشتے تھے خدا نے ان کو ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کے پیدا ہونے کی بشارت دینے اور قوم لوط کو غارت کرنے کے لیے بھیجا تھا ابراہیم علیہ السّلام کے حق میں رحمت اور بشارت کے فرشتے تھے اور قوم لوط کے حق میں عذاب اور مصیبت کے فرشتے تھے۔ جب وہ مہمان حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے پاس آئے تو انہوں نے سلام کیا۔ ابراہیم علیہ السّلام بولے تحقیق ہم کو تم سے ڈر لگتا ہے ڈر لگنے کی وجہ یہ تھی کہ ان فرشتوں کے ساتھ عذاب تھا۔ ابراہیم علیہ السّلام نے جب ان کی طرف دیکھا تو ان کے چہروں سے قہر اور عذاب کے آثار نظر آئے یا ڈر کی وجہ یہ تھی کہ وہ بے وقت اور بغیر اجازت کے آئے تھے اور جب ان کے سامنے کھانا رکھا تو کھانا نہ کھایا۔ وہ بولے ڈرو مت۔ یہ وقت ڈرنے کا نہیں بلکہ خوشی کا ہے ہم تمہیں ایک علم والے لڑکے کے پیدا ہونے کی بشارت دینے آئے ہیں یہ بشارت اسحاق علیہ السّلام کی تھی۔ کما قال تعالیٰ وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ۔ ابراہیم علیہ السّلام چونکہ اس وقت بوڑھے ہوگئے تھے اور ان کی بیوی سارہؓ بھی بوڑھی ہوگئی تھیں۔ اس لیے انہیں اس بشارت سے تعجّب ہوا سو ابراہیم علیہ السّلام نے کہا کہ کیا تم مجھ کو ایسے وقت لڑکے کی بشارت دیتے ہو جب کہ مجھ کو بڑھاپا آ لگا۔ پس ایسی حالت میں تم مجھے کس چیز کی بشارت دیتے ہو یہ وقت تو ولادت فرزند کا نہیں۔ فرشتے بولے ہم نے تجھ کو صحیح اور درست اور سچی بشارت دی ہے پس تم اسباب ظاہری پر نظر کر کے ناامیدوں میں سے مت ہو جاؤ کہ بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت سے کیسے لڑکا پیدا ہوگا۔ ابراہیم علیہ السّلام بولے۔ اپنے پروردگار کی رحمت سے سوائے گمراہوں کے اور کون ناامید ہوتا ہے یعنی میں خدا سے ناامید نہیں ہوں خدا سے ناامیدی تو گمراہوں کا شیوہ ہے خدا کی قدرت میں مجھے کوئی شبہ نہیں البتہ اپنے بڑھاپے کی وجہ سے تعجب میں ہوں۔ کیونکہ عالم، عالمِ اسباب ہے بعد ازاں ابراہیم علیہ السّلام نے فراست نبوّت سے یہ سمجھا کہ

فرشتوں کی یہ جماعت محض بشارت دینے کے لیے نہیں آئی بلکہ اس کے علاوہ کچھ اور بھی مقصد معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے ابراہیم علیہ السلام بولے اے خدا کے فرستادو! بتلاؤ اصل مہم کیا ہے جس کے لیے تم بھیجے گئے ہو فرشتے بولے! ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ان کو تہ و بالا کریں مراد قوم لوط ہے یعنی ہم اس لیے بھیجے گئے ہیں کہ قوم لوط کو ہلاک کریں مگر لوط علیہ السلام کے گھر والوں کو کہ ان سب کو ہم عذاب سے بچالیں گے۔ اس لیے آپؑ اپنے بھتیجے لوطؑ کی وجہ سے پریشان نہ ہوں سوائے ان کی بیوی کے اس کے لیے ہم نے بحکم خداوندی یہ ٹھہرا لیا ہے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہے یعنی یہ عورت اپنے باقی ماندہ لوگوں کے ساتھ عذاب سے ہلاک ہوگی جو بستی میں عذاب کے لیے پیچھے رہ جائیں گے۔ لوط علیہ السلام عذاب سے محفوظ رہیں گے اور ان کی بیوی ہلاک ہوگی۔

پس جب وہ فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے روانہ ہو کر لوط علیہ السلام کے گھر والوں کے پاس پہنچے تو جوانانِ خوبصورت کی شکل میں ان کے گھر میں داخل ہوئے تو لوط علیہ السلام نے کہا تحقیق تم اجنبی لوگ ہو میں تم کو بالکل نہیں پہچانتا اور دل میں ڈرے کہ شہر والے بڑے اوباش ہیں معلوم نہیں ان کے ساتھ کیا معاملہ کریں گے وہ بولے ہم وہ نہیں کہ جن سے ڈرا جائے بلکہ ہم اللہ کے فرشتے ہیں۔ تیرے پاس ان کے لیے وہ عذاب لے کر آئے ہیں جس کے بارہ میں یہ مجرمین شک کیا کرتے تھے اور ہم آپ کے پاس ایک فیصلہ کن چیز لے کر آئے ہیں۔ جو اہل حق اور اہل باطل کے درمیان فیصلہ کر دے گی یعنی فیصلہ کن عذاب لے کر آئے ہیں اور البتہ ہم اپنی بات میں سچے ہیں۔ پس آپ رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو اپنے ساتھ لے کر اس بستی سے نکل جایئے اور آپؑ ان کے پیچھے پیچھے چلئے تاکہ آپ کے گھر والوں میں سے کوئی پیچھے نہ رہ جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی غزوات میں لشکر کے پیچھے پیچھے رہتے تھے تاکہ ضعیف اور منقطع کی خبر لیتے رہیں اور اے لوط! تمہارے گھر والوں میں سے کوئی پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھے اور سیدھے چلے جاؤ جدھر جانے کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے یعنی ملک شام کی طرف اور وحی بھیجی ہم نے لُوط علیہ السلام کی طرف اس امر کی کہ بوقت صبح ان کی جڑ کاٹ دی جائے گی یعنی بوقت صبح ان کو عذاب سے ہلاک کر دیا جائے گا خیر یہ بات تو بعد کی ہے اور اس سے پہلے یہ واقعہ پیش آیا کہ جب قوم لوط نے یہ سُنا کہ لوطؑ کے گھر مہمان آئے ہیں وہ بہت خوبصورت اور حسین و جمیل نوجوان ہیں تو شہر کے لوگ خوب خوشیاں کرتے ہوئے لوط علیہ السلام کے پاس آئے لوط علیہ السلام جو اب تک ان کو اپنا مہمان سمجھے ہوئے تھے۔ اوباشوں کے اس غول کو دیکھ کر بولے تحقیق یہ لوگ میرے مہمان ہیں پس خدارا مجھ کو فضیحت نہ کرو اور اللہ سے ڈرو اور دنیا کی نظر میں مجھے رسوا نہ کرو۔ وہ بے حیا بولے کہ کیا ہم نے تجھ کو اہل عالم کی حمایت سے منع نہیں کیا تھا؟۔ یعنی ہم نے تجھ کو کہہ رکھا تھا کہ تو جہان کی حمایت نہ کیا کر مگر تو باز نہیں آتا۔ لوط علیہ السلام نے کہا۔ یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں اگر تم کو نفسانی خواہش ہی پوری کرنی ہے تو ان سے نکاح کر لو مگر یہ بدبخت کہاں سننے والے تھے۔ اے نبی قسم ہے تیری زندگی کی کہ یہ لوگ

اپنے نشہ میں مدہوش تھے شہوت کے نشہ میں اندھے بنے ہوئے تھے۔ لوط علیہ السلام نے جب یہ حال دیکھا تو وہ بحکم خداوندی اپنے خاندان اور اہل ایمان کو لے کر وہاں سے نکل گئے پس ناگاہ سورج نکلنے کے وقت ایک ہولناک آواز نے ان کو آپکڑا پھر اس صیحہ (ہولناک آواز) کے بعد ہم نے اس بستی کے اوپر کی جانب کو اُلٹ کر اس کے نیچے کی جانب کردیا۔ یعنی اس بستی کو زیر و زبر کردیا کہ اوپر کا تختہ نیچے کردیا اور نیچے کا تختہ اوپر کردیا۔ اور پھر ان پر کنکر کے گرم پتھر برسائے جس سے وہ سب کے سب بالکل تباہ ہوگئے بے شک اس قسم کے عذاب میں جو قوم لوط پر نازل ہوا اہلِ فراست کے لیئے نشانیاں ہیں جو صورت کو دیکھ کر حقیقت کو تاڑ لیتے ہیں۔ اور بے شک وہ قوم لوط کی بستیاں آباد سڑک کے سرِراہ واقع ہیں۔ ہر ایک مسافر اور راہ رو اس کے کھنڈرات اور عذاب کے پتھروں کو دیکھتا ہے۔ یہ بستیاں حجاز اور شام کے درمیان عام شاہراہ پر واقع ہیں جو ہمیشہ چلتی ہے اور جدھر سے قافلے گزرتے ہیں اور ان شہروں کے نشانات کو دیکھتے ہیں بے شک اس واقعہ میں اہلِ ایمان کے لیے قدرت ربانی کی بڑی نشانی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ خداوندِ قاہر اور عزیز مقتدر کا ان لوگوں سے انتقام تھا جو انبیاء و مرسلینؑ پر ایمان نہیں لائے اور جو لوگ قدرتِ خداوندی کے قائل نہیں وہ اس قسم کے واقعات کو حوادث عالم اور فلتات طبعیہ پر محمول کرتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ مادہ آتشی کے اجتماع سے اور اجزاء کے باہمی رگڑ سے یہ اشتعال پیدا ہوگیا۔ سنگ دل ایسی ہی تاویلیں کیا کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ نفسانیت اور شہوت ہی ایک آتشی مادہ ہے جب وہ دل میں جمع ہوجاتا ہے تو وہ قوم لوطؑ کی طرح آدمی کو سنگ دل بنا دیتا ہے اور جب دل میں نفسانیت اور شہوانیت کا آتشی مادہ جمع ہوجاتا ہے تو اوپر سے حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ کی اس پر بارش ہوتی ہے اور اس کو تباہ اور برباد کرکے چھوڑتی ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نعوذ بك من القسوة والغفلة والعيلة والذلة والمسكنة آمين يارب العالمين ۔

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا

اور تحقیق تھے بن کے رہنے والے گنہگار - سو ہم نے

مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ

ان سے بدلا لیا۔ اور یہ دونوں شہر راہ پر ہیں نظر آتے - اور تحقیق جھٹلایا

اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا

حجر والوں نے رسولوں کو - اور دیں ہم نے ان کو نشانیاں سو رہے

ع ۱۹

عَنۡهَا مُعۡرِضِیۡنَ ﴿۸۱﴾ وَ کَانُوۡا یَنۡحِتُوۡنَ مِنَ الۡجِبَالِ
ان کو ٹلاتے - اور تھے تراشتے پہاڑوں کے گھر
بُیُوۡتًا اٰمِنِیۡنَ ﴿۸۲﴾ فَاَخَذَتۡہُمُ الصَّیۡحَۃُ مُصۡبِحِیۡنَ ﴿۸۳﴾
خاطر جمع سے - پھر پکڑا ان کو چنگھاڑنے، صبح ہوتے -
فَمَاۤ اَغۡنٰی عَنۡہُمۡ مَّا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿۸۴﴾
پھر کام نہ آیا ان کو جو کماتے تھے -

قصّہ اَصحابِ ایکہ و اَصحابِ حِجر

قال اللہ تعالیٰ وَاِنۡ کَانَ اَصۡحٰبُ الۡاَیۡکَۃِ لَظٰلِمِیۡنَ ---- الی --- فَمَاۤ اَغۡنٰی عَنۡہُمۡ مَّا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ہ

(ربط) اوپر کی آیتوں میں قومِ لوط پر عذاب نازل ہونے کا ذکر تھا اب اصحاب اَیکہ اور اصحاب حِجر کے عذاب کا ذکر کرتے ہیں مقصود سب سے تحقیق رسالت ہے کہ جو نبی کو نہ مانے وہ مستحق عذاب ہے۔ "ایکہ" اس بستی کا نام ہے جہاں شعیب علیہ السّلام پہنچ گئے تھے اصل میں یہ شہر مدین کا ایک مقام ہے چونکہ یہاں درخت زیادہ تھے اس لیے اس کو ایکہ فرمایا۔ ایکہ عرب میں درختوں کے بن کو کہتے ہیں اور "حِجر" اس وادی کو کہتے ہیں جو شام اور عرب کے درمیان واقع ہے اور اصحاب حِجر سے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم مراد ہے جو بہت بدکار تھی اور پہاڑوں کو تراش کر مکانات بناتی تھی ان ہی کو صالح علیہ السّلام نے ناقہ کا معجزہ دکھایا تھا اس پر بھی عناد سے باز نہ آئے بالآخر ہلاک ہوئے قوم لوط کی ہلاکت کے بعد اب مختصراً ان دو قصوں کو بیان فرماتے ہیں۔

قصّۂ اصحٰب ایکہ اور تحقیق تھے اصحاب ایکہ یعنی بن والے لوگ (اس سے شعیب علیہ السلام کی قوم مراد ہے) بڑے ہی ظالم جنہوں نے شعیب علیہ السّلام کی تکذیب کی سو ہم نے عذاب نازل کرکے ان سے اس تکذیب کا انتقام لے لیا اور بے شک یہ دونوں بستیاں یعنی قوم لوط کی بستی اور قوم شعیب کی بستی دونوں کشادہ اور چلتی سڑک پر واقع ہیں جن کو لوگ آتے جاتے دیکھتے ہیں گذرنے والوں کے لیے عبرت کے نشانات موجود ہیں۔

قصّۂ اصحٰب حِجر اور البتہ تکذیب کی حِجر والوں نے یعنی قوم ثمود نے رسولوں کی۔ یعنی صالح علیہ السّلام کی "حِجر" مدینہ اور شام کے درمیان ایک میدان ہے جہاں قوم

ثمود آباد تھی۔ اس قوم نے صرف صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا۔ مگر چونکہ ایک نبی کا جھٹلانا حقیقت میں سب نبیوں کا جھٹلانا ہے اس لیے فرمایا کہ حجر والوں نے سب رسولوں کو جھٹلایا اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دیں۔ جن سے اللہ کی وحدانیت اور حضرت صالح علیہ السلام کی نبوت ثابت ہوتی تھی۔ منجملہ ان معجزات کے ایک معجزہ ناقہ کا تھا۔ سو وہ لوگ ان نشانیوں سے منہ پھیر لیتے تھے۔ یعنی ان کی طرف التفات نہیں کرتے تھے۔ اور یہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر مکان بناتے تھے درآں حالیکہ وہ اپنے گمان میں بہت عمدہ مکانوں کی وجہ سے مامون اور بے خوف وخطر تھے۔ ان لوگوں کو یہ اندیشہ نہ تھا کہ ہمارے یہ مکان منہدم ہو جائیں گے۔ یا کوئی چور ان میں نقب لگا سکے گا۔ مگر یہ نہ سمجھا کہ کوئی قلعہ اور کوئی مکان عذاب الٰہی سے امن وامان نہیں دے سکتا۔ پس اسی خواب خرگوش میں تھے کہ صبح ہوتے ہی عذاب الٰہی کی ایک سخت اور تند آواز نے آپکڑا۔ اور اس طویل خواب غفلت سے ان کو بیدار کردیا۔ پس عذاب کے دفع کرنے میں کچھ کام نہ آیا جو وہ کماتے تھے۔ یعنی مال ودولت اور سازوسامان اور پہاڑوں کے مکان اور عیش وعشرت کے سامان جن پر وہ مغرور تھے کوئی کام نہ آیا سب دھرا رہ گیا اور جب آنکھ کھلی تو تدارک ممکن نہ تھا۔ دیکھتے ہی رہ گئے کہ دم کے دم میں کیا ہوگیا۔ گرفتاری کا وارنٹ اسی طرح جاری ہوتا ہے اور پولیس اخیر رات میں آکر چھاپہ مارتی ہے اور پکڑ کرلے جاتی ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا
اور ہم نے بنائے نہیں آسمان و زمین اور جو ان کے بیچ ہے، بغیر
بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ
تدبیر۔ اور قیامت مقرر آنی ہے سو کنارہ پکڑ اچھی طرح
الْجَمِيْلَ ۝۸۵ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝۸۶ وَلَقَدْ
کنارہ - تیرا رب جو ہے وہی ہے بنانیوالا خبردار - اور ہم نے
اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝۸۷
دی ہیں تجھ کو سات آیتیں وظیفہ، اور قرآن بڑے درجے کا۔
لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا
مت پسار اپنی آنکھیں اُن چیزوں پر جو برتنے کو دیں ہم نے ان کو کئی طرح کے لوگوں

مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ

کو، اور نہ غم کھا اُن پر اور جھکا اپنے بازو

لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۸۸﴾ وَقُلْ إِنِّيٓ أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ ﴿۸۹﴾ كَمَآ

ایمان والوں کے واسطے۔ اور کہہ کہ میں وہی ہوں ڈرانے والا کھول کر۔ جیسا ہم

أَنزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ﴿۹۰﴾ الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ

نے بھیجا ہے ان بانٹنے کرنے والوں پر۔ جنھوں نے کیا ہے قرآن کو

عِضِينَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوا

بوٹیاں۔ سو قسم ہے تیرے رب کی ہم کو پوچھنا ہے اُن سب سے۔ جو کام

يَعْمَلُونَ ﴿۹۳﴾ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ

کرتے تھے۔ سو سُنا دے کھول کر جو تجھ کو حکم ہوا۔ اور دھیان نہ کر

الْمُشْرِكِينَ ﴿۹۴﴾ إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ﴿۹۵﴾ الَّذِينَ

شرک والوں کا۔ ہم بس ہیں تیری طرف سے ٹھٹھے کرنے والوں کو۔ جو

يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿۹۶﴾

ٹھہراتے ہیں اللہ کے ساتھ اور کسی کی بندگی سو آگے معلوم کریں گے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ﴿۹۷﴾

اور ہمیں جانتے ہیں کہ تیرا جی رُکتا ہے ان کی باتوں سے۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُن مِّنَ السَّاجِدِينَ ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ

سو تو یاد کر خوبیاں اپنے رب کی اور رہ سجدے کرنیوالوں میں۔ اور بندگی کر

رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ﴿۹۹﴾

اپنے رب کی جب تک پہنچے تجھ کو یقین۔

تلقینِ صبر بر ایذائے اہلِ استہزاء و تمسخر

قال اللہ تعالیٰ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ .... الیٰ .... حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ ٥

(ربط) گزشتہ رکوعات میں پہلی امتوں کے معاندین کے حال اور مآل کو بیان کیا۔ اب ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عفو اور صبر کی تلقین فرماتے ہیں کہ آپؐ اپنے زمانے کے معاندین کی ایذاء اور تمسخر پر صبر کریں اور کوئی حرفِ شکایت زبان پر نہ لائیں اور جو لوگ آپؐ سے استہزاء اور تمسخر کرتے ہیں ان کی فکر نہ کریں ہم خود ان سے نپٹ لیں گے۔ آپؐ بے خوف و خطر تبلیغ اور دعوت کو جاری رکھیں اور تسبیح و تحمید اور عبادت میں لگے رہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور نہیں بنایا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو مگر حکمت اور مصلحت کے ساتھ تاکہ ان سے صانع عالم کے وجود باجود اور اس کی وحدانیت اور اس کی عظمت اور قدرت پر استدلال کریں اور اس کے احکام کی اطاعت کریں اور ان بستیوں کو دیکھیں جو نافرمانیوں کی وجہ سے تباہ اور برباد ہوئیں۔ اور دنیا ہی میں نافرمانی کے جرم میں پکڑ لیے گئے اور اگر بالفرض ہم کسی مجرم اور نافرمان کو دنیا میں نہ پکڑیں تو تحقیق قیامت ضرور آنے والی ہے وہاں سزا مل جائے گی اور اس کفر و تکذیب کا نتیجہ وہاں ظاہر ہو جائے گا۔ پس آپ ان معاندین سے خوبی کے ساتھ درگزر کیجیے اور ان کے حال کو اللہ کی مشیّت پر چھوڑ دیجیے۔ بے شک تیرا پروردگار وہی بڑا پیدا کرنے والا جاننے والا ہے لہٰذا آپؐ ان کے معاملہ کو خدا کے علم اور حکمت اور اس کے ارادہ اور مشیت کے سپرد کر دیجیے وہ خود ان سے بدلہ لے لے گا۔ اور آپؐ ان کی طرف توجہ نہ کریں بلکہ اس نعمت کی طرف توجہ کریں جو ہم نے آپؐ کو عطا کی ہے وہ یہ کہ دی ہے ہم نے آپ کو سورۂ فاتحہ کی سات آیتیں جو (ہر نماز) میں دہرائی جاتی ہیں اور سورۃ فاتحہ کے ساتھ ہم نے آپ کو قرآن عظیم دیا۔ جس کے ہر حرف کے نیچے علوم الہیہ کا ایک سمندر ہے اور یہ قرآن عظیم جو آپؐ کو دیا گیا ہے۔ تمام کتب الہیہ اور صحف سماویہ کا خلاصہ اور لب لباب ہے اور سورۃ فاتحہ اس تمام قرآن کا اجمال اور خلاصہ ہے۔ پس یہ سورت فاتحہ اور یہ قرآن عظیم۔ وہ دولت عظمیٰ ہے کہ جس کے مقابلہ میں دنیا کی تمام دولتیں ہیچ ہیں پس آپؐ خدا کی اس نعمت عظمیٰ پر نظر رکھیے اور اس دولت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیے جو ہم نے مختلف قسم کے کافروں کو برائے چندے نفع اٹھانے کے لیے دی ہے اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ سے انواع و اقسام کے کافر افراد ہیں جیسے یہود اور نصاریٰ اور مشرکین اور صابئین وغیرھم اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے دنیا میں یہود اور نصاریٰ اور دیگر دشمنانِ خدا اور رسول کو دنیا کی چند روزہ زندگی کا جو سامان دیا ہے اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیے وہ نہایت حقیر اور ذلیل ہے اور قرآن عظیم اور علم اور حکمت کی جو دولت ہم نے آپ کو دی ہے اس کے مقابلہ میں دنیا کی تمام دولتیں ہیچ ہیں۔

دنیا ہیچ است و کار دنیا ہمہ ہیچ

بیش دریائے قدر حرمت تو نہ محیط فلک حبابے نیست

داری آں سلطنت کہ در نظرت ملک کونین در حسابے نیست

جمہور مفسرینؒ کے نزدیک اس آیت میں سبع مثانی سے سورۂ فاتحہ مراد ہے اور بعض احادیث مرفوعہ سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور ابن عباسؓ کا ایک قول بھی یہ ہی ہے اور عبداللہ بن مسعودؓ اور عبد اللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں یہ ہے کہ سبع مثانی سے سبع طِوال مراد ہیں۔ یعنی سات لمبی سورتیں مراد ہیں۔ سورۂ بقرہ سے سورۂ اعراف تک چھ سورتیں ہیں اور ساتویں سورت کے بارہ میں دو قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سورۂ انفال اور سورۂ توبہ مل کر ایک سورت ہے اور اسی وجہ سے درمیان میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی اور یہ دونوں سورتوں کا مجموعہ طِوال کی ساتویں سورت ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ سبع طِوال کی ساتویں سورت سورۂ یونس ہے اور ان سورتوں کو مثانی اس لیے کہتے ہیں کہ ان سورتوں میں فرائض، حدود اور قصص اور احکام اور امثالِ عبرت کو مکرر بیان کیا گیا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑا فضل کیا کہ یہ ساتوں مثانی آپؐ کو عطا کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی پیغمبر کو یہ سورتیں عطا نہیں ہوئیں اور موسیٰ علیہ السلام کو ان میں سے دو سورتیں دی گئیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو ان میں سے چھ عطا ہوئیں۔ جب انہوں نے الواح تورات کو زمین پر ڈالا تو دو سورتیں اٹھالی گئیں اور باقی چار رہ گئیں۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۵۵۷ ج ۲)

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ سبع مثانی یعنی یہ سات سورتیں بمنزلہ سبع صحائف کے ہیں یعنی بمنزلہ سات صحیفوں کے ہیں کہ جو دیگر انبیاء کرامؑ پر متفرقاً نازل ہوئے اور اللہ تعالےٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سبع مثانی عطا کیں۔ جو بمنزلہ سات صحیفوں کے ہیں۔ اور ان سات کا مجموعہ سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور نبی کو نہیں دیا گیا۔ اور قرآن عظیم تمام اوّلین اور آخرین کے علوم کا مجموعہ ہے اور یہ سبع طِوال پورے قرآن کا اجمال ہے اور سورۂ فاتحہ سبع طوال کا اجمال اور متن ہے لہذا جن صحابہ کرامؓ سے یہ منقول ہے کہ سبع مثانی سے پورا قرآن مراد ہے یا سات لمبی سورتیں مراد ہیں یا سات آیتوں والی سورت سورۂ فاتحہ مراد ہے سب اقوال اپنی اپنی جگہ پر صحیح اور درست ہیں مثانی کا لفظ اپنے مفہوم عام کے لحاظ سے سورۂ فاتحہ اور سبع طوال اور قرآن عظیم سب کو شامل ہے مگر اس قول میں اشکال یہ ہے کہ یہ سورت مکّی ہے اور اس وقت تک سبع طوال کا نزول نہیں ہوا تھا۔ یہ سات لمبی سورتیں مدنی ہیں مدینہ میں جا کر نازل ہوئیں۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ پورا قرآن مجید بھی مکّہ میں نازل نہیں ہوا تھا مگر اس کے نزول کا وعدہ مکہ ہی میں ہو چکا تھا۔ اس لیے سبع مثانی سے سبع طوال مراد لینا باعتبار وعدۂ نزول صحیح ہے کیونکہ اللہ کا وعدہ حق اور صدق ہے اور یہ بدنصیب اگر سبع مثانی اور قرآن عظیم جیسی نعمت کو قبول نہ کریں تو آپ ان کی محرومی پر رنجیدہ اور غم گین نہ ہوں یعنی آپؐ ان کے حال پر رنج و غم نہ کریں اور بجائے ان کے درویشانِ اسلام یعنی اہلِ ایمان

کے لیے اپنے بازوئے تواضع وشفقت کو جھکا دیجئے جنہوں نے قرآن عظیم جیسی دولت کو قبول کیا یہ اہل تواضع ومسکنت کا گروہ ہے یہ گروہ آپ کی شفقت کا مستحق ہے اور جن متکبرین اور مغرورین نے مال ودولت کے نشہ میں قرآن کی دولت سے اعراض کیا آپ ان سے اعراض کیجئے اور جو آپ سے اعراض کرے آپ اس سے صاف کہہ دیجئے کہ میں تو صاف ڈرانے والا ہوں۔ ڈرانا میرا کام ہے اور دل میں اتار دینا اور دل کا پھیر دینا اللہ کا کام ہے اور ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے مطلب یہ ہے کہ آپ تبلیغ کر دیجئے اور زیادہ فکر میں نہ پڑیئے اور ہم نے آپ پر یہ قرآن عظیم ایسا ہی نازل کیا جیسا کہ ہم نے گزشتہ زمانہ میں تقسیم کرنے والوں یعنی یہود اور نصاریٰ پر بہ توسط رسل ایسی کتاب نازل کی جسے وہ پڑھا کریں۔ جیسے توریت اور انجیل یہ کتاب ان کا قرآن تھی جس کو وہ پڑھا کرتے تھے جنہوں نے اپنے اس قرآن کے یعنی اپنی اس آسمانی کتاب کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے اس طرح سے کہ اپنے قرآن یعنی اپنی کتاب الٰہی کی بعض باتوں کو مانا اور بعض کو نہ مانا کتاب الٰہی کے کسی حصّہ کو چھپایا اور کسی حصّہ کو ظاہر کیا جیسی مصلحت دیکھی۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں۔

قول اوّل یہ ہے کہ یہ آیت یعنی کَمَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَی الۡمُقۡتَسِمِیۡنَ الخ گزشتہ آیت یعنی وَلَقَدۡ اٰتَیۡنٰکَ سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِیۡ سے متعلق ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن عظیم ہم نے آپ پر اسی طرح اتارا ہے جیسے گزشتہ زمانہ میں یہود اور نصاریٰ پر ہم نے توریت اور انجیل نازل کی اور یہ ہی آسمانی کتاب ان کا قرآن تھی جس کو وہ پڑھا کرتے تھے لہٰذا آپ پر قرآن عظیم اور وحی کا نازل ہونا کوئی انوکھی بات نہیں جس کا انکار کیا جائے جس طرح پہلے زمانہ میں کتب الٰہی کا نزول ہوا اور بندوں کو احکام کا مکلف بنایا گیا۔ اسی طرح قرآن کا بھی نزول ہوا لہٰذا نزول قرآن کو مستبعد نہ سمجھو۔ اس تشبیہ سے مقصود استبعاد ہے۔ اور مقتسمین کے معنی تقسیم کرنے اور بانٹنے والوں کے ہیں اور اس سے یہود اور نصاریٰ اس لیے مراد لیے گئے کہ اہل کتاب نے اپنی کتاب الٰہی کو تقسیم کر لیا تھا کہ اس کے بعض احکام پر عمل کرتے تھے اور بعض پر نہیں اور اَلَّذِیۡنَ جَعَلُوا الۡقُرۡاٰنَ عِضِیۡنَ لفظ اَلۡمُقۡتَسِمِیۡنَ کی صفت اور تفسیر ہے اور اس قول پر قرآن سے یہ قرآن مراد نہیں کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ بلکہ معنی لغوی مراد ہیں یعنی وہ کتاب الٰہی جس کی قرات وتلاوت کی جائے اور اس جگہ قرآن سے اہل کتاب کا قرآن مراد ہے یعنی ان کی توریت اور انجیل مراد ہے جس کو وہ پڑھا کرتے تھے اور اہل کتاب نے اپنے قرآن کے یعنی توریت اور انجیل کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے۔

ے اس عبارت میں اشارہ اس طرف ہے کہ آیت کَمَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَی الۡمُقۡتَسِمِیۡنَ۔ آیت مذکورہ وَلَقَدۡ اٰتَیۡنٰکَ سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِیۡ وَالۡقُرۡاٰنَ الۡعَظِیۡمَ سے متعلق ہے اور تقدیر عبارت اس طرح سے ہے۔ لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ کَمَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَی الۡمُقۡتَسِمِیۡنَ التوراۃ والانجیل۔ ۱۲

جو حصّہ کتاب الٰہی کا ان کے ہوائے نفس کے مطابق ہوا اس پر ایمان لے آتے اور جو ان کے ہوائے نفس کے خلاف ہوا اس کا کفر اور انکار کیا۔ بڑے ہی نادان تھے کہ جو کتاب ان کی ہدایت کے لیے نازل کی اس میں قبول اور انکار کے اعتبار سے تقسیم جاری رکھی حالانکہ کتاب منزل کا برحق تھا کہ بکمالہٖ تمام بدون اقتسام کے اس کو قبول کرتے اور اس پر ایمان لاتے۔ اس جگہ اہل کتاب کو بعنوان اقتسام ذکر کرنا ان کی مذمت اور تقبیح کے لیے ہے کہ کتاب الٰہی میں کیوں تقسیم جاری کی اور کفار مکہ کی طرف تعریض ہے کہ گزشتہ اقتسام کی طرح تم بھی جرم اقتسام کے مرتکب ہو رہے ہو لہٰذا ان کی طرح تم کو بھی عذاب سے ڈرنا چاہیئے ہو سکتا ہے کہ مقتسمین سے تو اہل کتاب ہی مراد ہوں مگر قرآن سے یہی قرآن مراد ہو جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور مطلب یہ ہو کہ اہل کتاب نے اس قرآن کو تقسیم کر لیا ہے کہ اس قرآن کا جو مضمون ان کی تحریفات یا ان کی آراء اور اہواء کے موافق پڑ جائے اس کو تو مان لیا جائے اور جو مضمون قرآنی ان کے خلاف ہو اس کو نہ مانا جائے اس طرح اہل کتاب نے قرآن عظیم کو حق اور باطل کی طرف تقسیم کر ڈالا قرآن عظیم کا جو حصّہ ان کے توریت اور انجیل کے موافق ہوا اس کو تو حق کہا اور جو ان کی توریت اور انجیل کے خلاف ہوا اس کو باطل کہا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اگر مقتسمین سے اہل کتاب مراد ہوں تو دوسری آیت یعنی اَلَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ میں قرآن کی تفسیر میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ قرآن سے یہی قرآن مراد لیا جائے یا قرآن سے معنی لغوی یعنی ان کی کتاب مقروء مراد لی جائے۔ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ۔

قول ثانی اور بعض علماءِ تفسیر یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت یعنی كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ اپنے ما قبل کی قریبی آیت یعنی وَ قُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ سے متعلق ہے[1]۔

اور مطلب یہ ہے کہ میں نذیر مبین ہوں اے قریش میں تم کو اللہ کے عذاب سے ڈراتا ہوں اگر تم اس قرآن عظیم پر ایمان نہ لاؤ گے اور گزشتہ مقتسمین کی طرح اس قرآن کے حصے بخرے کرو گے اور اس کے بعض کو شعر اور بعض کو سحر اور بعض کو کہانت اور بعض کو اساطیر الاوّلین کہو گے تو پھر عجب نہیں کہ تم پر بھی ویسا عذاب نازل ہو جائے جیسا کہ گزشتہ مقتسمین پر نازل ہوا تھا ان کا جرم بھی یہی اقتسام تھا اور تم بھی اسی جرم کے مرتکب ہو اور گزشتہ مقتسمین سے اہل کتاب مراد ہیں جنہوں نے اپنی آسمانی کتاب کے ٹکڑے ٹکڑے کیے کہ جو ان کی مرضی کے موافق ہوا اس کو مان لیا اور جو ان کی مرضی کے خلاف ہوا اس کا انکار کر دیا اور انبیاء کرام کی مخالفت و تکذیب کی جس کی سزا میں بندر اور سوّر بنائے گئے اور ذلّت اور مسکنت کی مہر لگی۔ مطلب یہ ہے کہ اس قسم کا عذاب نازل ہونا مستبعد نہیں۔ پہلے زمانہ میں ہو چکا ہے تو

[1] اس صورت میں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ عَذَابًا كَمَآ اَنْزَلْنَاهُ عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ وعلى هٰذا الوجه المفعول محذوف وهو المشبّه دل عليه المشبّه به (تفسیر کبیر)

اے اہلِ مکہ! تم کو بھی اس سے ڈرنا چاہیئے۔ غرض یہ کہ پہلے قول کی بناء پر کَمَآ اَنْزَلْنَا کی تشبیہ سے نزول وحی کے استبعاد کو دفع کرنا تھا۔ اور اس دوسرے قول پر تشبیہ سے مقصود آپؐ کی تسلی ہے کہ آپؐ انکارِ قرآن کو مستبعد نہ سمجھیں۔ قرآن سے پہلے بھی انکار ہوچکا ہے اور حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ آیت میں مقتسمین سے قسم کھانے والے مراد ہیں جنہوں نے اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا اور باہم قسم کھائی کہ انبیاء کو قتل کریں گے اور ان کو ایذاء پہنچائیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قوم صالح کے حال سے آگاہ فرمایا۔ تَقَاسَمُوْا بِاللّٰہِ لَنُبَیِّتَنَّہٗ وَاَھْلَہٗ باہم مل کر قسم کھائی کہ رات میں جاکر صالحؑ کو اور اس کے گھر والوں کو قتل کردیں پس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ گزشتہ قوموں نے انبیاءؑ کی مخالفت اور عداوت پر قسمیں کھائی تھیں اور انہوں نے کتب سماویہ کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے تھے پس جیسا عذاب ہم نے ان پر اُتارا اسی طرح کے عذاب سے یہ نذیر مبین تم کو ڈراتا ہے اور قوم صالح کے مقتسمین پر عذاب کا نزول قطعی اور یقینی ہے اور منصوص قرآنی ہے لہٰذا اس کو معرض تشبیہ میں ذکر کرنے میں کوئی اشکال نہیں۔
اور بعض علمائے سلف نے مقتسمین سے کفار مکہ مراد لیے ہیں۔ جنہوں نے بطور استہزاء و تمسخر قرآن کی تقسیم کر رکھی ہے۔ جب سورتوں کے نام سنتے تو ہنس کر آپس میں کہتے کہ بقرہ یا مائدہ تو میں لے لوں گا اور نمل اور عنکبوت تو لے لینا یا مکہ کے راستے تقسیم کرلیے تھے کہ راستوں پر مختلف آدمی بٹھا دیئے تھے کہ جو کوئی آتا تو اس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برائی کرتے اور آپؐ پر ایمان لانے سے اس کو روکتے تھے اور بعض علماء سلف کہتے ہیں کہ مقتسمین سے آپؐ کے زمانہ کے یہود اور نصاریٰ مراد ہیں جنہوں نے قرآن کو اس طرح تقسیم کر رکھا تھا کہ جو مضمون قرآنی ان کی تحریفات کے مطابق ہو اس کو مان لیا جائے اور جو اس کے خلاف ہو اس کا انکار کردیا جائے مگر ان دونوں قولوں میں اشکال یہ ہے کہ یہ آیت اور یہ سورت مکی ہے اور اس وقت تک نہ کفار قریش پر کوئی عذاب نازل ہوا تھا اور نہ یہود بنی قریظہ اور نہ یہود بنی نضیر پر کوئی مصیبت اور آفت آئی تھی اور کَمَآ اَنْزَلْنَا میں کاف حرف تشبیہ ہے اور انزلنا صیغہ ماضی ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان مقتسمین پر گزشتہ زمانہ میں عذاب نازل ہوچکا ہے حالانکہ کفار مکہ اور یہود بنی قریظہ پر جو بھی آفت اور مصیبت آئی ہجرت کے بعد آئی ہجرت سے پہلے نہ کفار مکہ پر کوئی عذاب آیا اور نہ یہود پر لہٰذا انذار میں ایسے عذاب سے تشبیہ دینا جو ابھی تک واقع نہیں ہوا۔ ذوق بلاغت کے خلاف ہے اور ان دو قولوں کو آیت کا شان نزول کہنا بہت مشکل ہے ان دونوں قولوں کی تاویل یہ ہوسکتی ہے کہ کفار مکہ اور یہود بنی قریظہ اور بنی نضیر پر اگرچہ اس وقت تک عذاب نازل نہ ہوا تھا مگر چونکہ مستقبل قریب میں اس کا وقوع یقینی تھا اس لیے اس کو لفظ انزلنا سے تعبیر کیا گیا ہے۔

٭ ٭ ٭

ترجیح راجح

اس آیت کی تفسیر میں حضرات مفسرین کے مختلف اقوال ہم نے ناظرین کے سامنے کر دیئے۔ محققین کے نزدیک سب سے راجح قول اول ہے وہ یہ کہ کَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَی الْمُقْتَسِمِیْنَ الخ وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ سے متعلق ہے اور مقتسمین سے اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ مراد ہیں اور اَلَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ، مقتسمین کی صفت کاشفہ ہے یعنی مقتسمین کی تفسیر ہے اور قرآن سے یہی قرآن مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے نبی ہم نے آپ کو سبع مثانی اور قرآن عظیم عطا کیا ہے اور آپ پر یہ کتاب مستطاب نازل کی جیسا کہ آپ سے پہلے ہم نے یہود اور نصاریٰ کو توریت اور انجیل عطا کی تھی مگر اس زمانہ کے اہل کتاب نے قرآن عظیم کی قدر نہ جانی اور اس قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور قرآن کی تقسیم و تحلیل کر ڈالی کہ جو مضمون قرآن کا ان کی تحریفات اور ان کی تیار کردہ توریت اور انجیل کے مطابق ہوا اس کو حق مان لیا اور جو اس کے خلاف پایا اس کو باطل کہہ دیا۔ ان اہل کتاب نے اپنے جہل اور عناد سے اس طرح قرآن کو حق اور باطل کی طرف تقسیم کر لیا۔ اور یہ معنی ابن عباس[1] رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے منقول ہیں اور اس معنی کو امام رازیؒ نے تفسیر کبیر ص۲۹۲ جلد ۵ میں اختیار کیا ہے اور اس آیت میں اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ کو مقتسمین (بانٹنے والے) کہا کہ انہوں نے قرآن کو حق اور باطل کی طرف تقسیم کیا اور اس کے بعد اَلَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ، مقتسمین کی صفت ذکر فرمائی کہ یہ مقتسمین وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے بعض پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کیا اور شیخ الاسلام ابوالسعود[2]ؒ نے اور علامہ آلوسیؒ نے بھی اسی معنی کو اختیار کیا ہے واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

اور اس ناچیز کے نزدیک ان اقوال میں راجح قول یہ ہے کہ یہ آیت تشبیہ یعنی کَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَی الْمُقْتَسِمِیْنَ اپنی قریبی آیت وَقُلْ اِنِّیْٓ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ سے متعلق ہے اور مقتسمین سے مشرکین مکہ کے وہ چند شریر اور سرکش لوگ مراد ہیں جو ولید بن مغیرہ کے مشورے سے ایام حج میں مکہ کے راستے آپس میں تقسیم کر لیتے تھے جب حج کا موسم آتا اور لوگ باہر سے آتے تو ہر ایک راستہ پر ایک شخص بٹھلا دیا جاتا کہ

---

[1] قال ابن عباس اهل الکتاب اٰمنوا ببعضه وکفروا ببعضه وکذالك قال عکرمة هم اهل الکتاب وسموا مقتسمین لانهم کانوا مستهزئین فیقول بعضهم هٰذه السورة لی وهٰذه السورة لك۔ (تفسیر قرطبی ص۵۸ ج۱۰ و تفسیر در منثور ص۱۰۶ جلد۴ اور (دیکھو تفسیر روح البیان ص۴۸۹ جلد۴)

[2] حضرات اہل علم تفسیر ابوالسعود کو دیکھیں نہایت لطیف کلام فرمایا اور اسی کو علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں اختیار کیا ہے واللہ اعلم۔

جو لوگ اس راستے سے آئیں ان سے یہ کہہ دیا کریں کہ ہمارے شہر میں ایک شخص پیدا ہوا ہے اور اپنے کو نبی بتاتا ہے اس کی بات سے تم دھوکہ نہ کھانا وہ مجنون ہے یا جادوگر ہے یا کاہن وغیرہ وغیرہ ہے اور انہیں چند شریروں نے از راہ تمسخر و استہزاء سورتوں کے نام سے قرآن کے حصے بخرے کیئے ہوئے تھے کوئی کہتا کہ میں بقرہ[1] لے لوں گا یا مائدہ اور عنکبوت تجھے دے دوں گا۔ یہ مستہزئین (تمسخر کرنے والوں کا ایک گروہ تھا) جن کا آئندہ آیت میں ذکر ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تسلی دی اور یہ کہا کہ اس گروہ کے شر سے آپ کو کفایت کریں گے چنانچہ یہ سب لوگ نہایت ذلت کی موت مرے پس مطلب آیت کا یہ ہوا کہ اے نبی! آپ حق تعالیٰ کی طرف سے کہہ دیجئے کہ میں تم کو اللہ کے قہر اور عذاب سے کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم تم پر ایسا عذاب نازل کریں گے جیسا ہم نے مقتسمین پر اُتارا۔ یعنی جس طرح ہم نے مقتسمین (مکہ کے راستے تقسیم کرنے والوں) پر یا قرآن کو سحر اور شعر اور کہانت وغیرہ وغیرہ کی طرف تقسیم کرنے والوں پر اتارا۔ یعنی خاص قسم کی ذلت کی موت سے ان کو ہلاک کیا۔ اسی طرح تم کو بھی ہلاک کر دیں گے۔ (دیکھو فتح الباری ص ۲۸۹ جلد ۸ و تیسیر القاری شرح صحیح البخاری بزبان فارسی مصنفہ شیخ نور الحق دہلوی ص ۴۰۹ جلد ۴ و شیخ زادہ حاشیہ بیضاوی ص ۱۶۴ جلد ۲) اور اس قول کو ہم نے اس لیے اختیار کیا کہ وَقُلْ اِنِّیْٓ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ قریب ہے اور وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ ذرا بعید ہے نیز بقرینہ مقام ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ کَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَی الْمُقْتَسِمِیْنَ میں انزال سے انزال عذاب مراد ہے نہ کہ انزال کتاب نیز حضرت شاہ ولی اللہؒ نے جو ترجمہ فرمایا وہ بھی اسی قول پر مبنی ہے چنانچہ فرماتے ہیں "وبگو ہر آئینہ من ہیم کنندہ آشکارم فرود خواہیم آورد عذاب را مانند آں چہ فرود آوردہ بودیم بر تقسیم کنندگان آنانکہ ساختند کتاب الہٰی را پارہ پارہ مترجم گوید یعنی بر اہل کتاب ـــــ کہ بر بعض آیات عمل می کردند و بر بعض نہ" جاننا چاہیئے کہ شاہ صاحبؒ کا یہ ترجمہ ہمارے اختیار کردہ قول کا بتمام وکمال مؤید نہیں البتہ صرف اس بارہ میں مؤید ہے کہ کَمَآ اَنْزَلْنَا کا تعلق اس کی قریبی آیت یعنی وَقُلْ اِنِّیْٓ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ سے ہے نہ کہ وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ سے۔ حضرات اہل علم تفسیر بیضاوی اور اس کے حواشی کا مطالعہ فرمائیں ہماری یہ تفصیل انشاء اللہ اہل علم کے لیے مفید اور معین ہوگی۔ وَاللّٰہُ سبحانہٗ وَتَعَالٰی اعلم وعلمہٗ اتم واحکم۔

پس قسم ہے تیرے پروردگار کی کہ قیامت کے دن ہم ان سب کے اعمال سے ضرور باز پرس کریں گے۔ اور ان مقتسمین سے بھی یہ سوال کریں گے تم نے قرآن عظیم اور صاحب قرآن کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ پس اے نبی! آپ صاف صاف ظاہر کر دیجئے اس بات کو کہ جس کے پہنچانے کا آپ کو حکم دیا جاتا ہے اور

[1] شاہ عبد القادر فرماتے ہیں کہ کافر سنتے تھے سورتوں کے نام تو آپس میں ٹھٹھے سے بانٹتے کوئی کہتا میں بقرہ لوں گا یا مائدہ اور عنکبوت تجھ کو دوں گا۔ (موضح القرآن)

کسی کے استہزاء اور تمسخر کی پرواہ نہ کیجئے اور مشرکین سے منہ موڑ لیجئے یعنی ان کے مضحکہ اور استہزاء سے دلگیر نہ ہوجیئے تحقیق ہم تیری طرف سے تجھے تمسخر کرنے والوں کو کافی اور بس ہیں یعنی تو بے خوف و خطر ہمارا حکم پہنچا ان ٹھٹھا کرنے والوں کے شر سے ہم تجھ کو محفوظ رکھیں گے آپؐ ان کے انتقام اور بدلہ کی کوئی فکر نہ کیجئے ہم خود ان سے نمٹ لیں گے اور یہ بدبخت جو آپؐ کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود ٹھہراتے ہیں۔ سو عنقریب جان لیں گے شرک اور استہزاء کا کیا اور کیسا انجام ہے؟ مخلوق کو خالق کے ساتھ شریک ٹھہرانا یہ خدا کے ساتھ استہزاء اور تمسخر ہے یہ مستہزئین جو آپؐ کے ساتھ اور قرآن کے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے۔ صاحب قوت و وجاہت مشرکین کا ایک گروہ تھا یہ لوگ رؤساء قریش میں سے تھے انکے نام یہ ہیں۔ (۱) ولید بن مغیرہ (۲) عاص بن وائل (۳) حارث بن قیس۔ (۴) اسود بن عبد یغوث (۵) اسود بن المطلب۔ جب ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء اور تمسخر میں حد سے تجاوز کیا تو اللہ نے آپؐ کو حکم دیا کہ آپ ان کے استہزاء اور تمسخر کی طرف التفات نہ کریں ہم آپ کی طرف سے ان کے لیے کافی اور بس ہیں۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں تشریف فرما تھے اور جبرئیل امینؑ بھی آپؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ یہ پانچ مستہزئین مسجد حرام میں داخل ہوئے اور آپ کو دیکھ کر ہنسے اور پھر طواف میں مشغول ہوگئے۔ جبریل امینؑ بولے کہ مجھے حکم ہے کہ ان کے شر سے آپؐ کو کفایت کردوں پس ولید بن مغیرہ ادھر سے گزرا۔ جبریل امینؑ نے ولید کی پنڈلی کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے بعد ولید کا ایک تیر ساز پر گزر ہوا جو تیر بنا رہا تھا ولید کی ازار اس میں الجھ گئی اس مغرور نے جھکنے کو عار سمجھا اس لیے وہ تیر اس کی ساق (پنڈلی) میں لگا جس سے خفیف سا زخم آیا مگر وہ ایسا پھوٹ نکلا کہ ولید اسی میں مرگیا۔ عاص بن وائل کا ادھر سے گذر ہوا جبرئیل امینؑ نے اس کے تلوے کی طرف اشارہ کیا اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا قد کفیت (آپ کفایت کیے گئے)۔ یہاں سے نکلنے کے بعد عاص بن وائل کے تلوے میں ایک کانٹا لگا جس سے اس کا پیر پھول گیا اور پھول کر چکی کے پاٹ کی طرح ہوگیا اور اسی میں مرگیا۔ اسود بن المطلب ادھر سے گذرا جبریل امینؑ نے اس کی آنکھ کی طرف اشارہ کیا اسی وقت نابینا ہوگیا اور مر گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ جبریلؑ کے اشارہ کے بعد دیوانہ ہوگیا اور اسی دیوانگی میں اپنا سر ایک درخت سے جاکر مارنے لگا اور اسی میں مرگیا۔ اسود بن عبد یغوث کا ادھر سے گذر ہوا تو جبریل امینؑ نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا تو اس کا پیٹ پھول گیا اور استسقاء ہوگیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس کو لُو لگی اور تمام بدن اس کا سیاہ ہوگیا۔ جب گھر آیا تو گھر والوں نے اس کو پہچانا بھی نہیں اور اسی حالت میں مرگیا اور حارث بن قیس ادھر سے گذرا تو جبریل امینؑ نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا جس سے اس کا سر پھول گیا۔ اور اس پر اس قدر ورم آیا کہ اسی میں مرگیا۔ اس طرح سے اللہ نے اپنے نبی کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرنے والوں کو ہلاک کیا۔ (دیکھو زاد المسیر ص ۴۲۲ جلد ۴ لابن الجوزی و تفسیر در منثور ص ۱۰۷ جلد ۴)

تفسیر درمنثور میں ان مستہزئین کی ہلاکت کی روایتیں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں اور یہ سب کے سب ایک ہی رات میں ہلاک ہوئے (فتح الباری ص ۲۹۰ جلد ۸)

نکتہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان استہزاء کرنے والوں میں سے کوئی اپنے سر سے آپؐ کی طرف اشارہ کرتا ہوگا اور کوئی آنکھ سے اور کوئی اپنے پیٹ سے اور کوئی پیر سے جبرئیلؑ نے مستہزئین کے انہیں اعضا کی طرف اشارہ کیا جس کے اشارہ سے وہ حضور پرنورؐ کا مذاق اڑاتے تھے انہیں اعضا کی طرف اشاروں سے مستہزئین ہلاک کیے گئے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اب پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کی طرف توجہ فرماتے ہیں۔ اور اے نبی! ہم خوب جانتے ہیں کہ تیرا سینہ ان کی تمسخر آمیز باتوں سے تنگ ہوتا ہے۔ جب یہ لوگ شرک کرتے اور قرآن پر ہنستے اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء کرتے تو طبعًا یہ باتیں آپ کو ناگوار ہوتیں اور ان باتوں سے آپؐ کا دل گھٹتا، سو اس کا علاج یہ ہے کہ اے نبی! آپؐ اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کرتے رہئے یعنی سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم کی تسبیح پڑھا کیجئے اور ہو جایئے سجدہ کرنے والوں میں سے تسبیح و تحمید سے اور سجدہ سے سینہ کے سارے غم دور ہو جائیں گے۔ کما قال تعالیٰ وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ۔ یعنی نماز پڑھنے والوں میں سے ہو جایئے جس کی ابتداء قیام پر ہوتی ہے اور انتہاء سجود پر ہوتی ہے اور سجود قرب خداوندی کی آخری منزل ہے۔ کما قال تعالیٰ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔ اور رکوع تعظیم خداوندی کی درمیانی منزل ہوتی ہے اور قیام اور سجدہ درمیانی ایک برزخی مقام ہے اور اپنے رب کی عبادت میں لگے رہو یہاں تک کہ تجھ کو موت آجائے یعنی جب تک جیتا رہے اس وقت تک دل و جان سے اپنے پروردگار کی بندگی کرتا رہ جس درجہ آداب عبودیت بجالائے گا اسی درجہ الطاف ربوبیت کا تجھ پر نزول ہوگا۔ جمہور مفسرینؒ فرماتے ہیں کہ اس جگہ "یقین" سے مراد موت ہے کیونکہ موت کا وقوع امر یقینی ہے جس میں کسی کو شک نہیں ابوحیانؒ کہتے ہیں کہ موت کا ایک نام یقین بھی ہے۔ اھ اور حدیث اور قرآن میں لفظ یقین بمعنی موت مستعمل ہوا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَکُنَّا نُکَذِّبُ بِیَوْمِ الدِّیْنِ حَتّٰۤی اَتٰىنَا الْیَقِیْنُ اور حدیث میں ہے کہ ایک میت کی نسبت آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا۔ اما ھو فقد جاءہ الیقین انی لارجوا لہ الخیر اور عارفین نے اس جگہ یقین سے کیفیت قلبیہ مراد لی ہے ؎

بدر دیقین پردہائے خیال نماند سراپردہ الا جلال

مطلب یہ ہے کہ مرتے دم تک اپنے رب کی حمد و تسبیح میں اور اس کی عبادت میں لگے رہو اللہ تعالیٰ تمہارے سینہ کی تنگی اور گھٹن کو دور کر کے شرح صدر کی دولت سے تم کو نوازے ذکر الٰہی اور عبادت کی خاصیت ہی یہ ہے کہ اس سے سینہ کی تنگی زائل ہو جاتی ہے یا مغلوب ہو جاتی ہے حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے یہ حکم نہیں دیا کہ میں مال جمع کروں اور تاجروں میں سے ہو جاؤں ہاں خدا نے مجھے یہ حکم دیا کہ اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کروں اور سجدہ

کرنے والوں میں ہو جاؤں اور اپنے پروردگار کی عبادت کروں یہاں تک کہ مجھ کو موت آجائے۔
(تفسیر قرطبی ص ۶۴ جلد ۱۰)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ آج بروز دوشنبہ بتاریخ ۲۶ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ بوقت ۸ بجے دن کے سورۂ حجر کی تفسیر سے فراغت ہوئی، وَلِلّٰہِ الحمد والمنة۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفسیر سورۂ نحل

یہ سورت بالاتفاق مکی ہے اور اس میں ایک سو اٹھائیس آیتیں اور سولہ ۱۶ رکوع ہیں اس سورت کا نام سورۂ نحل ہے اس وجہ سے کہ اس میں نحل کا ذکر ہے۔ نحل شہد کی مکھی کو کہتے ہیں اور اس سورت کا نام سورۂ نعم بھی ہے اس میں زیادہ تر حق تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جو درحقیقت دلائل توحید ہیں پیرایہ انعام اور امتنان کا ہے مگر در پردہ ہر نعمت اس کی وحدانیت کی دلیل اور برہان ہے جن سے مقصود ابطال شرک ہے اس سورت کے زیادہ مضامین تو توحید اور ابطال شرک کے ہیں اور کچھ مضامین ایسے بھی ہیں جن میں منکرین نبوت کے شبہات کے جوابات دیئے گئے ہیں جیسا کہ وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ میں کافروں کے پہلے شبہ کا جواب دیا گیا۔

اور هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِیَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ یَاْتِیَ اَمْرُ رَبِّكَ الخ میں مشرکین کے دوسرے شبہ کا جواب دیا گیا ہے۔

اور وَقَالَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ الخ میں منکرین نبوت کے تیسرے شبہ کا جواب دیا گیا ہے۔

اور وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ میں منکرین نبوت کے چوتھے شبہ کا جواب دیا گیا ہے۔

اس طرح اخیر سورت تک زیادہ تر توحید کے دلائل عقلیہ کا بیان چلا گیا اور گاہ بگاہ نبوت و رسالت اور حقانیت قرآن اور قیامت اور حشر و نشر کے منکرین پر وعید اور تہدید کا بیان چلا گیا اور آخری رکوع میں رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقویت کے لیے رسالت ابراہیمیہ کا ذکر فرمایا اور چونکہ کفار اور مشرکین آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذاء رسانی پر تلے ہوئے تھے اس لیے اس سورت کو صبر اور تقویٰ کے حکم پر ختم فرمایا۔

آیاتہا ۱۲۸ ۱۶ : سُورَۃُ النَّحۡلِ مَکِّیَّۃٌ = ۷۰ رکوعاتہا ۱۶

سورۂ نحل مکی ہے اور اس میں ایک سو اٹھائیس آیتیں اور سولہ رکوع ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بخشنے والا ہے بڑا مہربان

اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا

پہنچا حکم اللہ کا، سو اس کی شتابی مت کرو۔ وہ پاک ہے۔ اور اوپر ہے ان

یُشۡرِکُوۡنَ ① یُنَزِّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِہٖ عَلٰی

کے شریک بتانے سے۔ اُتارتا ہے فرشتے بھید لے کر اپنے حکم سے جس

مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖۤ اَنۡ اَنۡذِرُوۡۤا اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ

پر چاہے اپنے بندوں میں، کہ خبر پہنچا دو، کہ کسی کی بندگی نہیں سوا

اَنَا فَاتَّقُوۡنِ ②

میرے، سو مجھ سے ڈرو۔

آغاز سورت بوعید و تہدید بر منکرین توحید

قال اللہ تعالیٰ اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ .... الیٰ .... لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوۡنِ ۰

یہ سورت چونکہ زیادہ تر دلائل توحید پر مشتمل ہے جس سے مقصود مشرکین کا رد ہے اس لیے اس سورت کا آغاز وعید و تہدید سے کیا گیا تاکہ مشرکین متوجہ ہو جائیں اور غور سے دلائل توحید کو سنیں۔ کیونکہ توحید ہی دین کی اصل بنیاد ہے۔ اور اسی پر تمام انبیاء کا اتفاق ہے اور انبیاء نے سب سے پہلے لوگوں کو توحید ہی کی دعوت دی ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین عرب کو دنیوی اور اُخروی عذاب سے ڈرایا کرتے تھے اس پر مشرکین یہ کہتے کہ وہ عذاب اور قیامت جس سے آپ ہم کو ڈراتے رہتے ہیں۔ وہ کہاں ہے اور کب آئے گا۔ اور ان کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں (تفسیر کبیر ص ۲۹۴ ج ۵) چنانچہ فرماتے ہیں اللہ کا حکم آچکا ہے کہ دنیا ہی میں کافروں کو سزا ملے گی اور کفر ذلیل و خوار ہوگا۔

اور اسلام سربلند ہوگا۔ اسلام کا غلبہ اور اس کی عزت اور کفر کی مغلوبی اور ذلت امر یقینی اور امر شدنی ہے اور ان منکرین کی سزا کا وقت قریب آگیا۔ سو اے منکرو! تم اس کی طلب میں جلدی نہ کرو۔ تمہارا فائدہ تاخیر میں ہے تاکہ تم کو مہلت مل جائے۔ مطلب یہ ہے کہ عذاب موعود کا آنا یقینی ہے اس کا حکم آچکا ہے اپنے وقت پہ آئے گا۔ اور جب آئے گا تو تم اس سے بچ نہیں سکو گے۔ لہٰذا تم کو چاہیئے کہ عذاب کے آنے سے پہلے شرک سے توبہ کر لو۔ اللہ پاک برتر ہے اس چیز سے جس کو یہ خدا کے شریک ٹھہراتے ہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ عذاب آنے پر تمہارے بے شر کا، تمہاری کوئی شفاعت نہیں کر سکیں گے رہا یہ امر کہ اللہ نے تم کو براہِ راست کفر اور شرک سے کیوں نہ منع کر دیا۔ نبی اور رسُول کے واسطے کی کیا ضرورت تھی سو اس کا یہ جواب ہے کہ اللہ اپنے حکم سے فرشتوں کو وحی اور پیغام دے کر اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے نازل کرتا ہے ہر کس و ناکس پر اللہ تعالےٰ کا فرشتہ اللہ کی وحی اور پیغام لے کر نازل نہیں ہوتا۔ اور وحی خداوندی چونکہ حیات روحانی کا سبب ہے اس لیے وحی کو روح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس طرح روح حیات اور زندگی کا ایک سبب ہے اسی طرح وحی بھی مؤمنوں کے دل کو زندہ کرتی ہے اس لیے وحی کو روح کہا گیا ہے اور وہ پیغام یہ ہے کہ لوگوں کو خبردار کر دو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا صرف مجھ ہی سے ڈرو میرے سوا کوئی خالق اور رازق نہیں ہے

مرا بندگی کن کہ دارا منم تو از بندگانی و مولیٰ منم

اس آیت میں دو چیزوں کا حکم دیا گیا - ایک توحید کا اور ایک تقویٰ کا، توحید سے قوت نظریہ کی تکمیل ہوتی ہے اور تقویٰ سے قوت عملیہ کی تکمیل ہوتی ہے اور انہی دونوں کی تکمیل سے سعادت دارین حاصل ہوتی ہے اور اس کے بعد آئندہ آیات میں دلائل توحید کا ذکر فرماتے ہیں۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى

بنائے آسمان اور زمین ٹھیک - وہ اوپر

عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ③ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ

ہے ان کے شریک بتانے سے۔ بنایا آدمی ایک بوند سے،

فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ④ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ

پھر تبھی ہو گیا جھگڑتا بولتا - اور چوپائے بنا دیئے تم کو

فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۪ ⑤ وَلَكُمْ فِيْهَا

ان میں جڑاول ہے اور کتنے فائدے، اور بعضوں کو کھاتے ہو - اور تم کو ان سے

جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ﴿٦﴾ وَتَحْمِلُ

رونق ہے جب شام کو پھیر لاتے ہو اور جب چراتے ہو۔ اور اٹھا لے

اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ

چلتے ہیں بوجھ تمہارے ان شہروں تک کہ تم نہ پہنچتے وہاں مگر جان توڑ کر،

اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٧﴾ وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ

بیشک تمہارا رب بڑا شفقت والا مہربان ہے۔ اور گھوڑے بنائے اور خچریں

وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۭ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٨﴾

اور گدھے، کہ ان پر سوار ہو اور رونق۔ اور بناتا ہے جو تم نہیں جانتے۔

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَاۗىِٕرٌ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ

اور اللہ پر پہنچتی ہے سیدھی راہ، اور کوئی راہ کج بھی ہے۔ اور وہ چاہے



لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٩﴾ ع هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ

تو راہ دے تم سب کو۔ وہی ہے جس نے اتارا آسمان سے

مَاۗءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ﴿١٠﴾

پانی، تمہارا اس سے پینا ہے اور اس سے درخت ہیں جن میں چراتے ہو۔

يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَ

اُگاتا ہے تمہارے واسطے اس سے کھیتی اور زیتون اور کھجوریں اور

الْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

انگور اور ہر قسم کے میوے۔ اس میں نشانی

لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿١١﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ

ہے ان لوگوں کو جو دھیان کرتے ہیں۔ اور کام لگائے تمہارے رات

وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ
و دن اور سورج اور چاند اور تارے کام میں لگے ہیں
بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿١٢﴾
اس کے حکم سے۔ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کو جو بوجھ رکھتے ہیں۔
وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ۗ إِنَّ
اور جو بکھیرا ہے تمہارے واسطے زمین میں کئی رنگ کا، اس
فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٣﴾ وَهُوَ الَّذِي
میں نشانی ہے ان لوگوں کو جو سوچتے ہیں۔ اور وہی ہے جس
سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا
نے کام لگایا دریا کو کہ کھاؤ اس میں سے گوشت تازہ اور نکالو اس
مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ
سے گہنا جو پہنتے ہو۔ اور دیکھے تو کشتیاں پھاڑتی چلتی اس میں
وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٤﴾ وَ
اور اس واسطے کہ تلاش کرو اس کے فضل سے اور شاید احسان مانو۔ اور
أَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَأَنْهَارًا
ڈالے زمین میں بوجھ کہ کبھی جھک پڑے تم کو لے کر اور ندیاں بنائیں
وَسُبُلًا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥﴾ وَعَلَامَاتٍ ۚ وَبِالنَّجْمِ
اور راہیں شاید تم راہ پاؤ۔ اور بنائے پتے۔ اور تارے سے
هُمْ يَهْتَدُونَ ﴿١٦﴾ أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ ۗ
راہ پاتے ہیں۔ بھلا جو پیدا کرے، برابر ہے اسکے جو کچھ نہ پیدا کرے

اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا

کیا تم سوچ نہیں کرتے۔ اور اگر گنو نعمتیں اللہ کی نہ

تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸﴾ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

پورا کر سکو ان کو۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اللہ جانتا ہے

مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ

جو چھپاتے ہو اور جو کھولتے ہو ۔ اور جن کو پکارتے ہیں

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ ؕ

اللہ کے سوا کچھ پیدا نہیں کرتے اور آپ پیدا ہوتے ہیں۔

ع ۱۲ ۳ ۸

اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع

مردے ہیں جن میں جی نہیں اور خبر نہیں رکھتے کب اٹھائے جائیں گے۔

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ

معبود تمہارا معبود ہے اکیلا۔ سو جو یقین نہیں رکھتے پچھلے دن کی زندگی کا

قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور ان کے دل نہیں مانتے اور وہ مغرور ہیں۔

لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ

ٹھیک بات ہے کہ اللہ جانتا ہے جو چھپاتے ہیں۔

وَمَا يُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ

اور جو جتاتے ہیں۔ بے شک وہ نہیں چاہتا

الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

غرور کرنے والوں کو۔

ذکرِ دلائلِ توحید

قال اللہ تعالےٰ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ... الی ... اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں یہ بیان کیا کہ اللہ کی معرفت اور اس کی وحدانیت کا علم سب سے اوّل اور مقدم اور اہم ہے اور تمام انبیاء کرام اس کی تعلیم دیتے رہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۔ اور توحید کے بعد درجہ تقویٰ کا ہے جس کی اللہ تعالےٰ نے تمام اولین اور آخرین کو وصیت فرمائی وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ اس لیے اب آئندہ آیات میں اللہ تعالےٰ کی وحدانیت اور کمال قدرت و حکمت کے قسم قسم کے دلائل بیان فرماتے ہیں اور کمالِ قدرت کی ہر دلیل میں حق جل شانہٗ کی ایک خاص نعمت کا ذکر ہے جس میں اشارہ اس طرف ہے کہ وہ ربِّ اکرم تمہارا خالق بھی ہے اور منعم بھی ہے اور باوجود تمہاری نافرمانیوں اور سرکشیوں کے تمہارے عذاب اور سزا میں جلدی نہیں کرتا تم کو چاہیئے کہ نعمتوں سے منعم کو پہچانو اور اس سے ڈرو اور اس کی نافرمانی سے بچو اور یہ دلائل چند قسم کے ہیں۔

قسم اوّل زمین و آسمان کے تغیرات اور اس کے عجائب و غرائب سے استدلال فرمایا کہ ان کا ایک خاص اندازہ اور خاص مقدار پر پیدا کرنا حالانکہ اس کے خلاف بھی ممکن تھا۔ یہ اس کی کمال قدرت و حکمت کی دلیل ہے اور چونکہ تمام مخلوقات میں زمین و آسمان سب سے عظیم ہیں اس لیے سب سے پہلے آسمانوں اور زمین کی پیدائش کا ذکر فرمایا۔

قسم دوم آسمان و زمین کے بعد انسان کی پیدائش اور اس کے احوال سے استدلال فرمایا۔ کما قال اللہ تعالیٰ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۔

ایک قطرہ آب سے ایک عجیب و غریب چیز۔ یعنی انسان کا اس طرح پیدا ہونا کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں اس لیے کہ مادہ اور طبیعت کے افعال یکساں ہوتے ہیں۔ ان میں تفاوت نہیں ہوتا۔ انسان کی یہ عجیب و غریب پیدائش خدا کے کمال قدرت و حکمت کی دلیل ہے انسان کا مادہ ایک ہے مگر اس کے اعضاء اور اجزاء مختلف ہیں اور ہر ایک کے افعال اور خواص بھی مختلف ہیں۔ کوئی جز سر ہے اور کوئی کان اور آنکھ ہے اور کوئی دل ہے اور کوئی پیٹ ہے وغیرہ وغیرہ ظاہر ہے کہ یہ فعل مادہ اور طبیعت کا نہیں اس لیے کہ مادہ اور طبیعت بے شعور ہے بلکہ یہ کسی علیم و قدیر کی قدرت کا کرشمہ ہے اگر بالفرض طبیعت ہی کا فعل ہے تو طبیعت بھی اسی کی پیدا کردہ ہے رحم مادر میں نطفہ قرار پکڑ گیا اور اندر ہی بچہ تیار ہو رہا ہے اور ماں باپ کو خبر بھی نہیں کہ اندر ہی اندر کیا ہو رہا ہے۔ لہٰذا ماں باپ

کو خالق نہیں کہا جا سکتا۔

قسم سوم احوال انسانی کے بعد حیوانات کے احوال سے استدلال کیا جو انسان کے کام آتے ہیں، بھیڑ، بکری۔ اونٹ۔ گائے۔ پھر کسی کو کیا اور کسی کو کیا پیدا کیا کما قال اللہ تعالیٰ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ۔ الیٰ قولہ تعالیٰ۔ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ اور اس ضمن میں حیوانات کے جو فوائد اور منافع بیان فرمائے ان میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کی دلیل ہے اور ہر ایک مستقل نعمت ہے جس کا شکر بندوں پر واجب ہے اس ذیل میں اللہ تعالیٰ نے اولاً حیوانات کے ان منافع کا ذکر فرمایا جس کی انسان کو ضرورت ہے اور انسان کے کھانے کے کام آتے ہیں جیسے، بھیڑ۔ بکری۔ اونٹ اور گائے اور اس کے بعد ان چوپایوں کا ذکر کیا جو سواری کے کام آتے ہیں۔

قسم چہارم جس کو وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ میں ذکر فرمایا اس آیت میں ان چوپایوں کی پیدائش سے استدلال کیا جو انسان کے لیے ضروری اور لابدی تو نہیں مگر سواری اور زیب و زینت اور شان و شوکت کا ذریعہ ہیں۔ جب جنگل جاتے ہیں تو جنگل بھر جاتے ہیں اور جب شام کو گھر واپس آتے ہیں تو گھر میں رونق ہو جاتی ہے اور وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ میں ان سواریوں کی طرف اشارہ فرما دیا کہ جو ہنوز ظہور میں نہیں آئیں بلکہ آئندہ چل کر پیدا ہوں گی۔ جیسے ریل گاڑی اور دخانی جہاز اور موٹر اور بائیسکل یہ سواریاں نزول آیت کے وقت موجود نہ تھیں۔ اور لوگ اس وقت ان چیزوں سے واقف نہ تھے۔

قسم پنجم عجائب حیوانات کے بعد عجائب نباتات سے اپنی قدرت و حکمت پر استدلال فرمایا۔ کما قال تعالیٰ۔ وَهُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ۔ الیٰ۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔ یہ قسم قسم کے نباتات اس کی قدرت کاملہ کی واضح اور روشن دلیل ہیں جن کی ماہیت اور حقیقت اور ان کی خاصیت اور کیفیت دریافت کرنے سے بڑے بڑے حکماء کی عقلیں عاجز ہیں۔

قسم ششم احوال نباتات کے بعد آب شمس و قمر و کواکب و سیارات کے احوال سے استدلال کرتے ہیں کہ کوئی نادان یہ نہ سمجھ جائے کہ کھیتوں اور پھلوں کا پکنا شمس و قمر اور کواکب و سیارات کی تاثیر سے ہے کما قال اللہ تعالیٰ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ۔ الیٰ۔ قولہ۔ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے قدرت اور ارادہ سے ہے۔

قسم ہفتم اس کے بعد اشجار و نباتات کے اختلاف اَلْوَان سے استدلال فرمایا کہ نباتات کے الوان (رنگتوں) کا مختلف ہونا طبیعت کا اقتضاء نہیں بلکہ کسی علیم و قدیر کے قدرت و حکمت کا کرشمہ ہے۔

قسم ہشتم (استدلال باحوال کائنات بحریہ) کَمَا قَالَ تَعَالٰی ۔ وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ ... الیٰ ... وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۔ ان آیات میں کائنات بحریہ اوران کے احوال سے اپنی قدرت کا اظہار فرمایا کہ اللہ تعالٰے نے تمہارے لیے دریا کو مسخر کیا کہ تم اس سے دریائی جانوروں کو پکڑتے ہو اور قسم قسم کے جواہر اس سے نکالتے ہو اور کشتیوں کے ذریعے اس میں سفر کرتے ہو۔

قسم نہم (استدلال باحوال کائناتِ ارضیہ جیسے پہاڑ اور نہریں) کما قال تعالیٰ ۔ وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔ ابتداء میں زمین جنبش کرتی تھی اللہ تعالٰے نے اس پر پہاڑ پیدا کر دیئے جس سے اس کی جنبش اور اضطراب میں سکون آگیا۔

قسم دہم (استدلال باحوال نجوم فلکیہ) کما قال تعالٰے وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ (تلک عشرۃ کاملۃ) اب ان دس دلائل کے بعد مشرکین کی مذمت فرماتے ہیں کہ جب ان دلائل اور براہین سے یہ واضح ہو گیا کہ ان تمام کائنات کا خالق صرف اللہ تعالٰے ہے اور بُت کسی چیز کے خالق نہیں تو ان مشرکین کو کیا ہوا کہ خالق اور مخلوق میں فرق نہیں کرتے کیا ان نادانوں کو اتنی عقل نہیں کہ یہ سمجھیں کہ لائقِ عبادت وہ ذاتِ پاک بابرکات ہے جو ان عجائب وغرائب کا خالق ہے اور جو چیز کسی شئے کے پیدا کرنے پر قادر نہ ہو وہ کیسے لائق عبادت ہو سکتی ہے۔

نتیجۂ دلائل مذکورہ جب گزشتہ آیات میں وجود باری تعالٰے پر احوال فلکیہ اور احوال انسانیہ اور احوالِ حیوانیہ اور احوال نباتیہ اور عناصر اربعہ سے استدلال فرمایا تو اخیر میں ان تمام دلائل کا نتیجہ بیان فرمایا وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۔ اور چونکہ اتباع حق سے تکبر مانع تھا اس لیے مضمون مذکورہ کو اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ پر ختم فرمایا۔

تفصیل دلائل توحید

قسم اوّل ــــ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ تَعٰلٰی عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت اور مصلحت کے ساتھ پیدا کیا جن کو دیکھ کر عقل حیران اور دنگ رہ جاتی ہے وہ بلند اور برتر ہے اس چیز سے جس کو یہ نادان خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ خداوندِ قدیر نے زمین کو اس عالم کا فرش بنایا اور آسمان کو چھت بنایا عقل ایسے عرش اور فرش بنانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ آسمان کی یہ بے پناہ بلندی اور زمین کی یہ بے پناہ پستی کہ کوئی اس پر دوڑ رہا ہے یا اپنی سواری کو اس پہ دوڑا رہا ہے یا اس پر پیشاب اور پاخانہ کر رہا ہے یا اس پر کدال چلا رہا ہے اور کھود کر

اس میں نہ خانہ باکنواں بنا رہا ہے کیا یہ آسمان اور زمین جن کا نہ مبداء معلوم نہ منتہیٰ معلوم خود بخود ہی غیر متناہی اجزاء سے مرکب ہوکر تیار ہوگئے اور ایک عظیم جسم خود بخود بلند ہوکر آسمان بن گیا اور دوسرا جسم خود بخود پست ہوکر زمین بن گیا۔ یا کوئی امر اتفاقی ہے کہ اتفاقی طور پر ایک جسم عظیم بن گیا اور دوسرا جسم زمین بن گیا۔ یا کسی مادہ اور طبیعت کا یا کسی ایتھر کا مقتضیٰ ہے تو کوئی مدعی فلسفہ اور سائنس بتلائے تو سہی کہ وہ کس مادہ اور طبیعت کا اقتضاء ہے فلسفی کو جب آسمان اور زمین کے مبداء اور منتہا کا پتہ نہ چل سکا تو کہہ دیا کہ آسمان اور زمین قدیم ہیں انبیاء کرامؑ نے خبر دی ہے کہ یہ آسمان اور زمین مخلوق خداوندی ہیں اور قدرتِ قدیمہ کا کرشمہ ہیں۔ زمین و آسمان کا ہر جز اس کی خدائی اور یکتائی کی گواہی دے رہا ہے۔

قسم دوم ـــــــ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا جو ایک بے حس اور بے شعور چیز ہے اور پھر اس کو عقل اور سمجھ دی۔ پس وہ نکلا بڑا جھگڑالو پیدا ہونے کے بعد خدا کی ذات وصفات میں جھگڑنے لگا اور اس کی تکذیب کرنے لگا اور جس نے پیدا کیا اسی میں جھگڑنے لگا اور یہ خیال نہ کیا کہ ایک بے شعور اور بے حس قطرۂ آب سے ایسا ہوشیار اور سمجھدار انسان کیسے بن گیا اور یہ خیال نہ کیا کہ ایک نطفہ جو نو ماہ مادرِ شکم میں رہا اور خون حیض اس کی غذا رہی اور مختلف مراحل اور منازل طے کرنے کے بعد وہ پیدا ہوا اور پھر شیر خواری کی منزل سے جوان ہوا یہ کس مادہ اور طبیعت کا اقتضاء تھا بلاشبہ یہ کسی قادر حکیم کی تدبیر اور تصویر تھی۔

یہ آیت ابی بن خلف جُمحی کے بارہ میں نازل ہوئی جو مرنے کے بعد زندہ ہونے کا منکر تھا یہ شخص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایک بوسیدہ ہڈی لے کر آیا اور کہنے لگا کہ تیرا یہ خیال ہے کہ خدا اس ہڈی کو بوسیدہ ہونے کے بعد زندہ کرے گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مطلب یہ ہے کہ یہ جھگڑالو انسان اس بات پر غور نہیں کرتا کہ ہم نے اس کو ایک بے حس نطفہ سے پیدا کیا اور پھر اسے عقل اور دانائی اور گویائی دی اب یہ ہمارے ساتھ جھگڑتا ہے اور اپنی پیدائش سے دوبارہ پیدا ہونے پر دلیل نہیں پکڑتا۔ بوسیدہ ہڈی سے انسان کا پیدا کرنا نطفہ سے انسان کے پیدا کرنے سے زیادہ عجیب نہیں جو ذات تجھ کو نطفہ سے پیدا کرنے پر قادر ہے وہ تجھ کو بوسیدہ ہڈیوں سے پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔

قسم سوم ـــــــ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ ... الی ... اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

اور خدا تعالیٰ نے تمہارے لیے چوپایوں کو پیدا کیا ان میں تمہارے لیے گرمی کا سامان ہے یعنی ان جانوروں کی اون اور بالوں سے ایسی پوشش تیار ہوتی ہے جو تم کو جاڑے سے بچائے جیسے جڑاول کہتے ہیں اس کے علاوہ کتنے فائدے ہیں اور بعض کو تم ان میں سے کھاتے ہو یعنی ان کے گوشت اور چربی اور دودھ اور گھی کو کھاتے ہو اور تمہارے لیے ان جانوروں میں رونق اور زینت بھی ہے جب تم ان کو چرا کر شام کے وقت جنگل سے گھر واپس لاتے ہو اس وقت تر و تازہ اور خوبصورت ہوتے ہیں اور ان کے تھن دودھ سے لبریز ہوتے ہیں اور گھر میں خوب رونق اور چہل پہل ہے اور جب صبح

کے وقت ان کو چراگاہ کی طرف لے جاتے ہو اگرچہ اس وقت ان کے پیٹ خالی ہوتے ہیں مگر ان کا چراگاہ میں جانا بھی موجب زینت ہوتا ہے اور یہ جانور تمہارے بوجھ اٹھا کر اس شہر کی طرف لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر مشقت کے نہیں پہنچ سکتے۔ بے شک تمہارا پروردگار شفقت کرنے والا مہربان ہے کہ اس نے تمہاری راحت کے لیے یہ سامان پیدا کیا جو تمہارے لیے سامانِ سفر بھی ہے اور سامانِ زراعت و حراثت بھی ہے اور ان کا دودھ اور گوشت تمہاری اعلیٰ ترین غذا ہے اور ان کا صُوف اور بال تمہارا سامانِ لباس ہے۔

قسم چہارم ــــــ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کو پیدا کیا تاکہ تم ان پر سوار ہو اور تمہارے لیے زینت ہوں اور جس طرح وہ ان چیزوں کو پیدا کرتا ہے اسی طرح وہ ان عجیب و غریب چیزوں کو پیدا کرتا ہے جن کو تم نہیں جانتے جیسے انواع و اقسام کے کیڑے مکوڑے یا دریائی جانور یا جو پہاڑوں کے کھڈوں میں ہیں جن کو کسی بشر نے نہیں دیکھا اور نہ سنا۔

نکتہ اوّل حق تعالیٰ نے ان حیوانات کے منافع کا ذکر فرمایا جن کی انسان کو کھانے کے لیے ضرورت ہے دوم ان حیوانات کا ذکر کیا جن سے بجائے غذا کے سواری کا فائدہ ہوتا ہے اور پھر آخر میں وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ سے اجمالاً ان حیوانات کی طرف اشارہ فرمایا جن کی انسان کو ضرورت نہیں ہوتی۔

جملہ معترضہ برائے بیان اثر و دلائل مذکورہ

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ۔

اوپر سے دلائل توحید کا ذکر چلا آرہا ہے درمیان میں بطور جملہ معترضہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ دلائل مذکورہ صراطِ مستقیم تک پہنچانے والے ہیں۔ اور اللہ ہی پر پہنچتا ہے سیدھا راستہ یعنی دین اسلام جو اس راہ پر چلے گا وہ اللہ تک پہنچ جائے گا۔ اور بعضے راستے ٹیڑھے ہیں جو خدا تک نہیں پہنچتے وہ وہ ہیں جو دین اسلام کے سوا ہیں مطلب یہ ہے کہ راہِ توحید کے سوا کوئی راستہ ایسا نہیں کہ جس پر چل کر بندہ خدا تک پہنچ سکے۔ اسلام کے سوا جو راستے ہیں جیسے یہودیت اور نصرانیت اور مجوسیّت اور نیچریت اور بت پرستی وغیرہ وغیرہ یہ سب راستے ٹیڑھے ہیں ان پر چل کر خدا تک نہیں پہنچا جا سکتا اور بعض کہتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ سیدھے راستہ کا بیان کرنا اللہ کے ذمے ہے کیونکہ وہ طریق ہدایت کو ظاہر کیے بغیر کسی کو عذاب نہیں دیتا۔

آگے فرماتے ہیں کہ خواہ کوئی سیدھی راہ پر چلے یا ٹیڑھی راہ پر چلے وہ سب اللہ کی قدرت اور اس کے علم اور مشیت

کے ساتھ ہے اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ راست پر کر دیتا اس نے جس کو چاہا ہدایت دی اور جس کو چاہا شہوات کے اور ظلمات کے بیابانوں میں گم گشتۂ راہ بنایا اب آگے پھر اپنی نعمتوں کو بیان فرماتے ہیں۔ جو اس کی توحید پر دلالت کرتی ہیں پہلی آیت میں احوال حیوانات سے استدلال تھا اب احوالِ نباتات سے استدلال فرماتے ہیں۔

احوال نباتات سے استدلال

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً لَّكُمْ... الیٰ... اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔

وہی ہے رب تمہارا جس نے آسمان سے کچھ پانی اتارا۔ تمہارا اسی سے پینا ہے اور اسی سے تمہارے لیے درخت اور گھاس اُگتے ہیں جس میں تم اپنے مویشی چراتے ہو اسی پانی سے اللہ تمہارے لیے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل زمین سے اگاتا ہے بے شک اس میں سوچنے والے لوگوں کے لیے ہماری قدرت اور وحدانیت کی نشانی ہے۔ جو شخص اس میں غور کرے کہ دانہ زمین میں غائب ہوا اور تری سے پھول کر پھٹا اور اس سے سوزنگیں نمودار ہوئیں اور زمین میں پھیلیں اور اوپر شاخیں نکلیں اور مختلف قسم کے پھل اور پھول نمودار ہوئے جن کی صورتیں اور شکلیں بھی مختلف اور رنگتیں بھی مختلف اور خاصیتیں بھی مختلف اور مزے بھی مختلف حالانکہ زمین اور پانی اور ہوا سب کی ایک ہے اور اسباب وعلل بھی سب کے ایک ہیں اور تاثیراتِ فلکیہ اور تحریکات کوکبیہ کی نسبت بھی سب کے ساتھ ایک ہے جو اس میں غور وفکر کرلے گا وہ سمجھ جائے گا کہ یہ تمام تغیرات اور اختلافات کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں بلکہ کسی قادر حکیم کی کاریگری اور کرشمہ سازی ہے۔

قسم ششم ــ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۔

اور رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو تمہارے لیے مسخر کر دیا یعنی ان چیزوں کو تمہارے کام میں لگا دیا کہ دن اور رات کی آمد ورفت اور چاند اور سورج کے طلوع وغروب سے اور اوقات کے بدلنے سے کارخانۂ عالم چل رہا ہے اور سب اس کے حکم سے کام میں لگے ہوئے ہیں اور اللہ کے حکم سے ایسی چال پر چلتے ہیں جو خدا تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کر دی ہے اور انسان ان سے اوقات اور فصول کو معلوم کرتا ہے۔ پس فلاسفہ اور منجمین کا یہ قول کہ عالم سفلی کا کارخانہ کواکب اور نجوم کی تاثیر اور تصرف سے چل رہا ہے۔ غلط ہے۔ سب اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے مقہور اور مسخر ہیں۔ سب اس کے بیگاری ہیں جس کام میں لگا دیا اس میں لگے ہوئے ہیں۔ بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ہماری قدرت و یکتائی کی نشانیاں ہیں کہ آفتاب و ماہتاب اور کواکب و نجوم سب اجسام ہیں مگر سب مختلف اور متفاوت ہیں۔ حالانکہ من حیث الجسم ہونے کے لحاظ سے سب یکساں ہیں معلوم ہوا کہ یہ تفاوت جسمیت کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ کسی قادر حکیم کے ارادہ اور مشیت سے ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ستارے کسی کے حکم